وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية

موسوعه فقهيه

اردو ترجمه

جلد - ۴۴

وضیعه ـــــ وقف

مجمع الفقه الإسلامی الهند

موسوعہ فقہیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(سورۃ توبہ/۱۲۲)

''اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!''۔

''من يرد الله به خيرًا
يفقهه في الدين''

(بخاری ومسلم)

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے
اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔

فہرست موسوعہ فقہیہ
جلد - ۴۴

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ
	وطن کے انواع	۷۵
۳	الف- وطن اصلی	۷۵
۴	ب- وطن اقامت	۷۵
۵	ج- وطن سکونت	۷۶
۶	وطن کے شرائط	۷۶
۷	الف- وطن اصلی کی شرطیں	۷۶
۸	ب- وطن اقامت کے شرائط	۷۶
۹	ج- وطن سکونت کے شرائط	۷۶
۱۰	کس چیز سے وطن ختم ہوجاتا ہے	۷۷
۱۱	وطن سے متعلق احکام	۷۷
۱۲	الف- نماز میں قصر کرنا	۷۸
۱۳	ب- جمع بین الصلوات	۷۸
۱۴	ج- مسافر کے لئے رمضان میں روزہ چھوڑ دینا	۷۸
۱۵	د- قربانی سے معافی	۷۸
۱۶	ھ- جمعہ کا مکلّف بنانے کا ساقط ہونا	۷۹
۱۷	و- عیدین کا مکلّف بنانے کا ساقط ہونا	۷۹
۱۸	ز- زکوۃ منتقل کرنا	۷۹
۱۹	ح- حربیہ کا دارالاسلام میں وطن بنانا	۷۹
۲۰	ط- مسافر زانی کو اس کے وطن کے علاوہ کی طرف جلاوطن کرنا	۷۹
۲۱	ی- جو شخص دارالحرب میں ہو اس کا اپنے وطن سے ہجرت کرنا	۸۰
۲۲	ک- دارالحرب میں وطن بنانا	۸۰
۱-۱۹	**وظیفہ**	۸۰-۸۹
۱	تعریف	۸۰
	متعلقہ الفاظ	۸۰
۲	مہنہ	۸۰

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان	فقرہ

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان	فقرہ

☆☆☆

موسوعہ فقہیہ

شائع کردہ

وزارت اوقاف واسلامی امور، کویت

وضیعہ

تعریف:

۱- لغت میں وضیعہ کے بعض معانی: خسارہ اور وہ خراج وعشر جو سلطان وصول کرتا ہے اور قیمت کی کمی، اسی معنی میں ہے: وضعت عنه وفيه، ساقط کرنا، وضع الشیء بین یدیه: چیز کو کہیں چھوڑ دینا اور وضع فی تجارته ضعة ووضیعة: تجارت میں نقصان ہونا(۱)۔

فقہاء کی اصطلاح میں وضیعہ: ثمن اول میں متعین کمی کے ساتھ اسی ثمن کے بدلہ فروخت کرنا، اور اس کو مواضعہ، مخاسرہ، محاطہ اور حطیطہ کہا جاتا ہے اور یہی اس کے اصطلاحی معانی میں زیادہ مشہور ہے(۲)۔

فقہاء وضیعہ کا اطلاق خسارہ(۳) اور دین میں چھوٹ دینے پر بھی کرتے ہیں(۴)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-مرابحہ:

۲- لغت میں مرابحہ: نفع دینا، کہا جاتا ہے: میں نے مرابحہ کے طور پر اس سے سامان بیچا اور خریدا جبکہ ثمن کی مقدار کے ساتھ نفع کی تعیین کردی جائے(۱)۔

فقہاء کی اصطلاح میں: یہ وہ بیع ہے جس میں راس المال پر معلوم اضافہ کے ساتھ ثمن کی تعیین کی گئی ہو(۲)۔

مرابحہ ووضیعہ میں تضاد کی نسبت ہے۔

ب-تولیہ:

۳- لغت میں تولیہ ولّٰی کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: ولّيته الأمر تولیةً، والی بنانا، اور بیع تولیہ اسی سے ماخوذ ہے(۳)۔

اصطلاح میں بیع تولیہ: پوری مبیع ثمن اول میں کمی بیشی کے بغیر اسی ثمن میں مولی (جس سے یہ بیع کی جارہی ہے) کے حوالے کرنا(۴)۔

تولیہ نیز زیادہ مشہور معانی کے لحاظ سے وضیعہ کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں ہی بیوع امانت میں سے ہیں۔

ج-اشراک:

۴- لغت میں اشراک اُشرک کا مصدر ہے یعنی شریک بنانا(۵) اصطلاح میں بیع میں اشراک: کچھ ثمن کے بدلے کچھ مبیع کی بیع تولیہ کرنا ہے ثمن اول کے مثل کے بدلہ مبیع کا کچھ حصہ دوسرے کو دینا، یعنی پورے ثمن میں بعض مبیع کا جو ثمن ہو اس کے بدلہ میں اس کو فروخت کرنا(۶)۔

---

(۱) المصباح المنیر والقاموس المحیط۔
(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۸، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۴، ابن عابدین ۴/ ۱۵۲، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۶۳، الشرح الصغیر ۳/ ۲۲۰، مغنی المحتاج ۲/ ۷۷، الشرقاوی علی التحریر ۲/ ۳۹-۴۰، المغنی ۴/ ۲۰۹-۲۱۰، کشاف القناع ۳/ ۲۳۰۔
(۳) حاشیہ ابن عابدین ۶/ ۴۷۵۔
(۴) کفایۃ الطالب الربانی ۲/ ۱۳۲۔

---

(۱) المصباح المنیر، الصحاح، القاموس المحیط۔
(۲) حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۱۵۲، الشرح الصغیر ۳/ ۲۱۵، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۹، قلیوبی وعمیرہ ۲/ ۲۱۹، کشاف القناع ۳/ ۲۳۰۔
(۳) المصباح المنیر۔
(۴) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۵۳، الشرح الصغیر ۳/ ۲۱۵، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۹، قلیوبی وعمیرہ ۲/ ۲۱۹، کشاف القناع ۳/ ۲۳۰۔
(۵) لسان العرب۔
(۶) البدائع ۵/ ۲۲۶، کشاف القناع ۳/ ۲۲۹۔

اشراک اور معنی مشہور کے مطابق وضیعہ کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں بیوع امانت میں سے ہیں۔

وضیعہ سے متعلق احکام:

وضیعہ کی اصطلاحی تعریفات کے اختلاف کے اعتبار سے اس سے متعلق احکام الگ الگ ہیں۔

الف- بیع وضیعہ:

۵- وضیعہ کا زیادہ مشہور معنی یہ ہے کہ وہ ثمن اول میں معلوم کمی کے ساتھ بیع امانت ہے، یہ شرعاً جائز ہے(۱) اس لئے کہ وہ بیع کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ"(۲) (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)۔ یہ اس وقت ہے جب اس کی تمام شرطیں پوری ہوں ورنہ دوسری بیوع کی تمام انواع کی طرح شرطوں کے نقص کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔

اور وضیعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں وہی ہیں جو مرابحہ کے صحیح ہونے کی ہیں اسی طرح عموماً اس کے آثار کا بھی معاملہ ہے اور تفصیل (مرابحہ فقرہ/ ۷ اور اس کے بعد کے فقرات میں ہے)۔

ب-خسارہ کے معنی میں وضیعہ:

۶-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ تمام شرکتوں میں خسارہ شرکت میں ہر ایک کے رأس المال کے اعتبار سے تمام شرکاء پر ہوگا، اس کے علاوہ کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا، ابن عابدین کہتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رأس المال کی مقدار کے برخلاف وضیعہ کی شرط لگانا باطل ہے(۱)۔

اسی طرح ان کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مضاربت میں عامل پر خسارہ کے کسی حصہ کی ذمہ داری نہ ہوگی، پورا کا پورا خسارہ رب المال پر ہوگا اور یہ حکم نفع کے برخلاف ہے اس لئے کہ وہ شرط کے مطابق ہوتا ہے۔

البتہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر عامل کو نفع ہو پھر اسے خسارہ ہو جائے تو جب تک مضاربت چلتی رہے گی خسارہ کو نفع سے وضع کیا جائے گا، امام احمد نے فرمایا جب کہ ان سے اس عامل کے بارے میں پوچھا گیا جس کو بار بار نفع اور نقصان ہو: کہ خسارہ نفع سے وضع کیا جائے گا الا یہ کہ رب المال رأس المال پر قبضہ کر لے پھر اس کو عامل کے حوالہ کرے اور کہے: اس میں دوبارہ مضاربت کرو تو اس کے بعد جو نفع ہوگا اس سے پہلے خسارہ کی تلافی نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ یہ دوسری مضاربت ہے (۲)۔

تفصیل (مضاربۃ فقرہ/ ۲۹) میں ہے۔

ج-دَین سے حط (چھوٹ) کے معنی میں وضیعہ:

۷-کفایۃ الطالب میں ہے: دین کو جلد ادا کرنے کی شرط پر اس میں کچھ کم کر دینا، قول مشہور کے مطابق ناجائز ہے، اور فقہاء کے یہاں اس مسئلہ کو "ضع وتعجل" (چھوٹ دو، نقد لو) کہا جاتا ہے، عام فقہاء کا یہی مذہب ہے، اس لئے کہ اس میں سود ہے (۳)۔

دیکھئے اصطلاح (ابراء فقرہ/ ۵۱)۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳، البدائع ۵/ ۲۲۰، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۶۳، حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر ۲/ ۳۹-۴۰، مغنی المحتاج ۲/ ۷۷، المغنی ۴/ ۲۰۹-۲۱۰، کشاف القناع ۳/ ۲۲۹۔

(۲) سورہ بقرہ: ۲۷۵۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۳۷، مغنی المحتاج ۲/ ۲۱۴، حاشیۃ الشرقاوی ۲/ ۱۱۲، والروض المربع / ۲۸۶، کشاف القناع ۳/ ۵۱۹۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۴۸۵، کشاف القناع ۳/ ۵۱۹، ۱۳۰، کفایۃ الطالب علی رسالۃ ابی زید ۲/ ۱۳۲۔

(۳) کفایۃ الطالب علی رسالۃ أبی زید ۲/ ۱۳۲۔

وضیمہ

تعریف:

۱- لغت میں وضیمہ کا معنی: ماتم کا کھانا، مصیبت کے وقت تیار کیا ہوا کھانا، جمع کردہ گھانس اور وہ جماعت جو کسی جماعت کے پاس ٹھہرے، جبکہ وہ تھوڑے ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اوران کا اکرام کریں(۱)، اصطلاح میں وضیمہ مصیبت کے وقت تیار کیا ہوا کھانا ہے(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-خرس:

۲- لغت میں خرس- خاء کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ- اور خراس خاء کے کسرہ کے ساتھ: ولادت کا کھانا، یا ولادت کا کھانا جس کی دعوت دی جائے یا ولادت کی وجہ سے تیار کیا ہوا کھانا۔

اور خرسہ نیز خرصہ، دونوں میں خاء کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ اور راء کے بعد پہلے میں سین اور دوسرے میں صاد کے ساتھ نفساء (نفاس میں مبتلا عورت) کا کھانا یا اس کے لئے بنائی جانے والی

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر، القاموس المحیط، المعجم الوسیط۔

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۴/ ۱۰، وبریقہ محمودیہ فی شرح طریقۃ محمدیہ ۴/ ۱۷۶، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المنہاج ۳/ ۲۹۴، فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۹/ ۲۴۱- طبع السّلفیہ، کشاف القناع ۵/ ۱۶۵، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۵ طبع عالم الکتب بیروت، مطالب اولی النہی ۵/ ۲۳۱- ۲۳۴۔

کوئی بھی کھانے پینے کی چیز(۱)۔

خرس کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے(۲)۔

اور وضیمہ نیز خرس کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں جمہور فقہاء کے نزدیک دعوت کے کھانے میں سے ہیں، البتہ وضیمہ مصائب اور موت کے وقت ہوتا ہے اور خرس خوشی اور ولادت کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس لئے عورت دردزہ کی بے جا تکلیف سے محفوظ رہی۔

ب-حذاق:

۳- لغت میں حذاق اور حذاقہ: سیکھنا اور مہارت حاصل کرنا، کہا جاتا ہے: حذق الصبی القرآن حذقاً وحذاقاً وحذاقة اور ہر ایک کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے: بچے نے پورا قرآن سیکھ لیا اور اس میں ماہر ہوگیا اور اس کے قرآن ختم کرنے کے دن کو یوم حذاقہ کہا جاتا ہے(۳)۔

اصطلاح میں: وہ کھانا جو حفظ قرآن کے وقت تیار کیا جائے(۴)۔

وضیمہ اور حذاق کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دعوت اور ضیافت کا کھانا ہے، البتہ حذاق کا کھانا ایک خوش کن مناسبت سے ہوتا ہے اور وہ بچہ کا قرآن کریم کو حفظ کرلینا اور اس کو ختم کرنا ہے جب کہ وضیمہ کا کھانا موت کی مصیبت کے وقت کی ضیافت ہے۔

(۱) القاموس المحیط، المصباح المنیر، المعجم الوسیط۔

(۲) بریقہ محمودیہ ۴/ ۱۷۶، کشاف القناع ۵/ ۱۶۵، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۳۳۷، حاشیۃ الشرقاوی علی تحفۃ الطلاب ۲/ ۲۷۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۴/ ۲۷۰۔

(۳) القاموس المحیط۔

(۴) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۳۳۷، مغنی المحتاج إلی معرفۃ ألفاظ المنہاج ۳/ ۲۴۵، کشاف القناع ۵/ ۱۶۵۔

وضیمہ سے متعلق احکام:

کچھ احکام وضیمہ سے متعلق ہیں ان میں کچھ یہ ہیں:

وضیمہ تیار کرنے کا حکم:

۴- وضیمہ یا تو اہل میت کی طرف سے ہوگا یا غیر اہل میت کی طرف سے۔

اگر وہ اہل میت کی طرف سے ہو تو فقہاء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کا مذہب ہے کہ اس کا تیار کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں ان کی مصیبت میں اضافہ ان کی پریشانی میں ایک اور پریشانی اور اہل جاہلیت کے عمل سے تشابہ ہے، نیز اس لئے کہ کھانا کھلانے کا نظام خوشیوں میں ہوتا ہے اور یہ اس کا موقع نہیں ہے یہ بدعت قبیحہ اور مکروہ ہے اس کے متعلق کچھ منقول نہیں ہے(۱) اور حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ہم اہل میت کے پاس اکٹھا ہونے اور کھانا بنانے کو نوحہ سمجھتے تھے (۲)۔

حنفیہ کی دوسری رائے میں اہل میت کے لئے کھانا تیار کرنا مباح ہے اور یہ اس لئے کہ حضرت عاصم بن کلیب نے اپنے والد سے انہوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: **"خرجنا مع رسول اللهﷺ فی جنازة فرأیت رسول اللهﷺ وهو علی القبر یوصي الحافر: أوسع من قبل رجلیه، أوسع من قبل رأسه، فلما رجع استقبله داعي امرأة، فجاء وجیئ بالطعام فوضع یده ثم وضع القوم فأكلوا، فنظر آباؤنا رسول اللهﷺ یلوک لقمة في فمه ثم قال: أجد لحم شاة أخذت بغیر إذن أهلها، فأرسلت المرأة قالت: یا رسول الله، إني أرسلت إلی البقیع یشتری لي شاة فلم أجد فأرسلت إلی جار لي قد اشتری شاة أن أرسل إليّ بها بثمنها فلم یوجد فأرسلت إلی امرأته فأرسلت إليّ بها، فقال رسول اللهﷺ: أطعمیه الأساری"**(۱) (ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبر کھودنے والے کو ہدایت دے رہے تھے، اس کے پیروں کی طرف کشادگی کرو اور اس کے سر کی طرف کشادگی کرو پھر جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو ایک عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آپ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ آئے اور کھانا لایا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ ڈالا اور پھر لوگوں نے ہاتھ ڈالا اور کھانا کھایا تو ہمارے آباء نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے منہ میں ایک لقمہ آہستہ آہستہ چبا رہے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر لے لی گئی ہے، تو عورت نے پیغام بھیجا اس نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے اپنے لئے بکری خریدنے کے لئے بقیع کی طرف (آدمی) بھیجا تو نہیں ملی تو میں نے اپنے پڑوسی کے پاس پیغام بھیجا جس نے بکری خریدی تھی کہ اس بکری کے ثمن کے بدلہ میں اسے میرے پاس بھیج دو، تو وہ نہیں ملا پھر میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے اسے میرے پاس بھیج دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قیدیوں کو کھلا دو)۔

---

(۱) فتح القدیر ۱/ ۴۷۳، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۱/ ۵۶۱، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ۲/ ۲۲۸، المجموع للنووی ۵/ ۳۲۰، تحفۃ المحتاج ۳/ ۲۰۷، مغنی المحتاج ۱/ ۳۶۸، أسنی المطالب ۱/ ۳۳۵، مطالب اولی النہی ۱/ ۹۲۹-۹۳۰، المغنی ۲/ ۵۵۰۔

(۲) حضرت جریر بن عبد اللہ کا اثر: "كنا نری الاجتماع إلی أهل المیت....." کی روایت ابن ماجہ (۱/ ۵۱۴) نے کی ہے اور نووی نے المجموع (۵/ ۳۲۰) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) حدیث رجل من الأنصار: "خرجنا مع رسول اللهﷺ فی جنازة...." کی روایت ابوداؤد (۳/ ۶۲۷) نے کی ہے اور نووی نے المجموع (۵/ ۲۸۶) میں اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور اس کی دعوت دینا مباح ہے(۱)۔

اور مالکیہ نے مزید کہا ہے کہ میت کے رشتہ دار جو کھانا تیار کرتے ہیں اور لوگوں کو جمع کرتے ہیں اگر وہ تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے ہو جس میں میت کے لئے بھلائی کی امید ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اس کے علاوہ مقصد سے ہو تو مکروہ ہوگا اور اگر میت نے اپنی موت کے وقت اس کے کرنے کی وصیت کی ہو تو یہ اس کے تہائی مال میں سے ہوگا اور اس وصیت کو نافذ کرنا واجب ہوگا(۲)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر میت پر دین ہو یا ورثہ میں کوئی مجور علیہ (مالیات میں پابند کیا ہوا) یا غائب ہو اور کھانا یہ ترکہ سے تیار کیا جائے تو حرام ہوگا (۳)۔

حنابلہ نے مزید کہا: جب اہل میت کے پاس اکٹھا ہونے والے مہمان ہوں تو اہل میت وغیرہ کا ان کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ نہیں ہوگا وہ کہتے ہیں: اگر اس کی حاجت ہو تو جائز ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس ایسا شخص آجائے جو دور دراز کے گاؤں سے ان کی میت کے پاس آیا ہو اور ان کے پاس رات گزارے تو ان کے لئے ممکن نہ ہوگا کہ اس کو کھانا نہ کھلائیں (۴)۔

اگر کھانا اہل میت کے علاوہ کی طرف سے ہو تو اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اہل میت کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لئے ان کے واسطے اتنا کھانا تیار کرنا مستحب ہے جو ایک دن اور ایک رات ان کو شکم سیر کردے، اس لئے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

(۱) غنیۃ المتملی فی شرح منیۃ المصلی ر ۶۰۹، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۳۳۹۔

(۲) الفواکہ الدوانی ۱ر ۳۳۲۔

(۳) اسنی المطالب وحاشیۃ الرملی علیہ ۱ر ۳۳۵۔

(۴) مطالب اولی النہی ۱ر ۹۲۹-۹۳۰، المغنی ۲ر ۵۵۰-۵۵۱۔

"اصنعوا لأهل جعفر طعاماً فإنه قد جائهم ما يشغلهم"(۱) (جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو اس لئے کہ ان کو ایسی مصیبت پیش آئی ہے جو ان کے لئے پریشان کن ہے)۔ نیز اس لئے کہ یہ نیکی اور بھلائی ہے اور اس میں محبت اور تعلق کا اظہار ہے۔

فقہاء کہتے ہیں: کھانا پیش کرنے والا ان سے کھانے پر اصرار کرے گا اس لئے کہ غم ان کے لئے اس سے مانع ہوگا اور وہ کمزور ہوجائیں گے۔

شافعیہ نے مزید کہا: ان کو اس صورت میں قسم دلانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ لوگ اس کی قسم پوری کردیں گے۔

مالکیہ وشافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر اہل میت کسی حرام کام پر مثلاً میت پر رونے، منہ پر طمانچہ لگانے، اور نوحہ کرنے کے لئے جمع ہوں تو ان کے لئے کھانا تیار کرنا اور اسے ان کے پاس بھیجنا مستحب نہیں ہے بلکہ ان کے پاس کھانا بھیجنا حرام ہوگا اس لئے کہ وہ نافرمان ہیں(۲)۔

وضیمہ کی دعوت قبول کرنا:

۵ - وضیمہ کی دعوت قبول کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کا مذہب ہے کہ اس کا قبول کرنا مستحب ہے، شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ وہ مکروہ ہے، مالکیہ میں سے

(۱) حدیث: "اصنعوا لأهل جعفر طعاماً...." کی روایت ترمذی (۳ر ۳۱۴) نے کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۲) فتح القدیر ۲ر ۱۴۳، الفواکہ الدوانی علی رسالۃ القیروانی ۱ر ۳۳۲، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۱ر ۵۶۱، حاشیۃ الدسوقی ۱ر ۴۱۹، روضۃ الطالبین للنووی ۲ر ۱۴۵، نہایۃ المحتاج للرملی ۳ر ۴۱، المجموع شرح المہذب ۵ر ۳۱۹-۳۲۰، مغنی المحتاج ۱ر ۳۶۷-۳۶۸، المغنی لابن قدامہ ۲ر ۵۵۰، مطالب اولی النہی ۱ر ۹۲۹۔

ابن رشد کا مذہب ہے کہ وہ مباح ہے (١)۔

وضیمہ کے کھانا میں سے کھانا:

٦- وضیمہ کے کھانا میں سے کھانے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ نے کہا: اس میں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے (٢)۔

مالکیہ کہتے ہیں: اہل میت جو کھانا تیار کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کے لئے اکٹھا کرتے ہیں کسی کے لئے اس میں سے کھانا مناسب نہیں ہے الا یہ کہ ورثہ میں سے جس نے اس کو تیار کیا ہے بالغ اور رشید (صاحب فہم) ہو تو پھر اس میں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے (٣)۔

حنابلہ نے کہا: مہمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے اس کھانے میں سے کھانا جس کو اہل میت مہمانوں کے لئے تیار کرتے ہیں مکروہ ہے اور اگر وہ کھانا ترکہ میں سے ہو اور ترکہ کے مستحقین میں کوئی مجور علیہ ہو یا ایسا شخص ہو جس نے اجازت نہ دی ہو تو کھانا تیار کرنا حرام ہے اور اس میں سے کھانا بھی حرام ہے اس لئے کہ وہ مجور علیہ کا مال ہے یا ایسے شخص کا مال ہے جس کی طرف سے اجازت نہیں ہے (٤)۔

قبر کے پاس ذبح کرنا اور وہاں کھانا لے جانا:

٧- حنفیہ، مالکیہ، جس کو ہیثمی نے قول ظاہر قرار دیا ہے اس کے مطابق شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ قبر کے پاس ذبح کرنا اور وہاں

(١) البنایۃ فی شرح الہدایۃ للعینی ٩/ ٢٠٢، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ٤/ ١٧٥، مواہب الجلیل ٤/ ٣، حاشیۃ الدسوقی ٢/ ٣٣٧، مغنی المحتاج ٣/ ٢٤٥، تحفۃ المحتاج ٣/ ٢٠٧، الشرح الصغیر ٢/ ٤١٩، مطالب اولی النہی ٥/ ٢٣٤، کشاف القناع ٥/ ١٦٨۔

(٢) الفتاوی الہندیہ ٥/ ٣٤٤۔

(٣) الفواکہ الدوانی ١/ ٣٣٢۔

(٤) مطالب اولی النہی ١/ ٩٣٠۔

کھانا لیجانا ناپسندیدہ بدعت ہے اس لئے کہ یہ جاہلیت کے فعل میں سے ہے اور نبی کریم علیہ کے ارشاد: "**لا عقر فی الإسلام**" (١) (اسلام میں "عقر" نہیں ہے) کے خلاف ہے، علماء فرماتے ہیں: عقر کا معنی: قبر پر ذبح کرنا ہے نیز اس لئے بھی کہ اس میں ریا، شہرت پسندی اور فخر ومباہات ہے اس لئے کہ نیکی کے کاموں میں سنت ان کا اخفاء ہے نہ کہ ان کا اعلان (٢)۔

اور ابن تیمیہؒ نے کہا: قبر کے پاس ذبح کرنا اور قربانی کرنا حرام ہے، اگر کوئی نذر ماننے والا اس کی نذر مانے تو اس کو پورا نہیں کرے گا اور اگر کوئی وقف کرنے والا اس کی شرط لگائے گا تو اس کی شرط فاسد ہوگی۔

اور حنابلہ نے کہا: قبر پر اس غرض سے کھانا یا پانی رکھنا بھی منکر میں سے ہے کہ لوگ اس کو لے لیں، اور جنازہ کے ساتھ صدقہ لیجانا ایسی ناپسندیدہ بدعت ہے جس کو سلف نے نہیں کیا ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ ورثہ میں کوئی مجور علیہ یا غائب نہ ہو، ورنہ اگر یہ ترکہ سے ہو تو حرام ہوگا۔

اور اسی کے معنی میں قبر کے پاس صدقہ کرنا بھی ہے، اس لئے کہ وہ بدعت ہے، اور اس کا ترک کر دینا اولی ہے، اس لئے کہ اس میں کبھی ریا شامل ہو جاتی ہے، اور امام احمد نے اس کے بارے میں توقف کیا ہے، اور ابو طالب نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس کے بارے میں میں نے کچھ نہیں سنا ہے، اور مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں میت کے لئے صدقہ کرنے سے منع کروں (١)۔

(١) حدیث: "**لا عقر فی الإسلام...**" اس کی روایت ابوداؤد (٣/ ٥٥١) نے انس بن مالک کی حدیث سے کی ہے۔

(٢) تبیین الحقائق ١/ ٢٤٦، المجموع ٥/ ٣٢٠، تحفۃ المحتاج ٣/ ٢٠٨، الفواکہ الدوانی ١/ ٣٣٢، مواہب الجلیل ٢/ ٢٤٨، کشاف القناع ٢/ ١٤٩، الانصاف ٢/ ٥٦٩- ٥٧٠، مطالب اولی النہی ١/ ٩٣٠- ٩٣١۔

(٣) مطالب اولی النہی ١/ ٩٣٠- ٩٣١۔

وطء

تعریف:

۱- لغت میں وطء کا معنی: کسی چیز پر چڑھنا ہے، کہا جاتا ہے: وطئته برجلي أطؤه وطأ: یعنی میں نے اس کو اپنے پیروں سے روندا اور میں اس کے اوپر چڑھا۔

اسی طرح وطء کا اطلاق جماع پر بھی ہوتا ہے جو عورت کی شرم گاہ میں عضو تناسل کو داخل کرنا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ دونوں شئ واحد کی طرح ہوجائیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: وطئ زوجته وطأ: اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا، اس لئے کہ وہ استعلا (اوپر چڑھنا) ہے(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-نکاح:

۲- لغت میں نکاح کی اصل: ملانا اور جمع کرنا ہے اور کلام عرب میں درحقیقت اس کا اطلاق وطی پر ہوتا ہے اور مجازاً عقد پر اس لئے کہ وہ مباح وطی کا سبب ہے(۳)۔

(۱) المغرب، المصباح المنیر، لسان العرب، القاموس المحیط، النہایۃ لابن اثیر ۵/۲۰۰ اور اس کے بعد کے صفحات۔
(۲) البحر الرائق ۵/۴۔
(۳) معجم مقاییس اللغۃ، طلبۃ الطلبہ/ ۳۸، المطلع علی أبواب المقنع /۳۱، ۳۱۹، المصباح المنیر، المغرب، النہایۃ لابن اثیر ۵/ ۱۱۴، تحریر الفاظ التنبیہ ۲۴۹، التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی/ ۱۰۷۔

اصطلاح میں اس کا اطلاق درحقیقت عقد تزویج پر اور بطور مجاز وطی پر کیا جاتا ہے اور ایک قول ہے: وہ وطی کے معنی میں حقیقت اور عقد کے معنی میں مجاز ہے اس لئے کہ وہ وطی کا سبب ہے اور ایک قول ہے: وہ عقد اور وطی کے درمیان مشترک ہے لہذا انفرادی طور پر دونوں میں سے ہر ایک پر اس کا اطلاق بطور حقیقت ہوگا اور ایک قول ہے: دوسرے موافق الفاظ کی طرح وہ دونوں کے مجموعہ میں حقیقت ہے(۱)۔

اگر یہ کہا جائے کہ نکاح وطی کے معنی میں حقیقت اور عقد کے معنی میں مجاز ہے تو وطی اور نکاح کے درمیان ترادف کی نسبت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ نکاح عقد کے معنی میں حقیقت اور وطی کے معنی میں مجاز ہے تو (دونوں کے درمیان) سببیت کی نسبت ہوگی۔

ب-لواط:

۳- لواط لغت میں لاط کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: لاط الرجل ولاوط: یعنی قوم لوط کا عمل کرنا یعنی مردوں سے بدفعلی کرنا(۲)۔

اور اصطلاح میں اس کا اطلاق کسی مرد یا عورت کے دبر میں عضو تناسل کے داخل کرنے پر ہوتا ہے(۳)۔

اور وطی اور لواط کے درمیان تعلق یہ ہے کہ وطی لواط سے زیادہ عام ہے۔

وطی سے متعلق احکام:

وطی سے کچھ احکام متعلق ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۵ ط: حلبی الثانیہ۔
(۲) الصحاح۔
(۳) تحریر الفاظ التنبیہ/ ۳۲۴، المطلع للبعلی/ ۳۱، المفردات، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۸۳، کشاف القناع ۶/ ۹۴، ۹۵، نہایۃ المحتاج ۷/ ۴۰۳، البحر الرائق ۵/ ۴۔

اول: وطی بمعنی جماع:

وطی کے اقسام:

فقہاء نے وطی -بمعنی جماع- کی دوقسمیں کی ہیں مشروع اور ممنوع۔

مشروع حلال عورت سے وطی کرنا ہے جو زوجہ ہوگی یا باندی، اور بعض حالات میں کبھی وطی کرنا حرام ہوتا ہے جیسے حائضہ، نفساء اور کفارہ ادا کرنے سے قبل ظہار کی ہوئی عورت سے وطی کرنا نیز احرام، روزے اور اعتکاف کی حالت میں وطی کرنا۔

اور فقہی نقطہ نظر سے عارضی حرمت لازمی حرمت سے کم درجہ ہوتی ہے۔

ممنوع وطی وہ ہے جس کے ساتھ حرام ہونا لازم ہو اس کی دو قسمیں ہیں:

اول: جس کا حلال ہونا ممکن ہو، جیسے کسی ایسی اجنبی عورت کی اگلی شرم گاہ میں وطی کرنا جس سے اس کا نکاح جائز ہو، اور اس میں حدزنا ہوگی(۱)۔

ابن قیم نے کہا: اگر وہ شوہر والی ہو تو اس سے وطی کرنے میں دو حقوق ہیں ایک اللہ کا حق دوسرے شوہر کا حق، اگر اس پر جبر کیا گیا ہو تو اس میں تین حقوق ہیں، اگر اس عورت کے ایسے گھر والے رشتے دار ہوں جن کو اس سے عار لاحق ہوگی تو اس میں چار حقوق ہوں گے اور اگر وہ اس کی ذی رحم محرم ہو تو اس میں پانچ حقوق ہو جائیں گے۔

دوم: جس کے حلال ہونے کا قطعی طور پر کوئی طریقہ نہ ہو، جیسے لواطت اور بیوی یا اجنبی عورت کے دبر میں وطی کرنا اور جانور سے وطی کرنا اور اس کی سب سے زیادہ فحش اور سخت شکل محارم سے وطی کرنا ہے(۲)۔

(۱) زاد المعاد ۴/ ۲۶۴، ۲۶۵، قواعد الاحکام ۲/ ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۴۴۔

(۲) زاد المعاد ۴/ ۲۶۴-۲۶۵۔

الف- مشروع وطی:

اس کے اسباب:

۵- وطی کے حلال ہونے کے اسباب دو امور ہیں: عقد نکاح اور ملک یمین۔

نکاح کو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے اور وطی کی حلت اور زوجین کے درمیان لطف اندوزی کو اس کے احکام اصلیہ میں سب سے زیادہ اہم قرار دیا ہے، چنانچہ عورت جس طرح اپنے شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے، اسی طرح اس کا شوہر اس کے لئے حلال ہوتا ہے...... اور شوہر کو حق ہے کہ جب چاہے اس سے وطی کا مطالبہ کرے الا یہ کہ وطی سے مانع کوئی سبب موجود ہو جیسے حیض، نفاس، ظہار اور احرام وغیرہ ہو، اور بیوی کو حق ہے کہ اپنے شوہر سے وطی کا مطالبہ کرے اس لئے کہ شوہر کا اس کے لئے حلال ہونا اسی طرح اس کا حق ہے جیسا بیوی کا حلال ہونا شوہر کا حق ہے(۱)، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلاَّ عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾(۲) (اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلبگار ہوگا سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں)۔

نکاح کی مشروعیت اور اس کی حکمت کے بارے میں (دیکھئے: نکاح فقرہ ۷)۔

رہا ملک یمین تو فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مملوکہ باندی سے وطی کرنا اور اس کو ہمبستری کے لئے مقرر کرنا جائز

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۱، انیس الفقہاء للقونوی ر ۱۴۵۔

(۲) سورہ مومنون: ۵-۷۔

ہے۔نکاح کی ضرورت نہیں ہے،ابن قدامہ نے کہا:اس لئے کہ ملک رقبہ ملک منفعت اور بضع کی اباحت کے لئے مفید ہے (دیکھئے تسری فقرہ ٦-٧)۔

شرعی حکم:

٦- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ جس عورت سے لطف اندوز ہونا حلال ہے بیوی ہو یا باندی اس سے وطی کا حکم دراصل مباح ہونا ہے، اس لئے کہ یہ ان لذتوں میں سے ہے کہ طبائع ان کی داعی ہوتی ہیں، فی ذاتہ اس میں طاعت یا معصیت کا معنی نہیں ہے(۱)۔

اور کبھی وطی کرنا مستحب ہوجاتا ہے، جبکہ اس کے ساتھ ایسی صالح نیت مل جائے جس میں عبادت کا معنی ہو، جیسے حلال کے ذریعہ حرام سے پاکدامنی، معصیت سے دوری اور اس چیز کی طلب جس پر ثواب ہوتا ہے(۲)۔

اسی کے بارے میں نووی کہتے ہیں: مباحات سچی نیتوں سے طاعات ہوجاتی ہیں، چنانچہ جماع اس وقت عبادت بن جاتا ہے جب اس کے ذریعہ بیوی کا حق ادا کرنے کی نیت ہو اور معروف کے ساتھ اس سے معاشرت اختیار کرنے کی نیت ہو جس کا حکم اللہ تعالی نے دیا ہے یا صالح اولاد طلب کرنے یا اپنے آپ کو پاک دامن بنانے یا اپنی بیوی کو پاک دامن بنانے اور دونوں کو حرام کی طرف نظر کرنے سے روکنے یا حرام میں غور کرنے یا اس کا ارادہ کرنے سے روکنے یا اس کے علاوہ دوسرے نیک مقاصد کی نیت کرے(۳)۔

(۱) احکام القرآن للجصاص ۵/ ۹۲، المفہم للقرطبی ۳/ ۵۱، جامع العلوم والحکم ۲/ ۶۵، المبین المعین للملا علی القاری / ۱۴۲، فتح المبین للہیتمی / ۲۰۵، ۲۰۶، دلیل الفالحین ۱/ ۳۵۰۔

(۲) النووی علی مسلم ۷/ ۹۲، المبین المعین / ۱۴۱، فتح المبین / ۲۰۵، المفہم للقرطبی ۳/ ۵۱، قواعد الاحکام للعز بن عبدالسلام / ۳۳۲۔

(۳) النووی علی مسلم ۷/ ۹۲۔

کبھی وطی کرنا واجب ہوجاتا ہے، جب کہ اگر وہ نفس کو پاکدامن بنانے یا اہلیہ کو حرام سے پاک دامن بنانے کے وسیلے کے طور پر متعین ہوجائے اور کبھی وطی کرنا حرام ہوجاتا ہے جیسا کہ حائضہ، یا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس عورت سے وطی کرنا جس سے ظہار کیا ہو یا رمضان کے دن میں بیوی سے وطی کرنا ہے، اور کبھی وطی کرنا مکروہ ہوتا ہے جب کہ کراہت کا متقاضی کوئی وصف موجود ہو(۱)۔

وطی کے شرعی مقاصد:

٧- ابن قیم کہتے ہیں: جماع اور وطی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کامل ترین طریقہ ہے جس سے صحت محفوظ رہے گی لذت اور نفس کی خوشی پوری ہوگی اور اس کے وہ مقاصد حاصل ہوں گے جس کے لئے وہ مشروع ہے اس لئے کہ جماع کو دراصل ایسی تین چیزوں کے لئے مشروع کیا گیا ہے جو اس کے مقاصد اصلیہ ہیں:

اول: نسل کی حفاظت اور نوع انسانی کا باقی رہنا ہے یہاں تک کہ وہ تعداد پوری ہوجائے جس کے اس عالم میں ظہور کو اللہ تعالی نے مقدر فرمایا ہے۔

دوم: اس منی کو نکالنا جس کا روکنا اور رکنا پورے بدن کے لئے مضر ہے۔

سوم: شہوت پوری کرنا، لذت پانا اور نعمت سے لطف اندوز ہونا اور جنت میں صرف یہی فائدہ ہوگا اس لئے کہ وہاں نہ تناسل ہوگا اور نہ ایسی کوئی رکاوٹ ہوگی جس سے انزال کے ذریعہ فراغت ہوگی پھر فرماتے ہیں: اور اس کے منافع میں نگاہ کی حفاظت، کف نفس (نفس کو

(۱) قلیوبی وعمیرہ ۴/ ۳۷۳، الزرقانی علی خلیل ۸/ ۹۷، بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۱، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۸۴، زاد المعاد ۴/ ۲۶۴، مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/ ۲۷۱، الاختیارات الفقہیہ من فتاوی ابن تیمیہ / ۲۴۶، قواعد الاحکام / ۵۴۴۔

روکنا) حرام سے پاک دامنی پر قادر ہونا، اور عورت کے لئے اس کا حاصل کرنا ہے، چنانچہ وہ اپنی دنیا اور آخرت میں خود کو نفع پہنچاتا ہے اور عورت کو بھی نفع پہنچاتا ہے(۱)۔

مشروع وطی کا ثواب:

۸- حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**وفي بضع أحدكم صدقة (۲)، قالوا: يا رسول الله أيأتي أحدنا شهوته، ويكون له فيها أجر؟ قال: أرأيتم لو وضعها في حرام، أكان عليه فيها وزر؟ فكذلك إذا وضعها في الحلال كان له أجر**"(۳) (تم میں سے کسی کے بضع میں صدقہ ہے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اور اس کے لئے اس میں ثواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اس کو حرام میں پوری کرتا کیا اس میں اس کو کوئی گناہ ہوتا؟ تو اسی طرح جب وہ اس کو حلال میں پوری کرے گا تو اس کو ثواب ہوگا)۔

اسی بنا پر جمہور علماء کا مذہب ہے کہ آدمی کو اپنی رفیقۂ حیات سے جماع کرنے پر ثواب ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی نیک نیت ہو جیسے اپنے آپ کو یا اپنی شریک حیات کو حرام کے ارتکاب سے بچانا یا اس کا حق ادا کرنا یعنی بھلائی کے ساتھ بیوی سے معاشرت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو پورا کرنا یا ایسی صالح اولاد کی طلب جو اللہ کی وحدانیت کی قائل ہو، علم اور دین پھیلائے، اسلام کی سرحد کی حفاظت کرے یا اسی جیسے دوسرے نیک مقاصد ہوں(۱)۔

۹- اگر جماع کرنے والا اپنی شہوت پوری کرنے اور لذت پانے کے علاوہ کسی اور چیز کی نیت نہ کرے تو اس کے جماع کے ثواب کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

اول: بعض اہل علم کا قول ہے اور ابن قتیبہ کا میلان بھی اسی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے کسی چیز کی نیت کئے بغیر اپنی رفیقۂ حیات سے جماع کرنے پر اجر و ثواب ملے گا(۲)، اس پر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی روایت حضرت ابوذر نے نبی کریم ﷺ سے کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**وفي بضع أحدكم صدقة**"(۳) (تم میں سے ہر شخص کے بضع میں صدقہ ہے)، اس لئے کہ اس کے اطلاق کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی رفیقۂ حیات سے جماع کرنے پر مطلقاً اجر ملے گا کیونکہ جس طرح وہ حلال وطی کی ضد یعنی زنا سے گناہ گار ہوتا ہے، اسی طرح اسے فعل حلال میں اجر ملے گا(۴)۔

دوم: علماء کی ایک جماعت کا قول ہے اسی کی طرف ابن حجر ہیثمی کا میلان ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی رفیقہ کے ساتھ جماع سے خود اپنے یا اپنی بیوی کے پاکدامن ہونے یا اولاد کی طلب کی نیت نہیں

---

(۱) زاد المعاد ۴؍۲۴۹، ۲۵۰، اور دیکھئے الآداب الشرعیۃ لابن مفلح ۲؍۳۸۵، قواعد الاحکام؍۵۳ ط دار الطباع بدمشق)۔

(۲) یعنی اسے اس میں اس طرح اجر و ثواب ملے گا جیسے اسے صدقہ کرنے میں ملتا ہے (دیکھئے: بہجۃ النفوس ۴؍۱۶۹)، ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں: اور اس کو صدقہ کہنا مجاز مشابہت میں سے ہے یعنی اس کو جنس کے اعتبار سے صدقہ کے اجر کی طرح ثواب ملے گا، اس لئے کہ دونوں کا صدقہ اللہ کی رضا سے اس کی اطاعت کے بدلہ میں ہوتا ہے (فتح المبین؍۲۰۵)۔

(۳) حدیث: "......وفي بضع أحدكم صدقة..." کی روایت مسلم نے (۲؍۶۹۷-۶۹۸) میں کی ہے۔

---

(۱) فتح المبین للہیتمی؍۲۰۵، المبین المعین للملا علی القاری؍۱۴۱، جامع العلوم والحکم ۲؍۶۲، النووی علی مسلم ۷؍۹۲، دلیل الفالحین ۱؍۳۴۹، المغنی ۱۰؍۲۴۱۔

(۲) جامع العلوم والحکم ۲؍۶۲، ۶۵، ۶۶، فتح المبین؍۲۰۵، المبین المعین؍۱۴۲۔

(۳) حدیث: "وفي بضع أحدكم" کی روایت فقرہ ۸ میں گذر چکی ہے۔

(۴) جامع العلوم والحکم ۲؍۶۶۔

کرے گا تو اس کو اس وطی پر کوئی ثواب نہیں ملے گا انہوں نے اس پر حضرت ابوذرؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ثواب کے حصول کے لئے نیت کرنے کی صراحت موجود ہے اس کا متن یہ ہے: "قلت نأتي شهوتنا ونؤجر قال: أرأيت لو جعلته في حرام أكنت تأثم؟ قال: قلت: نعم، قال: فتحتسبون بالشر ولا تحتسبون بالخير؟"(۱) (میں نے عرض کیا: کیا ہم اپنی شہوت پوری کریں گے اور اجر پائیں گے؟ فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اس کو حرام میں پوری کرتے تو کیا تم گنہگار ہوتے، کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: ہاں فرمایا: تم برائی پر بدلہ کی امید رکھتے ہو اور بھلائی پر بدلہ کی امید نہیں رکھتے)۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا: "لست تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت عليها حتى اللقمة تجعلها في في امرأتك"(۲) (تم جو بھی خرچ اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے ہو اس پر تمہیں اجر ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی جس کو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو)۔

اور نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا أنفق المسلم نفقة على أهله وهو يحتسبها، كانت له صدقة"(۳) (جب مسلمان ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے گھر والوں پر کوئی خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے)، اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اس میں اس وقت ثواب ملے گا جب وہ اس میں ثواب کی نیت رکھے(۱) اور جب واجب خرچ میں یہ شرط ہے تو مباح جماع میں بدرجہ اولی یہ شرط ہوگی (۲)۔

وطی کے آداب ومستحبات:

۱۰- فقہاء نے بیان کیا ہے کہ وطی کے کچھ آداب ومستحبات ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

الف- بسم اللہ سے ابتدا کرنا مستحب ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وقدموا لأنفسكم"(۳) (اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے)۔

حضرت عطاء نے کہا: یہ جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے(۴)۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لو أن أحدكم إذا أراد أن يأيي أهله قال: بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا"(۵) (اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی سے وطی کا ارادہ کرے اور کہے: بسم اللہ، یا اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور جو (اولاد) ہم کو نصیب ہو اس کو بھی شیطان سے بچا، تو اگر ان کے درمیان اس میں کوئی بچہ ہوگا تو شیطان اس کو کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا)۔

ب- اسی طرح قبلہ سے ہٹ کر دوسری طرف رخ کرنا مستحب ہے

---

(۱) حدیث: "نأتي شهوتنا ونؤجر؟..." کی روایت احمد نے (۵/ ۱۵۴) میں کی ہے۔

(۲) حدیث: "لست تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله..." کی روایت بخاری نے (فتح الباری ۸/ ۱۰۹) اور مسلم نے (۳/ ۱۲۵۱) کی ہے۔

(۳) حدیث: "إذا أنفق المسلم نفقة على أهله..." کی روایت بخاری نے (فتح الباری ۹/ ۴۹۷) اور مسلم نے (۲/ ۶۹۵) ابومسعود انصاری کی حدیث سے کی ہے۔

---

(۱) جامع العلوم والحکم ۲/ ۶۳۔

(۲) فتح المبین / ۲۰۶۔

(۳) سورۃ البقرہ: ۲۲۳۔

(۴) المغنی ۱۰/ ۲۳۱، کشاف القناع ۵/ ۲۱۶، جواہر الاکلیل ۱/ ۱۷، مختصر منہاج القاصدین / ۱۰۴، بہجۃ النفوس ۳/ ۲۳۵، المفہم للقرطبی ۴/ ۱۵۹، المدخل لابن الحاج ۲/ ۱۸۶، احیاء علوم الدین ۲/ ۴۶، دیکھئے: عشرۃ النساء للمناوی / ۸۷، تفسیر القرطبی ۳/ ۹۶، الأذکار للنووی / ۲۵۲۔

(۵) حدیث: "لو أن أحدهم إذا أراد أن يأتي أهله..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/ ۳۳۷) اور مسلم (۲/ ۱۰۵۸) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

لہذا قبلہ کا احترام کرتے ہوئے جماع میں اس کا رخ نہیں کرے گا(۱)۔

ج- مستحب یہ ہے کہ ملاعبت (جسمانی چھیڑ چھاڑ ولطف اندوزی)، لپٹانے اور بوسہ لینے سے شروعات کرے(۲)، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "**نهى رسول الله ﷺ عن المواقعة قبل الملاعبة**"(۳) (نبی کریم ﷺ نے ملاعبت سے پہلے جماع کرنے سے منع فرمایا ہے)۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ عورت کی شہوت بیدار ہوجائے تو اسے بھی جماع کی اسی طرح لذت ملے جیسے مرد کو ملی ہے(۴)۔

د- اور قضاء شہوت میں بیوی کے ساتھ توافق کی رعایت کرنا مرد کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ بیوی کی خواہش پوری ہونے سے پہلے مرد کا اپنی خواہش کے پوری کرنے میں جلدی کرنے میں بیوی کا نقصان ہے اور اس کو قضاء شہوت سے روکنا ہے(۵)۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے: "**إذا جامع أحدكم أهله فليصدقها الخ**"(۶) (جب تم میں سے کوئی اپنی

---

(۱) المجموع ۲/۸۰، جواہر الاکلیل ۱/۱۸، المغنی ۱۰/۲۳۲، کشاف القناع ۵/۲۱۶، احیاء علوم الدین ۲/۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ۵/۳۷۲۔

(۲) الآداب الشرعیۃ لابن مفلح ۲/۳۸۹، المغنی ۱۰/۲۳۲، الاحیاء ۲/۴۶، مختصر منہاج القاصدین ۱۰۴، اتحاف السادۃ المتقین ۵/۳۷۲، کشاف القناع ۵/۲۱۶، المدخل لابن الحاج ۲/۱۸۶۔

(۳) حدیث جابر: "**نهى رسول الله ﷺ عن المواقعة قبل الملاعبة**" کی روایت خطیب نے تاریخ بغداد (۱۳/۲۲۱- ط الخانجی) میں کیا ہے، اور ذہبی نے میزان الاعتدال (۱/۶۶۲ طبع الحلبی میں اس کے ایک راوی کے حالات لکھا ہے اور خلیلی سے نقل کیا ہے، انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا: وہ بہت ضعیف ہے اس نے غیر معرف متون کی روایت کی ہے اور حاکم سے منقول ہے کہ اس کی روایت اس حدیث کی وجہ سے ساقط کردی ہے۔

(۴) المغنی ۱۰/۲۳۱۔

(۵) المغنی ۱۰/۲۳۳، کشاف القناع ۵/۲۱۷، عشرۃ النساء للمناوی ص/۸۹، المدخل لابن الحاج ۲/۱۸۷۔

(۶) حدیث: "**إذا جامع أحدكم أهله....**" کی روایت ابویعلی نے المسند

بیوی سے جماع کرے تو صحیح انداز میں کرے پھر جب عورت کی خواہش پوری ہونے سے پہلے مرد اپنی حاجت پوری کرے تو اس سے جلد نہ الگ ہوجائے تا آنکہ عورت اپنی خواہش پوری کرلے)۔

غزالی فرماتے ہیں: مرد جب اپنی خواہش پوری کرلے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی کو مہلت دے تا آنکہ وہ بھی اپنی خواہش پوری کرے اس لئے کہ کبھی اس کا انزال متاخر ہوتا ہے تو اس کی شہوت میں ہیجان ہوتا ہے پھر اس سے الگ ہوجانے میں اس کو ایذا دینا ہے اور جب جب شوہر کو انزال پہلے ہوجائے تو انزال کی عادت میں اختلاف آپس میں نفرت کا سبب ہوتا ہے اور انزال کے وقت میں توافق بیوی کے لئے زیادہ باعث لذت ہوتا ہے(۱)۔

ھ- اور مستحب ہے کہ اپنے کو اور اپنی بیوی کو کسی کپڑے سے ڈھانپ لے(۲)، اس لئے کہ عتبہ بن عبدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجردا تجرد العيرين**"(۳) (جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے وطی کرے تو ستر کرے اور دو گدھوں کی طرح دونوں برہنہ نہ ہوجائیں)۔

اور ابن القاسم نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو جماع کے وقت برہنہ کردے(۴)۔

و- اسی طرح جماع کے وقت آواز پست رکھنا اور زیادہ بات نہ کرنا

= (۷/۲۰۸-۲۰۹ طبع دار المامون) میں کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/۲۹۵) میں کہا ہے کہ اس میں ایک ایسا راوی ہے کہ جس کا نام نہیں لیا گیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۱) احیاء علوم الدین ۲/۴۶، مختصر منہاج القاصدین/۱۰۴۔

(۲) الاحیاء ۲/۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ۵/۳۷۲، عشرۃ النساء للمناوی/۸۸، المدخل ۲/۱۸۶۔

(۳) حدیث: "**إذا أتى أحدكم أهله فليستتر...**" کی روایت ابن ماجہ (۱/۶۱۹) نے کی ہے اور بوصیری نے مصباح الزجاجہ (۱/۳۳۷ ط دار الجنان) میں اس کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴) الذخیرہ ۴/۴۱۸۔

بھی مستحب ہے(۱) اور مرد کے لئے اپنی رفیقۂ حیات سے اس طرح وطی کرنا مکروہ ہے کہ ناسمجھ بچہ کے علاوہ ان دونوں کو کوئی دیکھ رہا ہو یا ان کی آہٹ سن رہا ہو یا ان دونوں کا احساس کررہا ہو اگرچہ زوجین راضی ہوں اور یہ اس وقت ہے جب دونوں کا قابل ستر حصہ پوشیدہ ہو ورنہ اگر قابل ستر حصہ ظاہر ہو تو یہ حرام ہوگا، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے(۲)۔

حنفیہ نے راجح مذہب میں اس کی صراحت کی ہے کہ مرد اپنی بیوی کی موجودگی میں اپنی باندی سے وطی نہیں کرے گا، اسی طرح اپنی بیوی سے وطی کرنا نہ اپنی باندی کی موجودگی میں حلال ہے، نہ سوکن کی موجودگی میں۔

اور امام محمد بن الحسن شیبانی نے کہا: مرد کے لئے اپنی باندی یا اپنی بیوی کی سوکن کی موجودگی میں اس سے وطی کرنا مکروہ ہے(۳)۔

ز- جو دوبارہ جماع کرنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ اپنی شرمگاہ دھولے اور وضو کرلے اور غسل کرلینا افضل ہے(۴)، اس لئے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے انہوں نے کہا: "**قال رسول الله ﷺ: إذا أتى أحدكم أهله ثم أراد أن يعود فليتوضأ**"(۵) (نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے پھر وہ دوبارہ صحبت وطی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے وضو کرلینا چاہئے)۔

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے: "**إن النبي ﷺ كان يطوف على نسائه بغسل واحد**" (۱) (نبی کریم ﷺ ایک ہی غسل سے اپنی ازواج سے صحبت فرماتے تھے)۔

رسول اللہ ﷺ کے مولی ابورافع سے مروی ہے: "**إن النبي ﷺ طاف ذات يوم على نسائه، يغتسل عند هذه وعند هذه، فقلت له: يا رسول الله! ألا تجعله غسلاً واحداً؟ قال: هذا أزكى وأطيب وأطهر**"(۲) (نبی کریم ﷺ نے ایک دن اپنی سب ازواج سے صحبت فرمائی آپ ﷺ ہر بیوی کے پاس غسل کررہے تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اس کو ایک ہی غسل کیوں نہیں بنالیتے؟ فرمایا: یہ زیادہ پاکیزہ، خوشگوار اور زیادہ باعث طہارت ہے)۔

۱۱- غزالی فرماتے ہیں: بعض علماء نے جمعہ کے دن اور اس کی رات میں جماع کو مستحب قرار دیا ہے(۳)، اور ایسا اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اس قول کی دوتاویلوں میں سے ایک پوری ہوسکے: "**من اغتسل يوم الجمعة وغسل وبكر وابتكر ودنا واستمع وأنصت، كان له بكل خطوة يخطوها أجر سنة صيامها وقيامها**"(۴) (جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور غسل کرائے، جلدی کرے اور صبح سویرے آجائے قریب رہے بغور سنے اور خاموش رہے تو

(۱) الاحیاء ۲/۴۶، اتحاف السادة المتقین ۵/۳۷۲، المغنی ۱۰/۲۳۳-۲۳۴، کشاف القناع ۵/۲۱۷۔

(۲) کشاف القناع ۵/۲۱۷، الحاوی للماوردی ۱۱/۴۳۱۔

(۳) فتح القدیر ۴/۳۹۷، الفتاوی الہندیہ ۵/۳۲۸، درر الحکام شرح غرر الاحکام ۱/۴۱۶۔

(۴) رد المحتار ۱/۱۱۸، مختصر اختلاف الفقہاء للطحاوی ۱/۱۷۶، النووی علی مسلم ۳/۲۱۷، المغنی ۱۰/۲۳۳-۲۳۴، کشاف القناع ۵/۲۱۸، الاحیاء ۲/۴۷، مختصر منہاج القاصدین ۴/۱۰۴، الحاوی ۱۱/۴۳۰، المدخل لابن الحاج ۲/۱۸۸۔

(۵) حدیث: "إذا أتى أحدكم أهله ثم أراد أن يعود فليتوضأ" کی روایت مسلم (۱/۲۴۹) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: "أن النبي ﷺ كان يطوف على نسائه بغسل واحد" کی روایت مسلم (۱/۲۴۹) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "أن النبي ﷺ طاف ذات يوم على نساءه ...." کی روایت ابوداؤد (۱/۱۴۹) نے کی ہے۔

(۳) احیاء علوم الدین ۲/۴۶۔

(۴) حدیث: "من اغتسل يوم الجمعة...." کی روایت ترمذی (۲/۳۶۸) نے حضرت اوس بن اوس سے کی ہے اور فرمایا: حدیث حسن ہے۔

اس کے چلنے کے ہر قدم کے بدلے میں ایک سال کے روزے اور نماز کا ثواب ملے گا)۔

وطی کا تذکرہ کرنا اور اس کے راز کا افشاء کرنا:

۱۲ - وطی کا تذکرہ کرنے اور اس کے راز کو ظاہر کرنے کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

چنانچہ حنفیہ، ایک قول کے مطابق (جس کے بارے میں مرداوی کہتے ہیں کہ وہی صحیح ہے) حنابلہ اور نووی کا مذہب ہے کہ جماع پر باہم فخر کرنا اور آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ پیش آنے والے اعمال کو ظاہر کرنا حرام ہے۔

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم ﷺ سے کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **"إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته وتفضي إليه، ثم ينشر سرها"**(۱) (اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مقام کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے وطی کرے پھر اس کے راز کو ظاہر کرے)۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **"الشياع حرام"**(۲) (شیاع حرام ہے) ابن لہیعہ کہتے ہیں: اس سے آپ کی مراد وہ شخص ہے جو جماع پر فخر کرتا ہے۔

ابن القیم، ہیتمی اور ابن علان وغیرہ نے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔

راجح مذہب میں حنابلہ کا مذہب ہے کہ زوجین کا اپنے درمیان پیش آنے والے اعمال کو ذکر کرنا خواہ بیوی کی سوکن ہی سے ہو مکروہ ہے۔

اس کی نسبت ہیثمی نے کتاب النکاح میں نووی کی طرف کی ہے اور فرماتے ہیں: محل حرمت اس صورت میں ہے جب اپنی رفیقۂ حیات کا تذکرہ ان چیزوں کے ساتھ کرے جو مخفی رہتی ہیں، جیسے وہ حالات جو جماع اور خلوت کے وقت دونوں کے درمیان پیش آتے ہیں اور جو چیز مخفی نہیں رہتی اس کا تذکرہ کرنا وقار کی رو سے مکروہ ہے بغیر کسی فائدہ کے صرف جماع کا ذکر کرنا بھی اسی قبیل سے ہے(۱)۔

مشروع وطی کے موانع:

مشروع وطی کے موانع نو ہیں، ان میں سے چھ پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ یہ ہیں حیض، نفاس، اعتکاف، روزہ، احرام اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے ظہار، اور ان میں سے تین میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور وہ یہ ہیں:

استحاضہ، حیض سے پاکی کے بعد غسل نہ کرنا اور دار الحرب میں اقامت، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

اول: حیض:

۱۳ - اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ فرج میں حائض سے وطی کرنا حرام ہے(۲)، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي**

---

(۱) حدیث: "إن من أشر الناس عندا لله منزلة" کی روایت مسلم (۱۰۶۰/۲) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "الشياع حرام" کی روایت احمد (۲۹/۳) نے اور ابویعلی نے المسند (۵۲۹/۲ ط دار المامون) میں حضرت ابوسعید سے کی ہے اور ہیثمی نے اس کو مجمع الزوائد (۲۹۵/۴) میں نقل کیا ہے اور فرمایا: اس کی روایت ابویعلی نے کی ہے اور اس میں دراج ہیں جن کو ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۲۳۳/۱، الانصاف ۳۶۰/۸، کشاف القناع ۱۹۴/۵، الزواجر ۲۹/۲-۳۰، دلیل الفالحین ۱۵۳/۳-۱۵۴، شرح النووی علی مسلم ۲۶۰/۱۰۔

(۲) تبیین الحقائق ۵۷/۱، المجموع للنووی ۳۵۹/۲، الحاوی للماوردی ۴۷۱/۱، بدایۃ المجتہد ۵۶/۱، المغنی ۳۸۶/۱، الذخیرۃ للقرافی ۳۷۶/۱، عقد الجواہر الثمینۃ ۹۲/۱۔

الْمَحِيضِ وَلاَ تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ"(۱) (پس تم عورتوں کو حیض کے دوران میں چھوڑے رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت نہ کرو)۔ نیز نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے حائضہ عورتوں سے استمتاع کے بارے میں فرمایا: "**اصنعوا كل شيء إلا النكاح**" (۲) (ہر کام کروسوائے جماع کے)۔

اس موضوع سے متعلق مسائل کی تفصیل، نیز حائضہ سے وطی کرنے کے کفارہ اور حائضہ سے وطی کو حلال سمجھنے والے کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جاننے کے لئے (دیکھئے حیض فقرہ ۴۲-۴۴)۔

دوم: نفاس:

۱۴- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرج میں نفساء سے وطی کرنا حرام ہے وطی کی ممانعت میں خون بند ہونے کے بعد غسل کے واجب ہونے اور کفارہ کے واجب ہونے کے حکم میں دم نفاس (۳) کا حکم اتفاق اور اختلاف کے اعتبار سے حیض کے حکم جیسا ہے (۴)۔

(دیکھئے: حیض فقرہ ۴۲-۴۴)۔

سوم: استحاضہ:

۱۵- مستحاضہ سے وطی کرنے کے جواز کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور ایک روایت میں امام احمد کا مذہب ہے کہ مستحاضہ سے وطی کرنا جائز ہے، ابن المنذر نے اس کو حضرت ابن عباسؓ، ابن المسیب، حسن، عطاء، قتادہ، سعید بن جبیر، حماد بن ابی سلیمان، بکر بن عبد اللہ المزنی، اوزاعی، ثوری، اسحاق اور ابوثور سے نقل کیا ہے، ابن المنذر کہتے ہیں: میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

اس پر ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے: "**حَتَّى يَطْهُرْنَ**" (۱) (جب تک پاک نہ ہوویں)۔ یہ حیض سے پاک ہے، نیز اس روایت سے بھی ان کا استدلال ہے کہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ مستحاضہ ہوجاتی تھیں اور ان کے شوہر -طلحہ بن عبید اللہ- ان سے جماع کرتے تھے اور حضرت ام حبیبہؓ مستحاضہ ہوجاتی تھیں اور ان کے شوہر -عبد الرحمٰن بن عوف- ان سے جماع کرتے تھے (۲)، ان دونوں خواتین نے نبی کریم ﷺ سے مستحاضہ کے احکام دریافت کئے تھے تو اگر مستحاضہ سے وطی کرنا حرام ہوتا تو آپ ﷺ دونوں سے وضاحت کرتے، نیز اس لئے کہ مستحاضہ نماز، روزہ، اعتکاف اور تلاوت وغیرہ میں پاک کے مثل ہے تو اسی طرح وطی میں بھی ہوگی، نیز اس لئے کہ وہ دم عرق (رگ کا خون) ہے لہذا ناسور کی طرح وطی سے مانع نہ ہوگا، نیز حرمت شریعت سے ہوتی ہے اور شریعت میں اس کے حق میں کوئی تحریم موجود نہیں ہوئی ہے بلکہ نماز کا جواز موجود ہے جو اس سے عظیم چیز ہے (۳)۔

---

(۱) سورۂ البقرہ/ ۲۲۲۔

(۲) حدیث: "اصنعوا كل شيئ إلا النكاح" کی روایت مسلم (۱/ ۲۴۶) نے حضرت انس بن مالک سے کی ہے۔

(۳) یہ وہ خون ہے جو ولادت کے سبب فرج سے نکلے، ولادت کے علاوہ کوئی مرض نہ ہو (عقد الجواہر الثمینہ لابن شاس ۱/ ۹۹)۔

(۴) رد المحتار ۱/ ۱۹۹، ۲۰۰، تبیین الحقائق ۱/ ۶۸، الذخیرہ ۱/ ۳۷۵، عقد الجواہر الثمینہ ۱/ ۹۲، الحاوی للماوردی ۱/ ۵۳۴، المجموع ۲/ ۵۲۰۔

---

(۱) سورۂ البقرہ/ ۲۲۲۔

(۲) دونوں احادیث: "إن حمنة بنت جحش وأم حبيبة كانتا تستحاضان" کی روایت ابوداؤد (۱/ ۲۱۶) نے حضرت عکرمہ سے مرسلاً کی ہے۔

(۳) رد المحتار ۱/ ۱۹۸، تبیین الحقائق ۱/ ۶۸، المجموع ۲/ ۳۷۲، الذخیرہ ۱/ ۳۹۰، جواہر الاکلیل ۱/ ۳۱، بدایۃ المجتہد ۱/ ۶۳، کشاف القناع ۱/ ۲۵۱، المغنی ۱/ ۴۲۱ طبع ہجر۔

دوسرا قول: راجح مذہب میں حنابلہ، نیز ابن سیرین، شعبی، نخعی، حکم اور مالکیہ میں سے ابن علیہ کا مذہب ہے کہ مرد یا عورت کی طرف سے گناہ کے خوف کے بغیر مستحاضہ سے وطی کرنا مباح نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''المستحاضة لا يغشاها زوجها'' (۱) (مستحاضہ سے اس کا شوہر جماع نہیں کرے گا)۔ نیز اس لئے کہ اس کو ''اذی'' (گندگی ونجاست) لاحق ہے، لہذا حائضہ ہی کی طرح اس سے وطی کرنا حرام ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان میں حائضہ سے وطی کو ممنوع قرار دینے کی علت اذی کو قرار دیا ہے۔

''قُلْ هُوَ أَذىً فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ'' (۲) (آپ کہہ دیجئے کہ وہ ایک (طرح کی گندگی ہے پس تم عورتوں کو حیض کے دوران میں چھوڑے رہو)۔

اللہ تعالی نے فاء تعقیب کا ذکر کرتے ہوئے اذی کے بعد ان سے علاحدگی کا حکم دیا ہے، نیز جب کسی حکم کا ذکر ایسے وصف کے ساتھ کیا جائے جو اس حکم کا متقاضی ہو اور اس کے لائق ہو تو وہی وصف حکم کی علت ہوتا ہے اور اذی علت بننے کے لائق ہے لہذا وہی اس حکم کی علت ہوگا اور اذی مستحاضہ میں بھی موجود ہے، لہذا اس کے حق میں تحریم ثابت ہوجائے گی (۳)۔

چہارم: اعتکاف:

۱۶- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اعتکاف میں وطی کرنا حرام ہے اور وہ اعتکاف کو فاسد کردیتا ہے خواہ دن میں ہو یا رات میں بشرطیکہ عمداً ہو، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَلاَ تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ'' (۱) (اور بیویوں سے اس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں میں)

اس کی تفصیل (اعتکاف فقرہ/ ۲۷ میں ہے)۔

پنجم: روزہ:

۱۷- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ رمضان میں عمداً وطی کرنا روزہ دار پر حرام ہے، اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ''بينما نحن جلوس عند النبي ﷺ، إذ جاءه رجل، فقال: يا رسول الله! هلكت! قال: ما لک؟ قال: وقعت على امرأتي وأنا صائم، فقال رسول الله ﷺ: هل تجد رقبة تعتقها؟ قال: لا، قال: فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا، قال: فهل تجد إطعام ستين مسكيناً؟ قال: لا، قال: فمكث النبي ﷺ، فبينا نحن على ذلک، أتي النبي ﷺ بعرق فيها تمر، فقال: أين السائل؟ فقال: أنا، قال: خذ هذا فتصدق به، فقال الرجل: على أفقر مني يا رسول الله؟ فو الله ما بين لابتيها – أي الحرّتين – أهل بيت أفقر من أهل بيتي، فضحک النبي ﷺ حتى بدت أنيابه، ثم قال: أطعمه أهلک'' (۲) (اس اثناء میں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ کے پاس ایک

---

(۱) اثر عائشہؓ: ''المستحاضة لا يغشاها زوجها'' کی روایت بیہقی نے السنن (۱/ ۳۲۹) میں کی ہے۔

(۲) سورۃ البقرہ/ ۲۲۲۔

(۳) المغنی ۱/ ۴۲۰، -ط ہجر، کشاف القناع ۱/ ۲۱۷، الذخیرہ ۱/ ۳۹۰، المجموع ۲/ ۳۷۲۔

(۱) سورۃ البقرہ/ ۱۸۷۔

(۲) حدیث ابی ہریرۃ: ''بينما نحن جلوس عند النبي ﷺ'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۱۶۳) اور مسلم (۲/ ۷۸۱-۷۸۲) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

شخص آیا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی غلام موجود ہے جسے تم آزاد کردو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تم مسلسل دو مہینے روزہ رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صلاحیت رکھتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، راوی نے کہا: تو نبی کریم ﷺ رک گئے تو اسی درمیان جبکہ ہم لوگ اسی حال میں تھے نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ٹوکری لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں، تو آپ ﷺ نے پوچھا: سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو لیلو اور صدقہ کردو، اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اپنے سے زیادہ محتاج پر (صدقہ کردوں)؟ خدا کی قسم مدینہ کے کنکر والے دونوں علاقوں کے درمیان میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج کوئی گھر والا نہیں ہے، تو نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے گھر والوں کو کھلادو)۔

(دیکھئے: صوم فقرہ/ ۶۸-۸۹)۔

ششم: احرام:

۱۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وطی کرنا نسک حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے پر حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ**"(۱) (جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا)۔

(۱) سورۃ البقرہ/ ۱۹۷۔

اس لئے کہ "رفث" کی تفسیر میں ہے کہ وہ عورتوں کے پاس جماع کا تذکرہ کرنا اور فحش گوئی ہے، اسی بنا پر یہ آیت محرم پر جماع کے حرام ہونے پر دلالۃ النص کے طور پر دلیل ہوگی، یعنی بدرجہ اولی حرام ہوگا۔

اسی طرح رفث کی تفسیر خود جماع سے بھی کی گئی ہے، تب تو یہ آیت اس معنی پر نص ہوگی(۱)۔

اسی طرح اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ حالت احرام میں وطی کرنا نسک کو فاسد کردینے والی جنایت ہے، بشرطیکہ وقوف عرفہ سے پہلے وطی ہو، پہلے تحلل کے بعد اس کو فاسد نہیں کرے گی، اور اس صورت میں اس کے حکم میں ان کے درمیان اختلاف ہے، جب کہ وطی وقوف عرفہ کے بعد اور پہلے تحلل سے قبل ہو۔

اس کی تفصیل "احرام" فقرہ/ ۱۷۰-۱۷۱ میں ہے۔

ہفتم: ظہار:

۱۹- فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس بیوی سے ظہار کیا جائے، کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا حرام ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا**"(۲) (جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے)۔

نیز اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: "**أن رجلاً ظاهر من امرأته ثم واقعها قبل أن يكفر فسأل النبي ﷺ عن ذلك، فقال عليه الصلاة والسلام: استغفر الله، ولا**

(۱) تفسیر البغوی ۱/ ۲۲۶، احکام القرآن لابن العربی ۱/ ۱۳۳۔
(۲) سورۃ المجادلہ/ ۳۔

تعد حتی تکفر"(۱) (ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کیا اور اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے استغفار کرو اور دوبارہ ایسا نہ کرو تا آنکہ کفارہ ادا کردو)۔

آنحضور ﷺ نے ان کو جماع کی وجہ سے استغفار کا حکم دیا، اور استغفار تو صرف گناہ سے ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرنا حرام ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے ان کو دوبارہ جماع کرنے سے روک دیا تا آنکہ وہ کفارہ ادا کردیں اور مطلق نہی سے منہی عنہ کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، تو یہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کے حرام ہونے پر دلیل ہے۔

اسی طرح مرد کے کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کے لیے اس کو اپنی ذات پر قدرت دینا بھی حرام ہے۔

(دیکھئے "ظہار" فقرہ ۲۲)

ہشتم: مسلمان کا دار الحرب میں اپنی رفیقۂ حیات سے وطی کرنا:

۲۰- جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے کہ مسلمان کے لئے اپنی رفیقۂ حیات سے دار الحرب میں وطی کرنا مکروہ ہے، اس اندیشہ سے کہ وہاں اس کی نسل ہوجائے گی اس لئے کہ مسلمان کے لئے دار الحرب کو وطن بنانا ممنوع ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أنا بریئ من کل مسلم یقیم بین أظهر المشرکین: قالوا: یا رسول الله، ولم؟ قال: لا تراءی نارهما"[1] (میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان مقیم ہو، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک (دوسرے کو نظر نہ آئے)۔

جب وہ دار الحرب سے نکل جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی نسل وہاں باقی رہ جائے، تو اس کی اولاد مشرکین کے اخلاق اختیار کرے گی، نیز اس لئے کہ اس کی بیوی اگر حربیہ ہوگی اور وہ اس سے حاملہ ہوگی پھر مسلمان دار پر غالب ہوں گے تو وہ جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے اس کے ساتھ اس عورت کے مالک ہوجائیں گے تو اس صورت میں اپنے بچہ کو غلامی کے لئے پیش کرنا ہے اور ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ مذہب کی صراحت میں مسلمان دار الحرب میں اپنی بیوی سے وطی نہیں کرے گا الا یہ کہ ضرورت کی وجہ سے ہو اور اگر ضرورت ہوگی تو عزل واجب ہوگا[2]۔

(ب) ممنوع وطی

ممنوع وطی کی کئی شکلیں ہیں، اس میں کچھ یہ ہیں: زنا، لواطت، رفیقۂ حیات اور اجنبیہ سے دبر میں وطی کرنا، میت سے وطی کرنا اور جانور سے وطی کرنا اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

اول: زنا:

۲۱- زنا باجماع فقہاء حرام ہے، اور سب سے بڑے کبائر میں سے

---

(۱) حدیث ابن عباس: "إن رجلاً ظاهر من امرأته..." کی روایت ابوداؤد (۲/۶۶۶) اور ترمذی (۳/۴۹۳) نے کی ہے، ترمذی نے کہا: حدیث حسن غریب صحیح ہے، اور زیلعی نے نصب الرایہ (۳/۲۴۶-۲۴۷) میں حدیث کے کئی طرق ذکر کئے پھر فرمایا: حدیث کے طرق میں سے کسی میں مجھے استغفار کا ذکر نہیں ملا۔

(۱) حدیث: "أنا بریئ من کل مسلم یقیم بین أظهر المشرکین...." کی روایت ترمذی (۴/۱۵۵) نے حضرت جریر بن عبد اللہ سے کی ہے پھر بخاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قیس ابن ابوحازم سے اس کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) المبسوط ۱۰/۷۴-۷۵، الدر المختار مع رد المحتار ۲/۲۸۹، الخرشی ۳/۲۲۶، اسنی المطالب ۳/۱۶۱، مغنی المحتاج ۳/۱۷۸، الانصاف ۸/۱۴، شرح المنتہی ۳/۳۔

ایک کبیرہ (گناہ) ہے (۱)، اللہ تعالی فرماتا ہے: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيلاً" (۲) (اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے)۔

(دیکھئے "زنی"، فقرہ ۵)

دوم: لواطت:

۲۲- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لواطت حرام ہے اس کی حرمت سخت ترین ہے اور وہ کبائر میں سے ہے (۳) ماوردی نے کہا: لواطت حرام ہونے میں فواحش میں سخت ترین ہے (۴)۔

(دیکھئے "لواط"، فقرہ ۳)

لواطت کا جرم قوم لوط سے پہلے سارے جہاں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ" (۵) (ارے تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا)۔

لواطت کی سزا:

۲۳- جو شخص قوم لوط کا عمل کرے اس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے چھ مختلف اقوال ہیں:

اول: راجح مذہب میں شافعیہ، راجح مذہب میں حنابلہ، امام ابو یوسف، امام محمد، ثوری، اوزاعی اور ابوثور کا قول ہے، کہ لواطت کی حد (فاعل اور مفعول دونوں کے لئے) زنا جیسی ہے، چنانچہ محصن کو سنگسار کیا جائے گا، اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں گے اور یہی حضرت حسن بصری، سعید بن المسیب، قتادہ، نخعی، عطاء بن ابی رباح کا قول ہے، اور یہی حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے بھی منقول ہے۔

انہوں نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابوموسی سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إذا أتى الرجل الرجل فهما زانيان" (۱) (جب کوئی مرد مرد سے بدفعلی کرے تو وہ دونوں زانی ہیں)، نیز وہ ایسے محل میں وطی کرنا ہے جو طبعاً قابل شہوت اور شرعاً ممنوع ہے، لہذا یہ واجب ہوگا کہ عورت کی قبل پر قیاس کرتے ہوئے اس سے حد کا وجوب متعلق ہو، بلکہ اس میں حد ہونا اولی ہے، اس لئے کہ وہ ایسے محل میں وطی کرنا ہے جس میں وطی کرنا کسی بھی حال میں مباح نہیں ہوسکتا ہے جبکہ قبل میں وطی کرنا بعض حالات میں مباح ہوجاتا ہے۔

امام شافعی نیز حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ غیر محصن کو کوڑے لگائے جائیں گے اور اسے جلا وطن کیا جائے گا جیسے زنا میں ہوتا ہے (۲)۔

دوم: امام ابوحنیفہ، حماد بن ابی سلیمان اور حکم کا قول ہے، کہ اس پر کوئی حد نہیں ہوگی، البتہ اس کی تعزیر کی جائے گی، اور اسے جیل میں رکھا جائے گا، یہاں تک کہ وہ مر جائے یا توبہ کرے، اور اگر وہ لواطت

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۴۱، فتح القدیر ۵/۳۱، مغنی المحتاج ۴/۱۴۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/۳۱۳۔

(۲) سورۃ الاسراء/۳۲۔

(۳) الکبائر للذہبی/۸۱، الزواجر ۲/۱۳۹، تنبیہ الغافلین لابن النحاس/۱۴۱، المغنی ۱۲/۳۴۸، نیل الاوطار ۷/۱۱۷۔

(۴) الحاوی ۱۷/۵۹، المبسوط ۹/۷۷، تحریم الغناء والسماع للطرطوشی/۲۵۷۔

(۵) سورۃ الاعراف/۸۰۔

---

(۱) حدیث: "إذا أتى الرجل الرجل فهما زانيان" کی روایت بیہقی نے السنن (۸/۲۳۳) میں کی ہے، پھر فرمایا: یہ حدیث اس اسناد سے منکر ہے۔ ابن حجر نے التلخیص (۴/۵۵) میں بیان کیا ہے اس کی اسناد میں ایک راوی ہیں جن پر جھوٹ کی تہمت ہے۔

(۲) الام ۷/۱۸۳، مغنی المحتاج ۴/۱۴۴، الحاوی الکبیر ۱۷/۶۲، اسنی المطالب ۴/۱۲۶، کشاف القناع ۶/۹۴، المغنی ۱۲/۳۴۹، رد المحتار ۳/۱۵۵، تبیین الحقائق ۳/۱۸۰، مجمع الانہر ۱/۵۹۵۔

کا عادی ہو، یا اس سے بار بار لواطت ہوتو امام دوسری مرتبہ اس کو سیاسۃً قتل کردے گا، خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔

اس میں زنا کی حداس لئے واجب نہیں کہ اس پر زنا کا اطلاق نہیں ہوتا ہے تو وہ فرج کے علاوہ سے لطف اندوز ہونے کی طرح ہوگا، نیز اس لئے کہ وہ ایسا استمتاع ہے جو کسی بھی عقد سے مباح نہیں ہوسکتا ہے لہذا اس میں کوئی حد واجب نہیں ہوگی جیسے اسی کے مثل بیوی سے استمتاع کرنے سے نہیں ہوگی۔ نیز اس لئے کہ حدود کے اصول قیاس کے ذریعہ ثابت نہیں ہوسکتے، مزید یہ کہ وہ ایسے محل میں وطی کرنا ہے جس کی شہوت طبائع میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ اللہ نے طبائع میں اس کی نفرت ڈالی ہے لہذا اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ شارع حد کے ذریعہ اس سے روکیں جیسے پاخانہ، مردار اور خون کھانے اور پیشاب پینے میں نہ ہوگی، البتہ چونکہ ایک ایسا گناہ ہے جس کی کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی ہے لہذا اس میں تعزیر واجب ہوگی(۱)۔

سوم: مالکیہ کا قول ہے، کہ لواطت کی حد مطلقاً سنگسار کرنا ہے، لہذا فاعل اور مفعول دونوں کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ یہ دونوں محصن ہوں یا غیر محصن، یہی حضرت عمر بن الخطاب، ابن عباس، جابر بن زید، عبیداللہ بن معمر، زہری، ابن حبیب، ربیعہ اور اسحاق کا قول ہے، نیز یہ شافعیہ کے یہاں ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے۔

اس پر ان حضرات نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے عموم سے استدلال کیا ہے: "**من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ**"(۲) (جس کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو)۔

نیز یہ آدمی کے فرج میں عضو تناسل کو داخل کرنا ہے جس کا مقصد زیادہ تر قُبل کی طرح لذت حاصل کرنا ہے، لہذا عورت ہی کی طرح رجم اس سے بھی متعلق ہوگا، نیز اس لئے کہ زنا میں حد صرف زجر وتوبیخ کے لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ وہ اس جیسا عمل دوبارہ نہ کرے، اور ہم نے پایا کہ طبائع میں اس فرج کی وطی سے لذت حاصل کرنے کا اسی طرح میلان ہوتا ہے جیسے قُبل کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے، لہذا ضروری ہوا کہ اس سے بھی وہی تنبیہ متعلق ہو جو قُبل سے متعلق ہے بلکہ یہ زیادہ شدید اور سنگین ہے، اسی لئے اس میں محصن ہونے کی شرط نہیں ہے جس طرح زنا میں اس کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے کہ جس عورت کے ساتھ زنا کیا جاتا ہے وہ ایسی جنس سے ہے جس سے وطی کرنا مباح ہے البتہ اس سے اس طریقہ کے خلاف وطی کی گئی ہے جس کی اجازت ہوتی ہے اور مرد سے وطی کرنا مباح نہیں ہے، لہذا اس کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ سخت ہوگی(۱)۔

چہارم: ایک قول میں امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے، کہ لواطت کرنے والے کو مرتد کی طرح تلوار سے قتل کردیا جائے گا، خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن اور یہی حضرت ابن عباس، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم، شعبی، زہری، جابر بن زید اور ربیعہ بن مالک کا قول ہے۔

ابن المسیب نے کہا: یہی اس سلسلہ میں معمول رہا ہے(۲)۔

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۵۵، فتح القدیر مع الکفایۃ والعنایہ ۵/۴۳-۴۴، المبسوط ۹/۷۷-۷۹، الحاوی للماوردی ۱۷/۶۰، مجمع الانہر ۱/۵۹۵، تبیین الحقائق ۳/۱۸۰، المحلی ۱۱/۳۸۲، المغنی ۱۲/۳۵۰۔

(۲) حدیث: "من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط..." کی روایت ترمذی (۴/۵۷) اور حاکم (۴/۳۵۵) نے حضرت ابن عباس سے کی ہے، اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۲۰، الخرشی ۸/۸۲، القوانین الفقہیہ/۳۶۰، المعونۃ للقاضی عبد الوہاب ۳/۱۴۰۰، الکافی لابن عبد البر/۵۷۴، المغنی ۱۲/۳۴۹، الانصاف ۱۰/۱۷۶، تحریم الغناء والسماع للطرطوشی/۲۵۷، الزواجر ۲/۱۴۲، الحاوی للماوردی ۱۷/۶۱-۶۲، سنن البیہقی ۸/۲۳۲۔

(۲) روضۃ المحبین/۳۷۲۔

انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے عموم سے استدلال کیا ہے: "**فاقتلوا الفاعل و المفعول به**" (دونوں فاعل اور مفعول کو قتل کر ڈالو)، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے محصن اور غیر محصن میں فرق نہیں کیا ہے، نیز اس لئے کہ محرمات جتنی سنگین ہوں اتنی ہی ان کی سزا سخت ہوتی ہے، جس شخص سے وطی کرنا کسی بھی حال میں مباح نہیں ہوسکتا ہو اس سے وطی کرنا اس شخص سے وطی کرنے سے بہت بڑا جرم ہے جس سے وطی کرنا بعض حالات میں مباح ہوسکتا ہو، اسی وجہ سے اس کی حد زنا کی حد سے زیادہ شدید ہے(۱)۔

پنجم: فاعل اور مفعول کو آگ میں جلا دیا جائے گا۔

یہ قول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابن الزبیرؓ سے منقول ہے چنانچہ صفوان بن سلیم نے حضرت خالد بن الولیدؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرب کے بعض علاقوں میں ایک مرد کو پایا جس سے اسی طرح وطی کی جاتی تھی جیسے عورت سے وطی کی جاتی ہے، تو انہوں نے حضرت ابوبکر کو یہ صورت حال لکھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علی کا قول اس شخص کے بارے میں ان سب سے زیادہ سخت تھا، چنانچہ انہوں نے فرمایا: یہ فعل امتوں میں سے صرف ایک امت نے کیا ہے اور آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، میری رائے ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو یہی لکھ بھیجا اور انہوں نے اس کو جلا دیا۔

ابن القیم نے بعض حنابلہ سے نقل کیا ہے کہ اگر امام لواطت کرنے والے کو جلانا مناسب سمجھے تو اس کو اس کا اختیار ہے(۲)۔

ششم: لواطت کرنے والے کو بستی کی سب سے اونچی جگہ پر لے

(۱) الحاوی الکبیر ۱۷/ ۶۲، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۴، الزواجر ۲/ ۱۴۲، سنن الترمذی مع العارضہ ۶/ ۲۴۱، المغنی ۱۲/ ۳۴۹۔

(۲) المغنی ۱۲/ ۳۴۹-۳۵۰، الانصاف ۱۰/ ۱۷۷، المبسوط ۹/ ۷۸-۷۹۔

جایا جائے گا، پھر اسے اوندھے منہ گرا دیا جائے گا، اور پیچھے سے پتھر ڈال دیا جائے گا(۱)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً**"(۲) (سو جب ہمارا حکم آپہنچا، ہم نے اس (زمین) کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر)۔

اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

سوم: رفیقہ حیات سے دبر میں وطی کرنا:

۲۴ - جمہور اہل علم حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ بیوی یا باندی کے دبر میں جماع کرنا حرام ہے، یہی حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے، اور سعید بن المسیب، ابو بکر بن عبدالرحمن، مجاہد، عکرمہ، طاؤس اور ثوری بھی اسی کے قائل ہیں (۳)۔

ماوردی نے کہا: یہی صحابہ، جمہور تابعین، اور فقہاء کا مذہب ہے(۴)۔ ابن القیم نے کہا: بیوی سے دبر میں وطی کو انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی زبان سے مباح نہیں کیا گیا(۵)۔

فقہاء کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ یہ بڑے گناہوں

(۱) المبسوط للسرخسی ۹/ ۷۹، الحاوی ۱۷/ ۶۱۔

(۲) سورہ ہود/ ۸۲۔

(۳) العنایۃ علی الہدایہ ۵/ ۴۳، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۴، تحفۃ المحتاج ۹/ ۱۰۴، کشاف القناع ۶/ ۹۵، الذخیرہ ۴/ ۴۱۶، الحاوی للماوردی ۱۱/ ۴۳۳، اعلام الموقعین ۴/ ۳۴۵-۳۴۶، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۶، الخرشی ۸/ ۷۶، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۲۱۵، ۴/ ۳۱۱، مختصر الفتاوی المصریہ/ ۴۲۷، ۴۹۰، الارشاد لذوی الفقہی ۱/ ۲۲۶، المدخل لابن الحاج ۲/ ۱۹۲ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح معانی الآثار ۳/ ۴۶، المغنی ۱۰/ ۲۲۶۔

(۴) الحاوی ۱۱/ ۴۳۳۔

(۵) زاد المعاد ۴/ ۲۵۷۔

اور فواحش میں سے ہے، ان فقہاء میں ابن نحاس، ہیتمی اور ابن القیم ہیں(۱)۔

۲۵ - فقہاء کا مذہب ہے کہ اس سے وطی کرنے میں حد واجب نہ ہوگی اس لئے کہ بیوی یا باندی کا فی الجملہ مرد کے استمتاع کا محل ہونا حد کو ساقط کرنے والا شبہ پیدا کرتا ہے، لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک اس میں تعزیر واجب ہوگی، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے مطلقاً اس کی صراحت کی ہے، اگر اس سے اس کا تکرار ہو تو راجح مذہب میں شافعیہ نے اس میں ان کی موافقت کی ہے، اور اگر تکرار نہ ہو تو تعزیر نہیں ہوگی، ہیتمی نے کہا: اور بعض نے اس کی تعبیر حاکم کے اس کو روک دینے کے بعد (تکرار پائے جانے) سے کی ہے، اور پہلا قول راجح ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ایک قول میں اس پر حد واجب ہوگی(۲)۔

ابن تیمیہ نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے دبر میں اس کی رضامندی سے وطی کرے تو ان دونوں کو ایسی تعزیری سزا دینا واجب ہوگا جو ان کو اس سے روک دے اگر دونوں باز نہ آئیں تو دونوں کو الگ کر دیا جائے گا۔ جیسے بدفعلی کرنے والے اور اس شخص کو الگ کر دیا جاتا ہے جس سے وہ بدفعلی کر رہا ہو(۳)۔ امام مالک سے منقول ہے کہ مدینہ کے شرطی (پولیس) نے ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس کے بارے میں اسے اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا ہے تو امام مالک نے اس سے فرمایا: میری رائے ہے کہ تم اس کو سخت مار لگاؤ، پھر اگر دوبارہ یہ حرکت کرے تو دونوں کو الگ کر دو(۱)۔

لواطت کے حکم کے دلائل:

۲۶ - اس فعل کو کرنے کے حرام ہونے پر نیز اس کے کبائر میں سے ہونے پر فقہاء نے نقل وعقل دونوں سے استدلال کیا ہے: منقول میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: **"من أتى حائضاً أو امرأة فی دبرها أو كاهنا فقد كفر بما أنزل علی محمد ﷺ"** (جو شخص حائضہ سے یا بیوی سے اس کے دبر میں وطی کرے یا کاہن کے پاس آئے تو وہ اس چیز کا انکار کرنے والا ہوگا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے)۔

ایک روایت میں ہے: **"فقد برئ مما أنزل الله علی محمد ﷺ"**(۲) (تو وہ اس چیز سے بری ہوگا جس کو اللہ نے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"ملعون من اتی امرأة فی دبرها"**(۳) (ملعون ہے وہ شخص جو عورت سے اس کی دبر میں وطی کرے)۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"لا ينظر الله إلی رجل أتی رجلاً أو امرأة**

---

(۱) الزواجر ۲/۳۰، اعلام الموقعین ۴/۴۰۲، تنبیہ الغافلین لابن النحاس/۲۴۸، الدسوقی ۴/۳۱۳، ۲/۲۱۵۔

(۲) رد المحتار ۳/۱۵۵، بدائع الفوائد ۴/۱۰۰، تحفۃ المحتاج ۹/۱۰۴، مغنی المحتاج ۴/۱۴۴، الخرشی ۸/۷۶، روضۃ الطالبین ۱۰/۹۱، العنایۃ علی الہدایہ ۵/۴۳، اسنی المطالب ۴/۱۲۶، الحاوی للماوردی ۱۱/۲۴۲، المغنی ۱۰/۲۲۸۔

(۳) مختصر الفتاوی المصریہ لابن تیمیہ/۳۷، ۴۹۱، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ ۳/۱۷۴، الاختیارات الفقہیہ/۲۴۶۔

(۱) المدخل لابن الحاج ۲/۱۹۸۔

(۲) حدیث: "من أتی حائضاً أو امرأة فی دبرها..." کی روایت ترمذی (۱/۲۴۳) نے کی ہے پھر بخاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری روایت ابوداؤد (۴/۲۲۶) کی ہے۔

(۳) حدیث: "ملعون" من أتی امرأة فی دبرها" کی روایت احمد (۲/۴۷۹) نے کی ہے۔

فی الدبر"(۱) (اللہ اس شخص پر نگاہ نہیں ڈالے گا جو کسی مرد یا عورت سے دبر میں وطی کرے)۔

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا: "إن الله لايستحي من الحق... لا تأتو النساء في أعجازهن"(۲) (بے شک اللہ حق سے حیاء نہیں فرماتا......عورتوں سے ان کی دبر میں وطی نہ کرو)۔

قیاس: اس لئے کہ وہ دبر میں جماع ہے، لہذا ضروری ہے کہ لواطت کی طرح حرام ہو(۳)، ابن القیم نے کہا: اس لئے کہ دبر نہ اس عمل کے لئے تیار کیا گیا ہے نہ اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے تو صرف فرج تیار کی گئی ہے تو اس کو چھوڑ کر دبر کی طرف انحراف کرنے والے اللہ کی حکمت اور شریعت سب سے باہر نکل جانے والے ہیں(۴)۔

نیز دبر گندگی کا محل ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس میں حیض کی طرح جماع حرام ہو(۵)، بلکہ وہ تحریم کے لئے اولی ہے، اس لئے کہ حیض میں اذی (گندگی) عارضی ہے، اور اس کی گندگی لازمی اور دائمی ہے(۶)، ابن الحاج مالکی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا: جب حیض کی حالت میں اذی کی وجہ سے فرج میں وطی سے اللہ تعالی کے اس ارشاد

(۱) حدیث: "لا ينظر الله إلى رجل أتى رجلاً أو امرأة في الدبر" کی روایت ترمذی (۴/ ۴۶۰) نے کی ہے، اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔
(۲) حدیث خزیمۃ بن ثابت: "إن الله لا يستحيي عن الحق..." کی روایت نسائی نے السنن الکبری (۵/ ۳۱۶ ط العلمیہ) میں کی ہے، اور منذری نے الترغیب والترہیب (۳/ ۲۵۳ ط دار ابن کثیر) میں کہا ہے: ابن ماجہ اور نسائی نے کئی سندوں سے اس کی روایت کی ہے اور ان میں ایک سند جید ہے۔
(۳) الحاوی للماوردی ۱۱/ ۷ ۴۳۔
(۴) زاد المعاد ۴/ ۲۶۲۔
(۵) الحاوی ۱۱/ ۷ ۴۳۔
(۶) زاد المعاد ۴/ ۲۶۲۔

کے ذریعہ روک دیا گیا: "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ"(۱) (اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے پس تم عورتوں کو حیض کے دوران میں چھوڑے رہو)۔

جب کہ وہ عام طور پر مہینہ کے چند ایام ہوتے ہیں تو اس محل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس سے وہ نجاست کبھی جدا نہیں ہوتی جو دم حیض سے زیادہ شدید ہے؟(۲)۔

نیز اس لئے بھی کہ عورت کا حق وطی کے بارے میں شوہر پر ہوتا ہے، اور اس کی دبر میں اس سے وطی کرنا اس کے حق کو فوت کر دیتا ہے اور اس کی حاجت پوری نہیں کرتا ہے اور اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی شہوت کو ابھارنے والی چیز کی تحریک کے ذریعہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے، اس لئے کہ اس کو اپنی غرض حاصل نہیں ہوتی ہے(۳)۔

نیز اس لئے کہ وہ اللہ تعالی کے اس ارشاد میں داخل ہے: "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ"(۴) (اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے) قرافی نے کہا: دبر کے پاخانہ سے انسان کا لت پت ہونا بدترین خبائث میں سے ہے، مردوں اور عورتوں میں اس کی طرف صرف ایسے خبیث نفوس کا میلان ہوتا ہے جو طبعاً خسیس اور چوپایوں کی عادات رکھنے والے ہوں شریف نفوس اس سے علاحدہ ہوتے ہیں(۵)۔

۲۷- ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عمر، زید بن اسلم اور ایک روایت میں نافع، ایک قول میں مالک بن انس سے منقول ہے، نیز

(۱) سورۃ البقرہ / ۲۲۲۔
(۲) المدخل ۲/ ۱۹۴۔
(۳) المدخل ۲/ ۱۹۴، زاد المعاد ۴/ ۲۶۴۔
(۴) سورۃ الاعراف / ۱۵۷۔
(۵) الذخیرۃ ۴/ ۴۱۸۔

بعض اصحاب شافعی سے منقول ہے، اور ایک دوسری روایت میں سعید بن المسیب، محمد بن کعب قرظی، عبدالملک بن ماجشون، ابن القاسم اور اشہب کی طرف منسوب ہے کہ بیوی سے دبر میں جماع کرنا حلال ہے(۱)۔ اس لئے کہ زید بن اسلم نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے: ''**إن رجلاً أتى امرأته في دبرها في عهد رسول الله ﷺ فوجد من ذلك وجداً شديداً**'' (نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا، اور اس سے اس کو بڑا رنج ہوا، تو اللہ تعالی نے نازل فرمایا: ''**نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ**''(۲، ۳) (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو)۔

اسی طرح ان حضرات نے اللہ تعالی کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''**وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ**''(۴) (اور جو اپنی شرمگاہ کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں)۔

اور محمد بن کعب قرظی اس کے بارے میں اللہ تعالی کے اس ارشاد کی تاویل کرتے تھے: ''**أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ**''(۵) (تمام دنیا جہاں والوں

(۱) المغنی ۱۰/۲۲۶، الحاوی للماوردی ۱۱/ ۴۳۳، التلخیص الحبیر ۳/ ۱۸۱-۱۸۲، المدخل لابن الحاج ۲/ ۱۹۲، شرح معانی الآثار ۳/ ۴۰ اور اس کے بعد کے صفحات، الاشراف لابن المنذر/ ۱۵۷، مواہب الجلیل ۳/ ۴۰۷، تفسیر القرطبی ۳/ ۹۳۔

(۲) سورۃ البقرہ/ ۲۲۳۔

(۳) حدیث ابن عمر: ''أن رجلاً أتى امرأة في دبرها'' کی روایت نسائی نے السنن الکبری (۵/ ۳۱۶ ط العلمیۃ) میں کی ہے۔

(۴) سورۃ المومنون/ ۵۔

(۵) سورۃ الشعراء/ ۱۶۵۔

میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو)۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا: اس کی تقدیر یوں ہے: اپنی بیویوں میں اسی کے مثل کو چھوڑ دیتے ہو، اور اگر بیوی سے اسی کے مثل مباح نہیں کیا جاتا تو یہ کلام صحیح نہیں ہوتا اور دوسرے محل کا مباح اس کے مثل نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ تم یہ کرتے ہو اور مباح میں سے اس کے مثل کو چھوڑ دیتے ہو(۱)۔

۲۸- اور علماء نے پہلی آیت: ''**نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ**''(۲) (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو) سے استدلال کا رد اس طرح کیا ہے کہ ''انی'' لغت عرب میں جس میں قرآن اتارا گیا ہے ''من أين'' (جہاں سے) کے معنی میں ہے نہ کہ ''أين'' (جہاں) کے معنی میں، تو اگر یہ اسی طرح ہو تو اس کے معنی ''من أين شئتم'' (جہاں سے چاہو) ہوں گے اللہ تعالی فرماتا ہے: ''**يٰمَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هٰذَا**''(۳) (مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں)۔ یعنی یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا، چنانچہ ابو النضر سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر کے مولی نافع سے کہا کہ آپ کے خلاف پروپگنڈہ کیا گیا ہے کہ آپ حضرت ابن عمر کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کا فتوی دیا کہ عورتوں سے ان کی دبر میں جماع کیا جاسکتا ہے، نافع نے کہا کہ: لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بولا، لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ معاملہ کیا ہوا، حضرت ابن عمر نے ایک دن مصحف پیش کیا جب کہ میں انہیں کے پاس تھا یہاں تک کہ وہ ''**نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ**'' (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ

(۱) تفسیر القرطبی ۳/ ۹۳-۹۴۔

(۲) سورۃ البقرہ/ ۲۲۳۔

(۳) سورہ آل عمران/ ۳۷۔

جس طرح چاہو) تک پہنچے تو فرمایا: نافع! کیا تم جانتے ہو کہ اس آیت کا کیا معاملہ ہے؟ ہم قریش والے عورتوں سے پشت کی طرف سے جماع کرتے تھے، پھر جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے اور ہم نے انصار کی عورتوں سے نکاح کیا تو ہم نے ان سے وہی ارادہ کیا جو ہم اپنی عورتوں سے کرتے تھے، تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور اس کو بڑی بات سمجھا، اور انصار کی عورتوں سے صرف پہلو کے بل جماع کیا جاتا تھا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''**نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ**''(۱) (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو)۔

اور ابن الحاج نے کہا: دبر پیٹھ کا نام ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ''**وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ**''(۲) (اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے)، نیز ارشاد ہے: ''**وَمَن يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ**''(۳) (اور جو کوئی ان سے اپنی پشت اس روز پھیرے گا)۔

یعنی پیٹھ- اور عورت سے جماع آگے اور پیچھے سے کیا جاتا ہے یعنی اس کی پیٹھ کی طرف سے اس کی قبل میں جماع کیا جاتا ہے(۴)۔

اسی جیسی بات حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے: ''**إن سائلا سأل رسول الله ﷺ عن إتيان النساء في أدبارهن؟ فقال رسول الله ﷺ: حلال، ثم دعاه أو أمر به فدعي فقال: كيف قلت؟ في أي الخربتين أو في أي الخرزتين، أو في الخصفتين؟ أ من دبرها في قبلها، فنعم، أم من دبرها في دبرها فلا، إن الله لا يستحي من الحق، لا تأتوا النساء في أدبارهن**''(۱) (ایک پوچھنے والے نے نبی کریم ﷺ سے عورتوں سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں پوچھا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال ہے، پھر اس کو بلایا یا اس کو بلانے حکم دیا، اسے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: تو نے کیا کہا؟ دونوں فرجوں میں سے کس میں؟ کیا اس کے پیچھے سے قبل (اگلے حصہ) میں تب تو ہاں، اس کے پیچھے سے دبر (پچھلے حصہ) میں تب تو نہیں، اللہ تعالی حق سے حیاء نہیں کرتا، عورتوں سے ان کی دبر میں جماع نہ کرو)۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو بیوی کی دبر میں جماع کرنے سے متعلق حضرت ابن عمر سے منقول ہے تو ان سے اس کی تحریم صحیح طور سے منقول ہے، انہوں نے اس کے متعلق فرمایا: اور کیا کوئی مسلمان ایسا کرے گا؟ اسی طرح ان کے بیٹے سالم نے اپنے والد سے اباحت کی روایت کا انکار کیا ہے، رہی وہ روایت جو اس کے جواز کے بارے میں نافع سے منقول ہے تو ان سے اس روایت کے مطابق جو نسائی نے ان سے کی ہے اس کے خلاف روایت بھی ثابت ہے اور وہ ان کا یہ قول ہے: ''لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بولا'' اور اس حدیث کا ذکر اس کے متن کے ساتھ گزر چکا ہے(۲)۔

امام مالک کی طرف جو منسوب ہے تو ان سے اس کے برعکس بھی ثابت ہے اس لئے کہ مالک نے ابن وہب اور علی بن زیاد سے اس وقت فرمایا جب ان دونوں نے ان کو خبر دی کہ مصر میں کچھ لوگ ان

---

(۱) تفسیر القرطبی ۳/ ۹۲-۹۳، المحلی ۱۰/ ۲۶۹ اور حضرت ابن عمر کے اثر کی روایت نسائی نے (السنن الکبری (۵/ ۳۱۵ ط العلمیہ) میں کی ہے۔
(۲) سورۃ القمر/ ۴۵۔
(۳) سورۃ الانفال/ ۱۶۔
(۴) المدخل ۲/ ۱۹۴۔

(۱) حدیث خزیمۃ بن ثابت: ''**أن رجلاً سأل النبي ﷺ عن إتيان النساء في أدبارهن....**'' کی روایت شافعی نے الام (۱۰/ ۲۲۳ ط دار ابن قتیبہ) میں کی ہے اور ان سے بیہقی نے السنن الکبری (۷/ ۱۹۶) میں اس کی روایت کی ہے پھر بیہقی نے شافعی سے ان کی روایت کی توثیق نقل کی ہے۔
(۲) شرح معانی الآثار ۳/ ۴۲، تفسیر القرطبی ۳/ ۹۳-۹۵، تہذیب ابن القیم لمختصر سنن أبی داؤد ۳/ ۷۸، المحلی ۱۰/ ۶۹۔

کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں تو مالک نے اس سے نفرت ظاہر کی اور فوراً نقل کرنے والے کی تکذیب کی اور فرمایا: ان لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بولا، ان لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بولا، ان لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بولا، پھر فرمایا: کیا تم لوگ عرب نہیں ہو، کیا اللہ نے نہیں فرمایا: "نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" (تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں) اور کیا کھیتی اگنے کی جگہ کے علاوہ میں ہوتی ہے(۱)۔

اس طرح صریح اور صحیح احادیث سے رفیقۂ حیات سے دبر میں جماع کرنے کی حرمت ثابت ہوگئی۔

دوسری آیت: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" (اور جو اپنی شرمگاہ کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں) سے ان کے استدلال کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ مراد عورت سے اس کے فرج میں جماع کرنا ہے نہ کہ دبر میں۔

آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی کی تفسیر کو علماء نے رد کیا ہے کہ آیت: "وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ"(۲) (اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو) سے مراد ہے: اس چیز میں سے جو تمہارے لئے حلال کیا ہے یعنی عورتوں سے ان کی فروج میں جماع، انہوں نے کہا: یہ تاویل محمد بن کعب کی تاویل سے اچھی ہے، اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے مروی ان احادیث کے مطابق ہے جن سے جمہور فقہاء نے استدلال کیا ہے(۳)۔

---

(۱) الذخیرہ ۴/۴۱۶، تفسیر القرطبی ۳/۹۴-۹۵۔

(۲) سورۃ الشعراء/۱۶۶۔

(۳) شرح معانی الآثار ۳/۴۵، تفسیر القرطبی ۳/۹۴۔

چہارم: اجنبیہ سے اس کی دبر میں وطی کرنا:

۲۹- فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اجنبیہ سے اس کی دبر میں وطی کرنا حرام ہے وہ کبیرہ گناہ اور خطاء ہے(۱)، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **"لا ينظر الله إلى رجل أتى رجلا أو امرأة في الدبر"**(۲) (اللہ تعالیٰ اس شخص پر نگاہ نہیں ڈالے گا جو کسی مرد یا عورت سے دبر میں جماع کرے)، نیز حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **"ملعون من أتى امرأة في دبرها"**(۳) (ملعون ہے وہ شخص جو کسی عورت سے اس کی دبر میں جماع کرے)

۳۰- البتہ اس فاحشہ کا ارتکاب کرنے والے کی سزا کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف اقوال ہیں:

اول: مالکیہ حنابلہ راجح مذہب میں شافعیہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کا قول ہے کہ اس میں حد زنا ہوگی، اس لئے کہ وہ زنا کے معنی میں ہے، کیوں کہ اس میں شہوت والے محل میں پورے طور پر شہوت پوری کرنا ہے ایسے انداز سے جو منی بہانے کے مقصد سے خالص حرام ہے، اور یہی حضرت حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، نخعی، قتادہ اور اوزاعی کا بھی قول ہے(۴)۔

---

(۱) الزواجر ۲/۱۴۰، الہدایہ مع الفتح ۵/۴۳، کشاف القناع ۶/۹۵۔

(۲) حدیث: "لا ينظر الله إلى رجل أتى رجلاً أو امرأة في الدبر" اس کی روایت فقرہ (۲۶) پر گذر چکی ہے۔

(۳) حدیث: "ملعون من أتى امرأة في دبرها" کی روایت فقرہ/(۲۶) میں گذر چکی ہے۔

(۴) تحریم الغناء والسماع للطرطوشی ر ۲۵۷-۲۵۸، کشاف القناع ۶/۹۵، المغنی لابن قدامہ ۱۲/۳۴۰، شرح منتہی الارادات ۳/۳۴۵، رد المحتار ۳/۱۵۵، الہدایہ مع فتح القدیر ۵/۴۳، الحاوی الکبیر ۱۱/۲۴۴، مغنی المحتاج ۴/۱۴۴، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۱۴، شرح الخرشی ۸/۷۶۔

دوم: امام ابوحنیفہ کا اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے کہ اجنبیہ عورت کی دبر میں وطی کرنے سے حد واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ زنا نہیں ہے کیونکہ اس کی سزا کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہے کہ اس کو آگ سے جلایا جائے گا، اس پر دیوار گرائی جائے گی، کسی بلند جگہ سے اوندھے منھ گرا کر اس پر پتھر برسایا جائے گا وغیرہ، نہ وہ زنا کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس میں اضاعت ولد اور انساب میں اشتباہ نہیں ہے، اسی طرح وہ نادر ہے کیونکہ سلیم فطرت کے مطابق ایک جانب سے اس کا داعی نہیں پایا جاتا ہے، اور زنا کا داعی دونوں جانب سے ہوتا ہے لیکن اس کی قباحت اور اس کے فحش ہونے کی وجہ سے اس میں تعزیر واجب ہوگی(۱)۔

سوم: مالکیہ میں سے قاضی ابوالحسن کا قول ہے کہ اس کا حکم لواطت کے حکم کی طرح ہوگا، دونوں محصن ہوں یا غیر محصن دونوں کو سنگسار کر دیا جائے گا(۲) ابن عقیل حنبلی نے کہا: اس پر لواطت کی حد جاری ہوگی اور وہ ہر حال میں قتل کر دینا ہے(۳)۔

چہارم: بعض شافعیہ کا قول ہے کہ وہ خواہ کنوارا ہو یا شادی شدہ مرتد کی طرح بطور حد اس میں تلوار سے قتل کرنا واجب ہے (۴)۔

پنجم: میت سے وطی کرنا:

۱۳- اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ میت سے وطی کرنا حرام ہے، خواہ میت اپنی زندگی میں اس کی بیوی رہی ہو یا اس کے لئے اجنبیہ رہی ہو، اور ابن حجر ہیتمی نے اس کو بڑے فواحش اور گناہوں میں شمار کیا ہے(۱)۔

لیکن ایسا کرنے والے کی سزا کے بارے میں ان کے دو مختلف مذاہب ہیں:

اول: حنفیہ، اصح قول میں شافعیہ اور قول معتمد میں حنابلہ کا مذہب ہے کہ میت سے وطی کرنے والے پر حد واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ میت سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی طرح ہے کیونکہ اس کا وقوع ایک ہلاک شدہ عضو میں ہوا ہے نیز اس لئے کہ اس سے وطی کی شہوت نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس سے طبائع کو نفرت ہوتی ہے اور نفوس ناپسند کرتے ہیں، لہذا حد کے ذریعہ اس سے زجر کی مشروعیت کی ضرورت نہیں ہے، حد تو صرف زجر کے لئے واجب ہوتی ہے ..... لیکن اس فاحشہ کی وجہ سے اس کے کرنے والے کو تعزیر واجب ہوگی، اور حنابلہ نے کہا: اس کی تعزیر میں مبالغہ کیا جائے گا(۲)۔

دوم: مشہور قول کے مطابق مالکیہ اور اصح کے مقابل میں شافعیہ اور بعض حنابلہ کا مذہب ہے کہ اس پر حد واجب ہوگی یہی اوزاعی کا قول ہے اس پر ان کا استدلال اس بات سے ہے کہ وہ عورت کی فرج میں وطی ہے لہذا وہ زندہ عورت سے وطی کرنے کے مشابہ ہوگی، نیز وہ بڑا جرم اور بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ فاحشہ کے ساتھ میت کی بے آبروئی بھی شامل ہے، البتہ مالکیہ نے موت ہو جانے کی حالت میں بیوی کو اس سے مستثنی کیا ہے اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ اس سے وطی کرنے کی وجہ سے اس کے شوہر پر حد واجب نہ ہوگی(۳)۔

(دیکھئے "زنی" ۲۳)

---

(۱) مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۴، الحاوی ۱۷/ ۵۸، رد المحتار ۳/ ۱۵۵، الہدایہ مع فتح القدیر ۵/ ۴۳۔

(۲) عقد الجواہر الثمینہ ۳/ ۳۰۵، القوانین الفقہیہ / ۳۶۰۔

(۳) بدائع الفوائد لابن القیم ۴/ ۱۰۱۔

(۴) الحاوی للماوردی ۱۱/ ۲۴۴۔

(۱) الزواجر للہیتمی ۲/ ۱۴۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۷/ ۳۴، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۵، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۵، المغنی لابن قدامہ ۱۲/ ۳۴۰-۳۴۱، کشاف القناع ۶/ ۹۵، فتح القدیر ۵/ ۴۵۔

(۳) الخرشی ۸/ ۷۶، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۵، القوانین الفقہیہ / ۳۵۹، المغنی ۱۲/ ۳۴۰، الداء والدواء لابن القیم / ۳۰۳۔

ششم: جانور سے وطی کرنا:

۳۲-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جانور سے وطی کرنا حرام ہے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالی کے اس ارشاد کے عموم میں داخل ہے: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ"(۱) (اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلبگار ہوگا سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں)۔

نیز حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**أربعة يصبحون في غضب الله و يمسون في سخط الله وعدَّ منهم: الذي يأتي البهيمة**"(۲) (چار اشخاص اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں، اور اس میں اس کو بھی شمار فرمایا: جو جانور سے جماع کرتا ہے)۔ نیز حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**ملعون من أتى شيئا من البهائم**" (۳) (جو شخص جانوروں میں سے کسی سے جماع کرے وہ ملعون ہے)، فخر الرازی نے کہا: جانوروں سے جماع کرنے کی حرمت پر امت کا اجماع ہے(۱) اور فقہاء کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ وہ بڑے گناہوں اور فواحش میں سے ہے(۲)۔

۳۳- جانور سے جماع کرنے والے کی سزا کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف اقوال ہیں:

اول: جابر بن زید، حسن بن علی، حسن بصری، ایک قول میں امام شافعی اور ایک قول میں امام احمد کا قول ہے کہ اس پر زنا کی حد واجب ہوگی، لہذا اگر وہ محصن ہو تو سنگسار کیا جائے گا اور غیر محصن ہو تو کوڑے لگائے جائیں گے، اس لئے کہ یہ عورت کے قبل کی طرح ہے شرعاً حرام شرم گاہ میں عضو تناسل کو داخل کرنا ہے، لہذا اس میں زنا کی حد واجب ہوگی(۳)۔

دوم: امام احمد سے ایک روایت، امام شافعی کا دوسرا قول اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے ایک روایت ہے، کہ اسے ہر حال میں پتھر سے سنگسار کر کے قتل کیا جائے گا، چاہے محصن ہو یا غیر محصن، اور شافعیہ کے ایک قول میں اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے: "**من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه**"(۴) (جو کسی جانور سے جماع کرے اسے قتل کر دو اور اس کے ساتھ جانور کو بھی مار ڈالو)، نیز وہ ایسی وطی ہے جو کسی صورت میں مباح نہیں ہو سکتی ہے لہذا الواطت کرنے والے کی طرح

---

(۱) سورۃ المومنون/۵-۷۔

(۲) حدیث: "أربعة يصبحون في غضب الله...." کی روایت طبرانی نے الاوسط (۴۳۹/۷، ط المعارف) میں کی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۷۳/۶) میں کہا: طبرانی نے الاوسط میں اس کو بطریق محمد بن سلام الخزاعی عن ابیہ سے نقل کیا ہے، بخاری نے کہا: ان کی اس حدیث کی تائید نہیں ہوتی ہے۔

(۳) حدیث: "ملعون من أتى شيئاً من البهائم" کی روایت طبرانی نے الاوسط (۲۲۶/۹ ط المعارف) میں کی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۷۲/۶) میں کہا: اس میں محرز بن ہارون ہے، ان کو محرر بھی کہا جاتا ہے، جمہور نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن کہا ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۱) التفسیر الکبیر ۱۳۳/۲۳، نیل الاوطار ۱۱۹/۷۔

(۲) الزواجر ۱۳۹/۲، تنبیہ الغافلین لابن النحاس/۲۸۷۔

(۳) مغنی المحتاج ۱۴۵/۴، اسنی المطالب ۱۲۵/۴، الداء والدواء/۳۰۳، التفسیر الکبیر للرازی ۱۳۳/۲۳، معالم السنن للخطابی ۲۷۵/۶، عارضۃ الاحوذی ۲۳۹/۶، الحاوی ۶۳/۱۷-۶۵، نیل الاوطار ۱۱۸/۷، ۱۱۹، المحلی ۳۸۶/۱۱۔

(۴) حدیث: "من أتى بهيمة فاقتلوه" کی روایت ابوداؤد (۶۰۹/۴) نے کی ہے۔

اس میں بھی قتل ہوگا(۱)۔

سوم: زہری کا قول کہ وہ خواہ محصن ہو یا غیر محصن اس پر دونوں حدوں میں سے ادنی حد واجب ہوگی، لہذا وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے(۲)۔

چہارم: جمہور فقہاء حنفیہ اظہر قول میں شافعیہ، مالکیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے کہ جانور سے وطی کرنے میں حد واجب نہ ہوگی، البتہ تعزیر لازم ہوگی، یہی حضرت ابن عباسؓ، عطاء، شعبی، نخعی، حکم، ثوری اور اسحاق سے ایک روایت ہے، حنفیہ نے کہا: اگر وہ اس کا عادی ہو تو امام کو اس کے قتل کر دینے کا اختیار ہوگا، اور مفتی بہ یہی ہے، بیری نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ اس کو دوسری مرتبہ میں قتل کر دیا جائے گا اس لئے کہ اس پر تکرار صادق آ رہی ہے، حنابلہ نے کہا: اس کی تعزیر میں مبالغہ کیا جائے گا(۳) اور جمہور نے جانور سے وطی کرنے کی وجہ سے حد کے واجب نہ ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے۔

کہ اس نے ایک برائی کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (إلى قوله) الْعَادُوْنَ"(۴) (اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر نہیں کچھ الزام جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے)۔ اس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے کہ جانور سے جماع کرنا سرے سے حلال نہیں ہے، اس کا کرنے والا منکر کا مرتکب ہوگا اور نبی کریم ﷺ نے منکر (برائی) کو ہاتھ (طاقت) سے بدلنے کا حکم دیا ہے(۱)، لہذا اس پر تعزیر ہوگی(۲)۔

نیز جانور سے وطی کرنے کی وجہ سے حد کے واجب ہونے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے، آدمی کے فرج میں وطی کرنے پر اس کو قیاس کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ جانور قابل احترام نہیں ہے اس سے وطی کرنا کوئی ایسا مقصود نہیں ہے جس سے زجر کے لئے حد کی حاجت ہو، اس لئے کہ طبع سلیم اس سے انکار کرتا ہے اور نفوس اس کو ناپسند کرتے ہیں اور عام نفوس اس سے نفرت کرتے ہیں لہذا حد کے ذریعہ اس سے زجر کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر کافی ہوگی(۳)۔

عورت کا کسی جانور کو اپنے آپ پر قابو دینا:

۳۴- جانور سے وطی کرنے کے حکم میں وہ صورت بھی ہے جب عورت کسی جانور کو (جیسے کتا بندر وغیرہ کو) اپنے آپ پر قابو دے دے اور وہ اس عورت سے وطی کرے، یا عورت خود اس کے عضو تناسل کو اپنی فرج میں داخل کرے، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے(۴)۔

---

(۱) المغنی ۱۲/ ۳۵۲، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۵، عارضۃ الاحوذی ۶/ ۲۳۹، الداء والدواء لابن القیم ۳۰۳، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۵، زاد المعاد ۵/ ۴۱، الاشراف للقاضی عبد الوہاب ۲/ ۲۲۱، الحاوی ۱۷/ ۶۳۔

(۲) عارضۃ الاحوذی ۶/ ۲۳۹، معالم السنن ۶/ ۲۷۶۔

(۳) رد المحتار ۳/ ۱۵۵، فتح القدیر والکفایہ ۵/ ۴۵، مختصر اختلاف الفقہاء للطحاوی ۳/ ۳۰۴، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۶، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۵، تحفۃ المحتاج ۹/ ۱۰۶، کشاف القناع ۶/ ۹۵، القوانین الفقہیہ ۳۵۸، عقد الجواہر الثمینہ ۳/ ۳۰۵، المغنی ۱۲/ ۳۵۱، الخرشی ۸/ ۷۸، الحاوی ۱۷/ ۶۳۔

(۴) سورۃ المومنون/ ۵-۷۔

---

(۱) حدیث تغییر المنکر بالید: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده...." کی روایت مسلم (۱/ ۶۹) نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کی ہے۔

(۲) المحلی لابن حزم ۱۱/ ۳۸۸۔

(۳) المغنی ۱۲/ ۳۵۲، مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۵، المعونۃ للقاضی عبد الوہاب ۳/ ۱۴۰۰، الحاوی ۱۷/ ۶۴۔

(۴) رد المحتار ۳/ ۱۵۵، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۶، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/ ۳۱۶، کشاف القناع ۶/ ۹۵۔

جس جانور سے وطی کی گئی ہو اس کو قتل کرنا:

۳۵- اور اسی طرح اس جانور کے قتل کے بارے میں جس سے آدمی نے وطی کی ہو فقہاء کے تین مختلف اقوال ہیں:

اول: حنفیہ مالکیہ اور اصح قول میں شافعیہ کا قول ہے کہ جس جانور سے وطی کی گئی ہو اس کو قتل کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو قتل کرنے کا حکم دینے والی حدیث ضعیف ہے، نیز اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانے کی غرض کے علاوہ جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے(۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اس کو ذبح کرنا پھر اگر وہ ماکول اللحم نہ ہو تو اس کو جلا دینا مستحب ہے، یہ اس لئے ہے کہ جب جب اس جانور کو دیکھا جائے اس کے متعلق بات چیت کا دروازہ بند کردیا جائے، لیکن ایسا کرنا واجب نہیں ہے، اگر وہ ماکول اللحم ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کو کھانا جائز ہے اور صاحبین نے کہا: اسے بھی جلا دیا جائے گا(۲)۔

دوم: راجح مذہب میں حنابلہ اور اصح کے مقابل قول میں شافعیہ کا قول ہے کہ جانور کو مارڈالنا واجب ہے، خواہ وہ بدفعلی کرنے والے کی ملکیت ہو یا کسی اور کی ہو مأکول اللحم ہو یا نہ ہو، اس لئے کے آنحضرت ﷺ کا ارشاد مطلق ہے: **"من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه"**(۳) (جو کسی جانور سے جماع کرے اس کو قتل کردو اور اس کے ساتھ جانور کو بھی مارڈالو)، نیز اس کے باقی رہنے میں فاحشہ (برے فعل) کی یاددھانی ہے چنانچہ اس کی وجہ سے اس کو عار دلایا جائے گا(۱)۔

سوم: اگر جانور وطی کرنے والے کا ہو تو اسے مارڈالا جائے اگر کسی دوسرے کا ہو تو اسے قتل نہ کیا جائے، اس قول کو طحاوی نے اپنی مختصر میں نقل کیا ہے(۲)۔

چہارم: شافعیہ کا تیسرا قول اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ ایسا جانور اگر مأکول اللحم ہو تو اسے ذبح کردیا جائے ورنہ اسے قتل نہ کیا جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانے کے علاوہ کے لئے جانور کو ذبح کرنے سے منع کیا ہے(۳)۔

جن حضرات نے کہا کہ جس جانور سے وطی کی گئی ہو اس کو مارڈالنا واجب یا مستحب ہے ان کے قول کے مطابق اگر جانور بدفعلی کرنے والے کا ہو تو رائیگاں جائے گا، اس لئے کہ انسان خود اپنے مال کا ضامن نہیں ہوتا ہے، اور اگر جانور کسی دوسرے کا ہو تو اس کے ضمان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ اس کے قتل کو واجب قرار دینے کی صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کا راجح مذہب ہے کہ فاعل پر اس کا ضمان واجب ہوگا، اس لئے کہ اسی کی وجہ سے وہ تلف کیا گیا ہے جو ایسا ہے جیسے کہ اسی نے اس کو مارڈالا ہو۔

شافعیہ کے نزدیک ایک نقطۂ نظر میں: اس کے مالک کو کوئی تاوان نہیں ملے گا اس لئے کہ شریعت نے مصلحتاً اس کے قتل کو واجب قرار دیا ہے۔

---

(۱) حدیث: "أن النبی ﷺ نهى عن ذبح الحيوان إلا لمأكلة" یہ حدیث بروایت قاسم مولی عبد الرحمن سے مرسلاً: **"لا تقتل بهيمة ليس لك بها حاجة"** (ایسے جانور کو مت قتل کرو جس کی ضرورت تم کو نہ ہو) کے الفاظ سے وارد ہوئی ہے، جس کی روایت ابوداؤد نے المراسیل (۲۳۹-۲۴۰ ط الرسالہ) میں کی ہے۔

(۲) رد المحتار ۳/۱۵۵، فتح القدیر ۵/۴۵، المحلی علی المنہاج، حاشیۃ القلیوبی ۴/۱۸۰، تحفۃ المحتاج ۹/۱۰۶، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۱۶، الخرشی ۸/۷۸، المعونہ ۳/۱۴۰۱۔

(۳) حدیث: "من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه" کی تخریج فقرہ (۳۱) پر گذر چکی ہے۔

(۱) کشاف القناع ۶/۹۵، المغنی ۱۲/۳۵۲-۳۵۳، مغنی المحتاج ۴/۱۴۶، الحاوی ۱۷/۶۵، عارضۃ الاحوذی ۶/۲۳۹۔

(۲) الحاوی ۱۷/۶۴۔

(۳) مغنی المحتاج ۴/۱۴۶، عارضۃ الاحوذی ۶/۲۳۹، المغنی ۱۲/۳۵۲، الانصاف ۱۰/۱۷۹۔

حنفیہ نے کہا: اگر جانور غیر واطی کا ہو تو اس کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ جانور وطی کرنے والے کو قیمت کے بدلہ دے دے پھر اسے اسی طرح ذبح کر دیا جائے گا(۱)۔

۳۶- اسی طرح جس جانور سے وطی کی گئی ہو ذبح کرنے کے بعد اس کو کھانے کے حلال ہونے کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف اقوال ہیں:

اول: راجح مذہب میں حنابلہ، حنفیہ میں سے صاحبین اور شافعیہ کا ایک قول ہے کہ اس کا کھانا حرام ہوگا اس لئے کہ وہ ایسا جانور ہے جس کو قتل کرنا اللہ تعالی کے حق کی وجہ سے واجب ہے لہذا اللہ تعالی کے حق کی وجہ سے دوسرے قتل کئے جانے والے جانوروں کی طرح اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

دوم: ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ اس کا کھانا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

سوم: امام ابوحنیفہ مالکیہ اور راجح مذہب میں شافعیہ کا قول ہے کہ کراہت کے بغیر اس کا کھانا جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ**"(۲) (تمہارے لئے چوپائے مویشی جائز کئے گئے ہیں)۔ اس آیت میں حلال ہونے کا ذکر مطلقاً آیا ہے، موطوءہ (وطی کیا ہوا ہو) اور غیر موطوءہ میں تفصیل نہیں کی گئی ہے، نیز اللہ تعالی کے اس ارشاد میں اس کو محرمات کے ساتھ نہیں بیان کیا گیا ہے: "**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ**"(۳) (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت)۔ نیز وہ ایسی جنس کا جانور ہے جس کا کھانا جائز ہے، اس کو ایسے شخص نے ذبح کیا جو ذبح کرنے کا اہل ہے لہذا اس کا کھانا اسی طرح حلال ہوگا جیسے اس وقت ہوتا جب اس کے ساتھ یہ فعل نہ کیا جاتا(۱)۔

(۱) ابن عابدین ۳/۱۵۵، الحاوی ۱۷/۶۴، مغنی المحتاج ۴/۱۴۶، کشاف القناع ۶/۹۵، الانصاف ۱۰/۱۷۹۔

(۲) سورہ مائدہ/۱۔

(۳) سورہ مائدہ/۳۔

ہفتم: کسی شبہہ کی وجہ سے وطی کرنا:

۳۷- شبہہ دراصل وہ ہے جو: ثابت سے مشابہ ہو، لیکن ثابت نہ ہو شبہہ میں وطی وہ وطی ہے جو ممنوع ہو لیکن اس سے حد واجب نہ ہو کیونکہ اس صورت میں شبہہ کے پائے جانے کی بنا پر زنا کا قصد نہیں مانا جاتا۔

فقہاء کے یہاں شبہ کی کچھ قسمیں ہیں جن کو "زنی"، فقرہ /۱۵-۲۱، "شبہۃ"، فقرہ /۳ میں دیکھا جائے۔

وطی کے احکام:

الف- وطی کے بارے میں عورت کا اپنے شوہر پر حق:

۳۸- بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے کہ وہ اس سے جماع کرے اور اس کی شہوت پوری کرے (۲)، اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "**ألم أخبر أنک تصوم النهار وتقوم الليل؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: فلا تفعل، صم وأفطر، وقم ونم، فإن لجسدک عليک حقا، وإن لعينک عليک حقا، وإن لزوجک عليک حقاً**" (۳) (کیا مجھے یہ نہیں بتایا

(۱) رد المحتار ۳/۱۵۵، فتح القدیر ۵/۴۵، مغنی المحتاج ۴/۱۴۶، تحفۃ المحتاج ۹/۱۰۶، القوانین الفقہیہ /۳۵۸، المغنی ۱۲/۳۵۳، کشاف القناع ۶/۹۵، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۱۶، عارضۃ الاحوذی ۶/۲۳۹، عقد الجواہر الثمینہ ۳/۳۰۵، الخرشی ۸/۸۷، الحاوی للماوردی ۱۷/۶۵۔

(۲) دلیل الفالحین ۱/۳۹۰۔

(۳) حدیث عبداللہ بن عمرو: "ألم أخبر أنک تصوم النهار..." کی روایت

گیا ہے؟ کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور چھوڑ بھی دو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اس لئے کے تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے)۔ اور آپ ﷺ نے حضرت ابوالدرداء سے فرمایا: "فصم وأفطر وصل ونم وأت أهلک" (۱) (تم روزہ بھی رکھو چھوڑ بھی دو، نماز بھی پڑھو سوؤ بھی، اور اپنی بیوی کے پاس بھی آؤ)۔

۳۹- رہا اس حق کا ضابطہ اور اس کا شرعی حکم، اور شوہر پر اپنی بیوی سے جماع کرنے کا واجب ہونا تو اس کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف اقوال ہیں:

اول: حنفیہ اور بعض شافعیہ کا ایک قول ہے، کہ بیوی کو اپنے شوہر سے وطی کے مطالبہ کا حق ہے، اس لئے کہ شوہر کا اس کے لئے حلال ہونا اس کا حق ہے جیسا کہ بیوی کا شوہر کے لئے حلال ہونا شوہر کا حق ہے اگر بیوی شوہر سے اس کا مطالبہ کرے گی تو شوہر پر وطی واجب ہوگی اور شوہر کو قضاءً-ایک مرتبہ-اس پر مجبور کیا جائے گا، اور مزید وطی کرنا اس پر دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ واجب ہوگی اور یہ حسن معاشرت اور نکاح کو برقرار رکھنے کی نسبت وقبیل سے ہوگا اور بعض حنفیہ کے نزدیک قضاءً وجوب نہیں، اور بعض کے نزدیک ہے، اور ان کا مزید کہنا ہے کہ شوہر دیانۃً مزید واجب ہونے والی واطی کو چھوڑنے پر گنہگار ہوگا اگر قدرت رکھتا ہو اور ایسا ظلماً کرے (۲)۔

دوم: شافعیہ کا قول ہے کہ شوہر پر بیوی سے وطی واجب نہیں، اور نہ قضاءً اس پر اس کو مجبور کیا جائے گا اور نہ اس کے ترک پر اس کو گناہ ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کا حق ہے جس کو وہ چھوڑ سکتا ہے اور اس لئے کہ طبعی داعیہ اس میں گنجائش وبے نیازی پیدا کرتا ہے، نیز اس لئے کہ جماع شہوت کے دواعی کی وجہ سے اور خلوص محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور آدمی تکلفاً (زبردستی) اس کو پیدا نہیں کرسکتا۔

لیکن اس کے لئے مستحب ہے کہ جماع کی نسبت سے اس کو بالکل چھوڑے نہ رکھے تاکہ اس کی عفت کی حفاظت ہو، کیوں کہ وہ حسن معاشرت اور معروف کے ساتھ معاشرت کے قبیل سے ہے اور اس لئے کہ اس کا ترک اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے یا اس کو خراب کرسکتا ہے (۱)۔

عز بن عبد السلام نے کہا: مرد کو جماع کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اور زوجین کے لئے جو زیادہ بہتر ہو اس کا کرنا افضل ہے (۲)۔

غزالی نے کہا: مناسب یہ ہے کہ ہر چار راتوں میں ایک بار اس سے جماع کرے، یہ اس کا سب سے عادلانہ نظام ہے، اس لئے کہ بیوی کی تعداد چار ہوسکتی ہے لہذا اس حد تک تاخیر جائز ہے، ہاں پاک دامن رہنے میں بیوی کی حاجت کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی کرنا چاہئے اس لئے کہ بیوی کو پاک دامن رکھنا شوہر پر واجب ہے، اگرچہ وطی کا مطالبہ کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے کہ مطالبہ کرنا اور پورا کرنا دشوار ہے اور انہوں نے قمولی کے قول کو مختار قرار دیا ہے کہ: عورتوں سے اعراض کرنا مکروہ ہے، اور اس کو حرام قرار دینے والے قول کو قوی قرار دیا ہے (۳)۔

= بخاری (فتح الباری ۹/ ۲۹۹) اور مسلم (۲/ ۸۱۳) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) حدیث: "فصم وأفطر وصل ونم" کی روایت دارقطنی (۲/ ۱۷۶ ط دار المحاسن) نے حضرت ابوجحیفہ سے کی ہے اور اس کی اصل صحیح البخاری (فتح الباری ۴/ ۲۰۹) میں ہے۔

(۲) البدائع ۲/ ۳۳۱، فتح القدیر ۳/ ۳۰۲، الکفایۃ علی الہدایہ ۳/ ۳۰۰، رد

= المختار ۲/ ۵۹۴، فتح الباری ۹/ ۲۹۹۔

(۱) مغنی المحتاج ۳/ ۲۵۱، تحفۃ المحتاج ۷/ ۴۴۰، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۲۱۲، فتح الباری ۹/ ۲۹۹، اسنی المطالب ۳/ ۲۲۹، الوسیط للغزالی ۵/ ۲۸۵۔

(۲) قواعد الاحکام ۱/ ۳۵۱۔

(۳) احیاء علوم الدین ۲/ ۴۶، تحفۃ المحتاج ۷/ ۱۴۴۔

سوم: مالکیہ کا قول ہے کہ اگر عذر نہ ہوتو جماع کرنا عورت کا مرد پر فی الجملہ واجب حق ہے، اور جہاں وطی کے ترک سے بیوی کو ضرر ہو وہاں شوہر کے خلاف اس کا فیصلہ کیا جائے گا، اگر عورت جماع کے کم ہونے کی شکایت کرے گی تو راجح قول کے مطابق ہر چار راتوں میں ایک رات کا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا (۱)۔

ابو الحسن الصغیر نے ابو عمران سے نقل کیا ہے کہ وطی کی کم سے کم مقدار کے بارے میں جس کا فیصلہ مرد پر کیا جائے گا اختلاف ہے، چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا: چار راتوں میں سے ایک رات، انہوں نے اس کو اس بات سے اخذ کیا ہے کہ مرد کو چار عورتوں سے شادی کرنے کا اختیار ہے، ایک قول ہے کہ! تین راتوں میں سے ایک رات انہوں نے اللہ تعالی کے اس ارشاد سے اخذ کیا ہے: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (۲) (مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے)۔ حضرت عمر نے طہر میں ایک بار کا فیصلہ فرمایا اس لئے کہ یہ اس کو حاملہ کردے گا (۳)۔

چہارم: راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے کہ اگر شوہر کو وطی سے مانع کوئی عذر نہ ہوتو اس پر واجب ہوگا کہ ہر چار مہینہ میں ایک بار اپنی بیوی سے وطی کرے۔

انہوں نے کہا: اس لئے کہ اگر یہ واجب نہ ہوتی تو دوسری غیر واجب چیزوں کی طرح اس کو چھوڑ دینے کی قسم سے واجب نہ ہوتی، نیز اس لئے کہ نکاح زوجین کی مصلحت اور دونوں سے ضرر کو دور کرنے کے لئے مشروع ہے، اور وہ عورت سے شہوت کے ضرر کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے جیسے مرد سے اس کے دور کرنے کا سبب بنتا ہے لہذا وطی دونوں ہی کا حق ہے، نیز اگر وطی میں عورت کا کوئی حق نہ ہوتا تو باندی

(۱) الزرقانی علی خلیل ۴/ ۵۶، القوانین الفقہیہ ۲۱۶، الذخیرۃ ۴/ ۴۱۶۔

(۲) سورۃ النساء/ ۱۱۔

(۳) حاشیۃ البنانی علی الزرقانی ۴/ ۵۶۔

کی طرح عزل میں اس سے اجازت لینا واجب نہ ہوتا۔

عورت کے حق کے سلسلہ میں سال کا تہائی ہونا اس لئے مشروط ہے کہ اللہ تعالی نے ایلاء کرنے والے کے حق میں اسی کو مقرر کیا ہے، تو اسی طرح دوسرے کے حق میں بھی ہوگا۔ نیز یہ کہ اس کو کوئی عذر نہ ہو، اس لئے کہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے اس کو ترک کرے گا تو اس کے عذر کی وجہ سے اس پر واجب نہ ہوگی۔

اگر بغیر کسی عذر کے شوہر وطی ترک کرنے پر اصرار کرے یہاں تک کہ چار مہینے گزر جائیں تو قاضی بیوی کے مطالبہ پر ایلاء کرنے والے اور نفقہ سے گریز کرنے والے کی طرح دونوں میں تفریق کر دے گا اگر چہ یہ دخول سے پہلے ہو، امام احمد نے ابن منصور کی روایت میں اس کی صراحت کی ہے (۱)۔

ابن قدامہ نے کہا: اور ہمارے اصحاب کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی اور یہی اکثر فقہاء کا قول ہے، اس لئے کہ اگر اس کے لئے کوئی مدت مقرر کر دی جائے اور دونوں میں تفریق کر دی جائے تو ایلاء کا کوئی اثر نہیں ہوگا حالانکہ اس کے معتبر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے (۲)۔

ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے کہا: مرد پر واجب ہے کہ معروف کے مطابق یعنی بیوی کی حاجت اور اپنی طاقت کے بقدر اس سے وطی کرے جیسا کے بیوی کی ضرورت اور اپنی طاقت کے بقدر اس کو کھلاتا ہے اور اس پر خرچ کرتا ہے، ہر ماہ، چار ماہ، ہر ہفتہ یا چار دن میں سے ایک دن میں ایک بار کی کوئی قید نہ ہوگی اس لئے کہ کتاب وسنت میں نہ اس کی مقدار کی صراحت ہے، نہ عقد نکاح سے زوجین پر واجب ہونے والی کسی چیز کی مقدار بیان کی گئی ہے اس میں

(۱) کشاف القناع ۵/ ۱۹۲، المغنی ۱۰/ ۲۴۰۔

(۲) المغنی ۱۰/ ۲۴۰۔

عرف کا اعتبار کیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"(۱) (اور عورتوں کا (بھی) حق ہے جیسا کہ عورتوں پر حق ہے موافق دستور (شرعی) کے)۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے فرمایا: "**خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف**"(۲) (جو تمہارے لئے اور تمہارے بچہ کے لئے کافی ہو اس کو دستور کے مطابق لے لو)۔

ابن القیم نے کہا: اور ایک جماعت نے کہا: شوہر پر واجب ہے کہ دستور کے مطابق اس سے وطی کرے جیسا کہ دستور کے مطابق اس کو کھلاتا اور پہناتا ہے اور دستور کے مطابق معاشرت اختیار کرتا ہے بلکہ یہ معاشرت کی بنیاد اور اس کا مقصود ہے اللہ نے اس کے ساتھ دستور کے مطابق معاشرت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، وطی اس معاشرت میں لازماً داخل ہے، انہوں نے کہا: اور اگر اس کے لئے ممکن ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ وطی سے اس کو آسودہ کردے جیسا کہ اس پر لازم ہے کہ غذا سے اس کو آسودہ کردے اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ اس قول کو راجح مختار قرار دیتے تھے(۳)۔

اور اگر وطی کے بارے میں زوجین میں تنازع ہوجائے جس کا استحقاق عورت کو ہے تو حاکم عرف اور زوجین کی حالت کے مطابق اپنی صوابدید سے اس کو مقرر کردے گا جیسا کہ اس کے لئے نفقہ سکنی اور اس کے دوسرے حقوق مقرر کرتا ہے(۴)۔

(۱) سورۃ البقرہ ر ۲۲۸۔

(۲) حدیث: "خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۹ ر ۵۰۷) اور مسلم (۳ ر ۱۳۳۸) نے حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ سے کی ہے: "خذی من ماله بالمعروف ما یکفیک ویکفی بنیک" (ان کے مال میں سے جو تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو اس کو دستور کے مطابق لے لو) اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) روضۃ المحبین لابن القیم ر ۲۱۷۔

(۴) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۸ ر ۳۸۳-۳۸۴، ۲۹ ر ۱۷۳، ۳۲ ر ۲۷۱،

ابن تیمیہ نے کہا: اور وطی کے ترک سے زوجہ کو ضرر پہنچنا ہر حال میں فسخ کا متقاضی ہے، خواہ یہ شوہر کے قصد سے ہو یا بغیر قصد کے اور خواہ شوہر کی قدرت کے ساتھ ہو یا عاجزی کے ساتھ جیسے نفقہ بلکہ اس کی وجہ سے بدرجہ اولی نکاح فسخ کردیا جائے گا کیوں کہ ایلاء میں اس کے ناممکن ہونے کی وجہ سے بالاجماع نکاح فسخ کردیا جاتا ہے(۱)۔

ب- وطی میں مرد کا اپنی بیوی پر حق:

۴۰- فقہاء کا مذہب ہے کہ شوہر جب چاہے اسے اپنی بیوی سے وطی کا مطالبہ کرنے کا حق ہے، الا یہ کہ وطی سے مانع کوئی شرعی سبب موجود ہو، جیسے حیض، نفاس، ظہار، احرام وغیرہ لہذا شوہر اگر اس سے وطی کا مطالبہ کرے، اور شرعی موانع نہ ہوں تو عورت پر اس کی بات ماننا واجب ہوگا(۲)۔

ابن تیمیہ نے کہا: اگر شوہر اس کو بستر پر بلائے تو عورت پر مرد کی اطاعت ضروری ہے اور یہ اس پر فرض واجب ہے(۳)۔

ذہبی، رافعی، نووی، ابن رفعہ، ہیتمی وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر شوہر عورت کو بستر پر بلائے اور عورت بلا کسی شرعی عذر کے اس سے گریز کرے تو یہ نشوز کی ایک قسم اور گناہ کبیرہ ہے اس لئے کہ اس کے بارے میں شدید وعید وارد ہے(۴)۔

اس سلسلہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس میں سے وہ حدیث ہے: جس کی روایت حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم ﷺ سے کی ہے کہ

= روضۃ المحبین ر ۲۱۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) الاختیارات الفقہیہ من فتاوی ابن تیمیہ ر ۲۴۷۔

(۲) بدائع الصنائع ۲ ر ۳۳۱-۳۳۴، بہجۃ النفوس ۳ ر ۲۲۹، النووی علی مسلم ۱۰ ر ۷، فتح الباری ۹ ر ۲۹۴۔

(۳) الفتاوی الکبری لابن تیمیہ (ط دار الریان) ۳ ر ۱۴۴۔

(۴) الکبائر للذہبی ر ۱۲۴، تنبیہ الغافلین لابن النحاس ر ۱۳۵، ۱۶۷، الزواجر ۲ ر ۴۸-۵۰۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فلم تأته، فبات غضبان عليها لعنتها الملائكة حتى تصبح"(۱) (اگر مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس نہ آئے اور شوہر بیوی پر ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح ہونے تک فرشتے عورت پر لعنت کرتے ہیں)۔

نیز حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع"(۲) (جب عورت اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کے وہ لوٹ آئے)۔ نیز حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشه، فتأبى عليه، إلا كان الذي في السماء ساخطاً عليها حتى يرضى عنها"(۳) (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو اللہ تعالی اس سے ناراض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شوہر اس سے راضی ہو جائے)۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شوہر عورت کو بلائے تو اس کا شوہر سے گریز کرنا حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے(۴)۔

(۱) حدیث: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۲۹۴) اور مسلم (۲/ ۱۰۶۰) نے کی ہے، الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۲) حدیث: "إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۲۹۴) اور مسلم (۲/ ۱۰۵۹) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) حدیث: "والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته..." کی روایت مسلم (۲/ ۱۰۶۰) نے کی ہے۔

(۴) المفہم شرح مختصر مسلم للقرطبی ۴/ ۱۶۰، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام (۱/ ۳۵ ط دار الطباع دمشق)۔

اگر عورت شوہر کو وطی کے لئے بلائے تو اس کا قبول کرنا اس پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر مردوں کو عورت کی بات قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو وہ عاجز ہو جائیں گے، اس لئے کہ ہر وقت عورتوں کی بات قبول کرنے کے لئے ان کے پاس قوت و طاقت نہ ہوگی، اور بہت سی حالتوں میں اعضاء کی کمزوری اور انتشار کے نہ ہونے کے سبب ان کو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی، اور عورت کے لئے ہر وقت ہر آن قابو دینا ممکن ہے، البتہ اگر مرد گریز کر کے اس کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے تو اس پر ایسا کرنا حرام ہوگا(۱)۔

ج- وطی سے شوہر کی عاجزی کے سبب بیوی کو جدائی کا حق:

۴۱- فقہاء نے مجبوب ہونے، خصی ہونے یا عنین ہونے کی وجہ سے شوہر کے وطی سے عاجز ہونے کے سبب بیوی کی جدائی طلب کرنے کے حق کے مسئلہ میں دو حالتوں کے درمیان فرق کیا ہے: یعنی عقد نکاح سے ملی ہوئی وطی سے عاجزی، اور دخول کے بعد واقع ہونے والی عاجزی کی کیفیت نیز ازدواجی زندگی کے استقرار کے بعد پیدا ہو جانے والی عاجزی، اسی طرح انہوں نے اس شکل میں بھی فرق کیا ہے جب عورت عقد نکاح کے وقت عیب سے واقف ہو یا عقد کے وقت اس سے ناواقف ہو۔

تفصیلات "طلاق" فقرہ/ ۹۳-۱۰۶ "عنۃ" فقرہ/ ۱۳-۱۴ "خصاء" فقرہ/ ۷، "جب" فقرہ/ ۵-۶ کی اصطلاحات میں دیکھئے۔

د- اگر بیوی میں وطی سے مانع کوئی عیب ہو تو شوہر کو حق فسخ:

۴۲- اگر بیوی میں وطی سے مانع کوئی عیب موجود ہو جیسے رتق یا قرن

(۱) سابقہ دونوں مراجع۔

ہوتو کیا شوہر کو فسخ کا حق ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

تفصیل ''رتق''، فقرہ/ ۴-۶، ''قرن''، فقرہ/ ۳، ''طلاق''، فقرہ/ ۹۳ میں ہے۔

ھ- ایلاء یا ظہار کر کے شوہر کا اپنی بیوی کی وطی سے گریز کرنا:

اول: ایلاء:

۴۳- اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایلاء کرنے والے کو چار مہینوں کی مہلت دی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے، اور ان چار مہینوں میں اس سے وطی کا مطالبہ کیا جائے گا، اللہ تعالی فرماتا ہے: ''لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَإِنْ عَزَمُوْا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ''(۱) (جو لوگ اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے پھر اگر یہ لوگ رجوع کر لیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے)۔ قرطبی نے کہا: اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ اہل جاہلیت اپنی عورتوں سے ایک سال دو سال یا زیادہ تک کے لئے ایلاء کرتے تھے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی (۲)۔

۴۴- اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایلاء کرنے والا یا تو وطی نہ کرنے پر اصرار کرے گا یہاں تک کے چار مہینے گزر جائیں یا مدت گزرنے سے پہلے بیوی سے وطی کرے گا۔

(۱) سورۃ البقرہ/ ۲۲۶-۲۲۷۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن ۳/ ۱۰۳۔

اگر ایلاء کرنے والا اپنی اس بیوی سے وطی نہ کرنے پر اصرار کرے گا جس سے اس نے ایلاء کیا ہے یہاں تک کہ ایلاء کی تاریخ سے چار مہینے گزر جائیں تو اس کا یہ اصرار کرنا شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کا داعی ہوگا، اس لئے کہ اس گریز میں بیوی کو ضرر پہنچانا ہے۔ اور بیوی کو حق ہوگا کہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے اور وہ مرد کو فئ (یعنی اپنی قسم کے حکم سے رجوع کا) حکم دے گا اگر وہ انکار کرے گا تو وہ اس کو عورت کو طلاق دینے کا حکم دے گا، اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو مرد کی طرف سے قاضی ہی عورت کو طلاق دے دے گا، یہ جمہور فقہاء شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے۔

حنفیہ نے کہا: محض چار مہینے گزر جانے سے ہی طلاق پڑ جائے گی قاضی کے پاس معاملہ لے جانے اور اس کے طلاق کا فیصلہ کرنے پر موقوف نہیں رہیگی، اور یہ بیوی کے جائز حق کو روک کر اس کو ضرر اور ایذاء پہنچانے کے سبب شوہر کو سزا کے طور پر ہے۔

اگر مدت گزرنے سے پہلے اس سے وطی کر لے تو وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ دینا لازم ہو جائے گا اور ایلاء ختم ہو جائے گا (۱)۔

دیکھئے: ''ایلاء''، فقرہ/ ۱۶-۱۹۔

دوم: ظہار:

۴۵- جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ ظہار کرنے والے کے لئے ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی اس بیوی سے وطی کرنا حرام ہے جس سے اس نے ظہار کیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ

(۱) بدائع الصنائع ۳/ ۱۷۶، مغنی المحتاج ۳/ ۳۴۸، الحاوی الکبیر ۱۳/ ۲۲۹، الخرشی ۳/ ۲۳۸، عقد الجواہر الثمینہ ۲/ ۲۲۱، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۴۳۶، بدایۃ المجتہد ۲/ ۹۹ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی ۱۱/ ۳۰ اور اس کے بعد کے صفحات۔

مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا"(۱) (جولوگ اپنی بیویں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے)۔ امام احمد سے ایک روایت میں ہے: اگر کفارہ کی ادائیگی اطعام (کھانا کھلانے) کے ذریعہ ہو تو اس سے وطی کرنا حرام نہیں ہے۔

کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کے دواعی کے حرام ہونے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، تفصیل "ظہار" فقرہ/ ۲۲-۲۳) میں ہے۔

اسی طرح اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی اس بیوی سے وطی کرلے جس سے اس نے ظہار کیا ہے تو کیا واجب ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، (دیکھئے: "کفارۃ" فقرہ/ ۶۴)۔

۴۶- اور عورت کو شوہر سے وطی کے مطالبہ کا حق ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ شوہر کو اپنی وطی سے روکے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کردے اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے گریز کرے تو عورت کو حق ہے کہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے، قاضی پر لازم ہوگا کہ اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دے اور اگر وہ انکار کرے تو قاضی تادیب کے جن وسائل کا مالک ہے ان کے ذریعہ اس کو مجبور کرے گا یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے یا طلاق دیدے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ: شوہر نے ظہار کے ذریعہ اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کرکے اس کو ضرر پہنچایا ہے، اس لئے کہ دونوں کے مابین رشتۂ نکاح کے باقی رہنے کے باوجود وطی میں اس کے حق کو روک دیا ہے، لہٰذا بیوی کو حق ہوگا کہ اپنا حق پورا کرنے اور اپنے سے ضرر کو دور کرنے کا مطالبہ کرے شوہر کفارہ دے کر حرمت زائل کر کے بیوی کا حق پورا کرسکتا ہے، لہٰذا شرعاً اس پر یہ لازم ہوگا اس لئے اگر وہ گریز پر اصرار کرے گا تو قاضی کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے پر اس کو مجبور کرے گا(۱)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ ظہار کرنے والے کے کفارہ سے عاجز ہونے اور اس پر اس کے قادر ہونے کی دونوں حالتوں میں فرق ہوگا چنانچہ انہوں نے کہا: اگر ظہار کرنے والا کفارہ سے عاجز ہو، تو اس کی بیوی کو حق ہوگا کہ قاضی سے طلاق کا مطالبہ کرے اس لئے کہ ترک وطی سے اس کو ضرر ہوگا، اور قاضی پر لازم ہوگا کہ شوہر کو طلاق کا حکم دے، اور اگر وہ اس سے گریز کرے تو قاضی شوہر کی طرف سے فی الحال طلاق دے دے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی، لہٰذا اگر شوہر عدت پوری ہونے سے پہلے کفارہ پر قادر ہوجائے تو کفارہ ادا کردے گا اور اس سے رجوع کرے گا۔

اگر ظہار کرنے والا کفارہ پر قادر ہو اور کفارہ ادا کرنے سے گریز کرے، تو بیوی کو قاضی سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا، اگر وہ طلاق کا مطالبہ کرے گی تو قاضی اس کو طلاق نہیں دے گا یہاں تک کہ چار مہینے گزر جائیں جیسا کہ ایلاء میں ہے۔ اگر چار مہینے گزر جائیں تو قاضی شوہر کو طلاق یا کفارہ ادا کرنے کا حکم دے گا۔ اگر وہ گریز کرے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا، اور یہ طلاق رجعی ہوگی(۲)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا ظہار کرے، تو اس کو وطی کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ کفارہ ادا کرنے

---

(۱) سورۃ المجادلہ/ ۳۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۳/ ۲۳۴، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۵۰۶، فتح القدیر ۳/ ۲۲۵، عقد الجواہر الثمینہ ۲/ ۲۲۹، المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۶۶۔

(۲) الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۳/ ۲۳۵، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۴۳۳۔

سے پہلے اس کے لئے وطی کرنا حرام ہے چنانچہ وہ اس سے شرعاً عاجز ہے اور مریض کے مشابہ ہے، اور اس سے کہا جائے گا: یا تو تم کفارہ ادا کرو اور فی (رجوع) کرلو، یا طلاق دیدو، اگر وہ مہلت طلب کرے تاکہ آزاد کرنے کے لئے غلام حاصل کرے، یا اگر وہ آزاد کرنے اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو کھانا خریدے اور اسے مساکین کو کھلائے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی، اس لئے کہ وہ قریبی مدت ہے۔

اگر معلوم ہو کہ ظہار کرنے والا فی الحال کفارہ ادا کرنے پر قادر ہے، اور اس کا مقصد محض ٹال مٹول کرنا ہے، تو اسے مہلت نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ اس کو مہلت تو حاجت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور یہاں کوئی حاجت نہیں ہے۔

اگر ظہار کرنے والے کے روزہ پر قادر ہونے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے اس پر روزہ فرض ہو، اور روزہ رکھنے کے لئے مہلت طلب کرے تو اسے مہلت نہیں دی جائے گی یہاں تک کہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے، اس لئے کہ وہ بہت ہے بلکہ اسے حکم دیا جائے گا کہ طلاق دیدے۔

اگر ظہار کرنے والے پر روزوں میں سے عرفاً معمولی مدت باقی رہے تو تمام اعذار کی طرح اسے اس میں مہلت دی جائے گی (۱)۔

و- بیوی کا اپنے مہر پر قبضہ کرنے تک اپنے شوہر کو وطی پر قابو نہ دینا:

۴۷- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو اس کا مہر سپرد کر دے تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اس صورت میں اس کو اپنے آپ پر قابو دیدے جب وہ اس سے اس کا مطالبہ کرے اور وہاں کوئی شرعی

(۱) کشاف القناع ۵/ ۳۶۵، المغنی ۷/ ۳۲۸ (ط الریاض)۔

رکاوٹ نہ ہو، اسی طرح وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ عورت کو اس صورت میں اپنے شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہے جب کل مہر مؤجل ہو- یا بعض مؤجل ہو- اس لئے کہ اس کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے اور اس نے اس کی معجّل مقدار پر قبضہ کرلیا ہو، اس لئے کہ اپنے حق کو موخر کرنے پر اس کا راضی ہوجانا اس پر قبضہ سے پہلے اپنے آپ کو حوالہ کر دینے پر راضی ہونا ہے، جیسے بیع میں مؤجل ثمن کا حکم ہے۔ مؤجل کرکے اس نے اپنا حق ساقط کردیا ہے۔ لہذا اس کے شوہر کا حق ساقط نہ ہوگا، اس لئے کہ شوہر کی طرف سے حق کا ساقط کرنا نہیں پایا گیا اور عورت اپنے حق کے ساقط ہونے پر راضی ہے، لیکن اگر پورا مہر مؤجل ہو تو حنفیہ نے اپنے قول میں یہ قید لگائی ہے کہ شوہر نے ادائیگی کا وقت ہونے سے پہلے عورت سے وطی کرنے کی شرط لگائی ہو اور وہ اس سے راضی ہوگئی ہو، اگر اس نے یہ شرط نہ لگائی ہو تو دو اقوال ہیں (۱)۔

۴۸- اگر پورا مہر یا بعض معجّل ہو اور شوہر نے معجّل مقدار بیوی کو نہ دی ہو تو کیا بیوی کو یہ حق ہوگا کہ وہ شوہر کو وطی پر قابو دینے سے گریز کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلے؟

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ بیوی کو حق ہے کہ وطی سے پہلے اپنے شوہر کو اپنے آپ سے روک دے یہاں تک کہ اپنے مہر معجّل پر قبضہ کرلے یا اگر بعض معجّل اور بعض مؤجل ہو تو معجّل حصہ پر قبضہ کرلے، اس لئے کہ مہر اس کے بضع کا عوض ہے جیسے ثمن مبیع کا عوض ہے، تو جیسا کہ نقد ثمن وصول کرنے کے لئے بائع کو مبیع کے روک لینے کا حق ہوتا ہے اسی طرح اپنا مہر معجّل وصول کرنے کے لئے عورت کو شوہر سے اپنے آپ کو روک لینے کا حق ہوگا نیز جس

(۱) رد المحتار ۲/ ۳۵۹، فتح القدیر ۳/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۲، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۱۶۳- ۱۶۴، عقد الجواہر الثمینہ ۲/ ۹۶، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۴، المغنی ۱۰/ ۱۷۱۔

منفعت پر عقد ہوا ہے وہ استیفاء سے تلف ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر عورت کے لئے مہر کی وصولی ناممکن ہوجائے تو اس کے عوض کا واپس لینا اس کے لئے ممکن نہیں ہوگا اسی لئے اس کو حوالگی سے گریز کا اختیار ہے تا آنکہ وہ اس پر قبضہ کرلے(۱)۔ اور ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے(۲)۔

اپنے مہر معجّل پر قبضہ کرنے تک اپنے آپ کو حوالہ کرنے سے گریز کرنے کے بارے میں بیوی کا حق ساقط ہونے میں وطی کا اثر:

۴۹- اگر عورت اپنی رضامندی سے شوہر کو اپنے آپ پر قابو دیدے اور شوہر اس سے وطی کرلے تو کیا اپنے مہر معجّل پر قبضہ کرنے تک اپنے آپ کو شوہر سے روک لینے میں اس کا حق ساقط ہوجائے گا؟ فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

اول: امام ابوحنیفہ اور حنابلہ میں سے ابن حامد کا قول ہے کہ عورت کو حق ہے کہ اپنے آپ کو اس سے روک لے، یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرے، اس لئے کہ معقود علیہ (جس پر عقد ہوا ہے) اس ملک میں پائی جانے والی تمام وطیوں سے حاصل کئے جانے والے تمام منافع بضع ہیں، نہ کہ خاص طور پر پہلی وطی سے حاصل کی جانے والی منفعت ہے لہذا ہر وطی معقود علیہ ہے، اور بعض کی حوالگی سے باقی کی حوالگی واجب نہیں ہوگی جیسا کہ بائع اگر ثمن وصول کرنے سے پہلے بعض مبیع کو حوالہ کردے تو اس کو ثمن معجّل وصول کرنے کے لئے باقی کو روکنے کا حق ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ہوگا، حنفیہ کے مذہب میں معتمد قول یہی ہے(۱)۔

دوم: امام ابوحنیفہ کے صاحبین امام ابویوسف امام محمد، شافعیہ، مالکیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے، کہ عورت کو حق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو شوہر سے روکے، اس لئے کہ حوالگی کرکے اس نے اپنے آپ کو روک لینے کا حق ساقط کردیا ہے، کیوں کہ ابتدا میں اپنے آپ کو حوالہ کردینا شوہر کے ذمہ مہر کے باقی رہنے کے بارے میں عورت کی رضامندی ہے، اور اس کے بعد گریز کرنا جو کچھ اس نے ترک کردیا تھا اس کو واپس لینا ہے، لہذا اس کو قبول نہیں کیا جائے گا جیسے کہ اگر بائع تبرع کرے، اور ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالہ کردے، تو اس کو اس کے واپس لینے اور روکنے کا حق نہیں ہوتا(۲)۔ ماوردی نے کہا: اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ رضامندی سے حوالگی ہے جس سے عوض ثابت ہوگیا ہے لہذا مبیع کی حوالگی پر قیاس کرکے اس کی وجہ سے روک لینے کا حق ساقط ہوجائے گا نیز اس لئے کہ عقد کے احکام اگر وطی سے متعلق ہوں تو پہلی وطی کے ساتھ مخصوص ہوں گے اور اس کے بعد والی وطی اس کے تابع ہوں گی، اور پہلی وطی نے اپنے حق میں روکنے کے حکم کو ختم کردیا ہے تو واجب ہوگا کہ احلال کی طرح اپنے تابع کے حق میں بھی اس کو ختم کردے(۳)۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۸، رد المحتار ۲/ ۳۵۸، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۳، روضۃ الطالبین ۷/ ۲۵۹ اور اس کے بعد کے صفحات، الحاوی ۱۲/ ۱۶۲، مبارۃ علی التحفہ ۱/ ۱۸۷، الذخیرہ ۴/ ۳۷۳، عقد الجواہر ۲/ ۹۶، الشرح الصغیر للدردیر ۲/ ۳۹۹-۴۳۴، کشاف القناع ۵/ ۱۸۱، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۴، المغنی ۱۰/ ۱۷۱، ۴۰۰۔

(۲) الإشراف علی مذاہب العلماء لابن المنذر ر ۶۲، المغنی ۱۰/ ۱۷۱۔

(۱) رد المحتار ۲/ ۳۵۸، فتح القدیر ۳/ ۲۴۹، بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۹، المغنی ۱۰/ ۱۷۱، الإشراف علی مذاہب العلماء لابن المنذر ر ۶۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۹، رد المحتار ۲/ ۳۵۸، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۱۶۲، روضۃ الطالبین ۷/ ۲۶۰، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۲- ۲۲۳، عقد الجواہر الثمینہ ۲/ ۹۶، الذخیرہ ۴/ ۳۷۳، البہجۃ شرح التحفہ ۱/ ۹۲، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۴، کشاف القناع ۵/ ۱۸۳، المغنی ۱۰/ ۱۷۱۔

(۳) الحاوی ۱۲/ ۱۶۲۔

حوالگی سے پہلے مہر مؤجل کی مدت کا پورا ہو جانا:

۵۰-اگر زوجہ کے اپنے آپ کو حوالہ کرنے سے پہلے مدت پوری ہو جائے تو کیا مہر مؤجل کو مہر معجّل کے حکم میں سمجھا جائے گا اور بیوی کو اس پر قبضہ کرنے تک شوہر کو قابو دینے سے گریز کا حق ہوگا یا موخر کرنے پر اس کی رضامندی کی وجہ سے گریز کے بارے میں اس کا حق ساقط سمجھا جائے گا، اور مدت کے پوری ہو جانے سے اس کی طرف نہیں لوٹے گا؟

اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

اول: معتمد قول میں حنفیہ، اصح قول میں شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے کہ عورت کو حق نہیں ہے کہ اپنا مہر وصول کرنے کے لئے اپنے آپ کو شوہر سے روکے اس لئے کہ مدت پوری ہونے سے پہلے نفس کی حوالگی واجب ہوگئی ہے، لہذا یہ مدت پوری ہونے سے ختم نہیں ہوگی، کیوں کہ موخر کرنے پر اس کی رضامندی کی وجہ سے روکنے کا حق ختم ہو گیا ہے اور بیع کے ثمن کی طرح ساقط ہو جانے والی چیز میں واپسی کا احتمال نہیں ہوتا ہے(۱)۔

دوم: اصح کے مقابل قول میں شافعیہ، مالکیہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ عورت کو حق ہوگا کہ اس پر قبضہ کرنے تک شوہر سے اپنے کو روکے رکھے، اس لئے کہ جب مدت پوری ہو جائے گی تو وہ عاجل کی طرح ہوگئی، اور عاجل مانع ہوگا یہاں تک کہ شوہر اپنی بیوی کو مہر دیدے، البتہ امام ابو یوسف نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کے شوہر نے بیوی پر مدت پوری ہونے سے پہلے دخول کی شرط نہ لگائی ہو، اگر اس نے شرط لگائی ہو اور بیوی اس سے راضی ہو تو اس کو گریز کا حق نہ ہوگا(۲)۔

حوالگی میں ابتدا کرنے کے بارے میں زوجین کا اختلاف:

۵۱-اگر حوالگی کی ابتدا کرنے میں زوجین میں اختلاف ہو جائے تو حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے کہ بیوی کو حق ہے کہ اپنے مہر پر قبضہ کرنے تک اپنے آپ کو روکے رہے، شوہر پر واجب ہوگا کہ پہلے مہر حوالہ کرے اس لئے کہ شوہر کا حق عقد کی وجہ سے ہی مبدل (بضع) میں متعین ہو گیا ہے، اور عورت کا حق مہر میں جو کہ بدل ہے عقد کی وجہ سے متعین نہیں ہوا ہے، وہ تو صرف قبضہ سے متعین ہوگا لہذا مطالبہ کے وقت شوہر پر حوالگی ضروری ہوگی تا کہ دونوں میں برابری کرتے ہوئے بدل میں عورت کا حق بھی متعین ہو جائے اور امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا ہے کہ مہر میں سے چوتھائی دینار پر قبضہ سے پہلے بیوی اپنے آپ پر شوہر کو قابو دے(۱)۔

حنابلہ اور ایک قول میں شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ شوہر کو پہلے حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر بیوی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شوہر کو وطی کرنے پر قابو دے، اس لئے کہ عورت کو پہلے اپنے آپ کو حوالہ کرنے پر مجبور کرنے میں بضع کو تلف کرنے اور مہر کی ادائیگی سے گریز کرنے کا خطرہ ہے، اور بضع میں رجوع کرنا ناممکن ہے(۲)۔

قول اظہر میں شافعیہ کی رائے ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ مجبور کیا جائے گا اس طرح کہ شوہر کو کسی عادل کے پاس مہر رکھنے کا حکم دیا جائے گا، اور یہ عادل نہ تو شوہر کا نائب ہوگا نہ بیوی کا، بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان جھگڑا ختم کرنے میں شریعت کا نائب ہوگا، اور بیوی کو قابو دینے کا حکم دیا جائے گا، جب وہ قابو دے دے گی تو عادل

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۹، فتح القدیر ۳/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۲، ۲۲۳، روضۃ الطالبین ۷/ ۲۵۹، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۱۶۲-۱۶۴، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۴، المغنی ۱۰/ ۱۷۱۔

(۲) الشرح الصغیر للدردیر ۲/ ۳۹۹، ۴۳۴، البہجۃ شرح التحفۃ ۱/ ۲۹۲، میارۃ علی =

= التحفہ ۱/ ۱۸۷، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۳، بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۹، فتح القدیر ۳/ ۲۴۹۔

(۱) تبیین الحقائق ۳/ ۱۸۹، بدائع الصنائع ۲/ ۲۸۹، فتح القدیر ۳/ ۲۴۹، ابن عابدین ۲/ ۲۵۸، جواہر الاکلیل ۱/ ۳۰۷۔

(۲) الحاوی ۱۲/ ۱۶۹، مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۳، شرح منتہی الارادات ۳/ ۸۴، کشاف القناع ۵/ ۱۸۲، المغنی ۱۰/ ۱۷۱، ۱۱/ ۴۰۰۔

مہر اس کے حوالہ کر دے گا، اس طرح خصومت کا فیصلہ ہوجائے گا، اس لئے کہ حاکم کی تقرری تنازع کو ختم کرنے اور حقوق کی وصولی میں زیادہ احتیاط پر عمل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، اور یہ اس کے متعلق معاملات میں سب سے زیادہ احتیاط والی اور دونوں کے درمیان تنازع کو زیادہ ختم کرنے والی چیز ہے(۱)۔

ایک تیسرے قول میں شافعیہ نے کہا: زوجین میں سے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے پر حق کا ثبوت یکساں ہے، اس وقت دونوں میں سے جو پہل کرے اور سپرد کر دے تو دوسرے کو حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا(۲)۔

ز-عقد نکاح میں وطی نہ کرنے یا اس کے حلال نہ ہونے کی شرط لگانا:

اس شرط کے لگانے کے حکم میں فقہاء نے دو حالتوں کے درمیان فرق کیا ہے: وطی کے حلال نہ ہونے کی شرط لگانا، اور وطی نہ کرنے کی شرط لگانا، اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

۵۲- اگر عقد نکاح میں وطی کے حلال نہ ہونے کی شرط لگا دے اس طرح کہ عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، تو اہل علم کے درمیان اس شرط کے باطل ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ عقد کے صحیح ہونے پر اس کے اثر انداز ہونے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس میں دو اقوال ہیں:

اول: جمہور فقہاء شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے، کہ شرط اور عقد دونوں باطل ہوں گے اس لئے کہ شرط عقد کے مقصود میں خلل انداز ہے، اور تناقض بھی ہے، کیوں کہ اس شرط کے ساتھ شادی کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا ہے، بلکہ وہ ایک ظاہری عقد کی طرح ہوجاتا ہے(۱)۔

دوم: حنفیہ کا قول ہے کہ شرط فاسد ہے اور عقد صحیح ہے، اس لئے کہ حنفیہ کے یہاں قاعدہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا، باطل صرف شرط ہوگی نہ کہ نکاح(۲)۔

۵۳- اگر عقد نکاح میں وطی نہ کرنے کی شرط لگائے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف اقوال ہیں:

اول: حنفیہ وحنابلہ کا قول ہے کہ عقد صحیح ہوجائے گا اور شرط لغو ہوجائے گی، شرط اس لئے باطل ہوگی کہ وہ عقد کے مقتضی کے منافی ہے، اور ایسے حقوق کے ساقط کرنے پر مشتمل ہے کہ اگر یہ شرط نہ لگائی جاتی تو وہ حقوق واجب ہوجاتے، اور عقد اس لئے صحیح رہتا ہے کہ یہ شرط عقد میں ایک اضافی وصف کی طرف راجع ہے، لہذا اس کو باطل نہیں کرے گی، اور حنفیہ کے یہاں قاعدہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا، باطل صرف شرط ہوگی نہ کہ نکاح(۳)۔

دوم: مالکیہ کا قول ہے کہ شرط فاسد ہے اور عقد (بھی) فاسد ہے، اس لئے کہ وہ ایسی شکل میں واقع ہو رہا ہے جو شرعاً ممنوع ہے(۴)۔

اس طرح نکاح ہوجانے کے بعد اس عقد پر مرتب ہونے والے احکام میں مالکیہ کے درمیان اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا دخول سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ایک قول ہے کہ

---

(۱) روضۃ الطالبین ۷/۲۵۹، مغنی المحتاج ۳/۲۲۳، الحاوی الکبیر ۱۲/۱۶۸-۱۶۹۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۲۲۳۔

---

(۱) تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی علیہ ۷/۳۱۲، عقد الجواہر الثمینہ ۲/۴۹، الخرشی ۳/۱۹۵، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام للحطاب ۷/۳۲۴-۳۲۸، کشاف القناع ۵/۹۷۔

(۲) الہدایۃ مع فتح القدیر والعنایۃ والکفایہ ۳/۱۵۲، ردالمحتار ۲/۲۹۵۔

(۳) ردالمحتار مع الدر المختار ۲/۲۹۵، کشاف القناع ۵/۹۸، الہدایۃ مع فتح القدیر ۳/۱۵۲، الفتاوی الخانیہ ۱/۳۳۱۔

(۴) عقد الجواہر الثمینہ ۲/۴۹، القوانین الفقہیہ/ ۲۲۳۔

دخول سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا اور دخول کے بعد ثابت ہوجائے گا اور شرط ساقط ہوجائے گی، اور مذہب میں مشہور قول یہی ہے (۱)۔

سوم: شافعیہ کا قول ہے کہ اگر عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ مثلاً اس سے وطی نہیں کرے گا، یا صرف دن میں وطی کرے گا، یا صرف ایک بار وطی کرے گا تو اگر شرط عورت کی طرف سے لگائی جائے تو نکاح باطل ہوجائے گا اس لئے کہ یہ شرط عقد کے مقصود کے منافی ہے، اور اگر مرد کی طرف سے شرط ہوتو کوئی ضرر نہیں ہوگا اس لئے کہ وطی کرنا اس کا حق ہے، تو اس کو اس کے ترک کر دینے کا حق ہے اور قابو دینا عورت پر ایک حق ہے تو عورت کو اس کے ترک کا حق نہیں ہوگا (۲)۔

ح-عزل:

۵۴-عزل سے مراد یہ ہے کہ مرد جماع کے وقت اپنی منی کو رحم سے دور رکھے اور اسے فرج کے باہر ڈال دے (۳)۔

اور جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ آقا کے لئے اپنی باندی سے عزل کرنا مطلقا جائز ہے، خواہ باندی اس کی اجازت دے یا نہ دے، اس لئے کہ اولاد کا شریف الاصل ہونا آقا کا حق ہے، باندی کا حق نہیں ہے (۴)۔

اور قرافی نے باندی سے عزل کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے، آزاد بیوی سے عزل کرنے کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان

(۱) الشرح الکبیر حاشیۃ الدسوقی علیہ ۲/ ۲۳۸، الخرشی ۳/ ۱۹۵، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام/ ۳۲۷-۳۲۸، الذخیرہ ۴/ ۴۰۵، مواہب الجلیل ۳/ ۴۴۵، ۴۴٦۔

(۲) حاشیۃ الشروانی علی التحفہ ۷/ ۳۱۲، تحفۃ المحتاج ۷/ ۳۸۷-۳۸۸، المحلی علی المنہاج حاشیۃ عمیرۃ علیہ ۳/ ۲۸۰۔

(۳) المفہم للقرطبی ۴/ ۱٦٦، المعلم للمازری ۲/ ۱۰۴۔

(۴) المغنی ۱۰/ ۲۳۰، النووی علی مسلم ۱۰/ ۹، المہذب ۲/ ٦۷، الحاوی ۱۱/ ۴۳۹، الوسیط للغزالی ۵/ ۱۸۴، اتحاف السادۃ المتقین ۵/ ۳۷۹، الذخیرہ ۴/ ۴۱۸۔

اختلاف ہے۔

اور تفصیل "عزل" فقرہ/ ۳۳-۳۵ میں ہے۔

ط-غیلہ (مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) سے وطی کرنا):

۵۵-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنا جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**لقد هممت أن أنهى عن الغيلة حتى ذكرت أن الروم وفارس يصنعون ذلك فلا يضرّ أولادهم**" (۱) (میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ سے روک دوں، یہاں تک کہ مجھ کو بتایا گیا کہ روم اور فارس والے ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو نقصان نہیں ہوتا)۔

زرقانی نے کہا: غیلہ (غین معجمہ کے کسرہ کے ساتھ اور ایک قول ہے کہ فتحہ کے ساتھ) دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنا ہے، اس کے ساتھ انزال ہو یا نہ ہو اور ایک قول ہے کہ انزال کی قید کے ساتھ ہے (۲)۔

دیکھئے: "غیلۃ" فقرہ/ ۷۔

ی-حاملہ سے وطی کرنا:

۵٦-حاملہ سے وطی کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

چنانچہ ابوجعفر طحاوی نے کہا: ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اگر بیوی حاملہ ہوتو اس سے وطی کرنا مکروہ ہے، ان کا استدلال اس حدیث

(۱) حدیث: "لقد هممت أن أنهى عن الغيلة...." کی روایت مسلم (۲/ ۱۰٦٦) نے جدامۃ بنت وہب اسدیہ سے کی ہے۔

(۲) الزرقانی علی خلیل ۴/ ۲۴۴، شرح النووی علی مسلم ۱۰/ ۱٦، شرح معانی الآثار ۳/ ۴٦، کشاف القناع ۵/ ۱۹٦۔

سے ہے جو نبی کریم علیہ السلام سے مروی ہے: "لا تقتلوا أولادكم سراً فإن الغيل يدرک الفارس، فيدعثره عن فرسه"(۱) (اپنی اولاد کو در پردہ قتل نہ کرو، اس لئے کہ غیل (مرضعہ سے وطی کرنا) سوار کو جالیتا ہے اور اس کو اس کے گھوڑے سے گرادیتا ہے)۔

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ حاملہ سے وطی کرنا حلال ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو نبی کریم علیہ السلام سے مروی ہے: "إن رجلا جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إني أعزل عن امرأتي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم تفعل ذلک؟ فقال الرجل: أشفق على ولدها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن كان لذلک فلا، ما ضار ذلک فارس ولا الروم" (۲) (ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: "میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں، رسول اللہ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ آدمی نے کہا: میں اس کے بچے پر ڈرتا ہوں" رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اگر اس کی وجہ سے ہے تو نہ کرو اس چیز نے فارس اور روم والوں کو ضرر نہیں پہنچایا)۔

طحاوی نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورتوں سے وطی کرنا مباح ہے، اور نبی کریم علیہ السلام کی طرف سے اس کی خبر ہے کہ یہ چیز جب اہل فارس واہل روم کو نقصان نہیں پہنچاتی تو دوسروں کو بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔

اسی طرح ان کا استدلال نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد سے بھی ہے: "لقد هممت أن أنهى عن الغيلة حتى ذكرت أن الروم وفارس يصنعون ذلک فلا يضر أولادهم" (۳) (میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ سے روک دوں یہاں تک کہ مجھ کو بتایا گیا کہ روم اور فارس والے ایسا کرتے ہیں، اور اس سے ان کی اولاد کو نقصان نہیں ہوتا)۔

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے اس سے منع کرنے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام تک خبر پہنچی یا آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ فارس اور روم والے ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو نقصان نہیں ہوتا۔

اس میں اس چیز کی اباحت ہے جس کی ممانعت اس حدیث نے کردی تھی جس سے حاملہ سے وطی کرنے کی کراہت کے قائلین نے استدلال کیا ہے(۱)۔

وطی کے آثار:

الف- پوری مہر کے لزوم کے مؤکد ہونے میں وطی کا اثر:

۵۷- فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زوجہ سے ایک بار وطی کر لینے سے پورا مہر ثابت ہوجاتا ہے، چنانچہ اس کی وجہ سے شوہر پر پورا مقرر کردہ مہر ثابت ہوجائے گا، اس لئے کہ اس نے مقصود حاصل کرلیا ہے، لہذا اس پر اس کا عوض ثابت ہوگیا(۲)۔

خطیب شربینی نے کہا: یہاں پر ثابت ہوجانے کا مطلب کل مہر یا آدھا مہر کے ساقط ہوجانے سے اطمینان ہوجانا ہے (۳)۔

جیسا کہ بابرتی نے العنایہ میں کہا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ دخول سے مبدل (بضع) کی حوالگی متحقق ہوجاتی ہے اور اس سے بدل

---

(۱) حدیث: "لا تقتلوا أولادكم سراً..." کی روایت ابوداؤد (۲۱۱/۴) نے اسماء بنت یزید بن السکن سے کی ہے۔
(۲) حدیث: "إن كان لذلک فلا" کی روایت مسلم (۱۰۶۷/۲) نے کی ہے۔
(۳) اس کی تخریج فقرہ ۵۴ پر گذر چکی ہے۔

(۱) شرح معانی الآثار ۴۶/۳-۴۸، فیض القدیر ۲۸۰/۵۔
(۲) الہدایہ مع فتح القدیر والکفایہ ۲۰۹/۳، مغنی المحتاج ۲۲۴/۳، الذخیرہ ۳۴۷/۴-۳۴۸، الشرح الصغیر للدردیر ۴۳۷/۲، عقد الجواہر الثمینہ ۹۶/۲-۹۷، شرح منتہی الارادات ۷۶/۳، ۸۳، کشاف القناع ۱۶۸/۵۔
(۳) مغنی المحتاج ۲۲۴/۳۔

جو کہ مہر ہے، مؤکد ہوجاتا ہے، جیسا کہ بیع کے باب میں مبیع حوالہ کرنے میں ہے کہ اس سے ثمن کے سپرد کرنے کا وجوب مؤکد ہوجاتا ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے ثمن کا وجوب مؤکد نہیں تھا، کیوں کہ اس میں اندیشہ تھا کہ بائع کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوجائے اور عقد فسخ ہوجائے، اور اس کی حوالگی سے خریدار پر ثمن کا وجوب مؤکد ہوجاتا ہے، اسی طرح مہر کے وجوب میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ شوہر کے بیٹے کا بوسہ لینے یا مرتد ہوجانے سے ساقط ہو جاتا، یا طلاق قبل الدخول سے نصف ہوجاتا، اور وطی سے پورے مہر کا لزوم مؤکد ہوگیا(۱)۔

ب-عدت کے واجب ہونے میں وطی کا اثر:

۵۸-اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ طلاق کی عدت وطی سے ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا**"(۲) (اے ایمان والو! تم جب مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہوتو تمہارے لئے ان کے بارہ میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو)۔ اس لئے کہ یہاں مسیس سے مراد وطی ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے(۳)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: "عدۃ" فقرہ/ ۶)۔

ج-ایلاء سے رجوع میں وطی کا اثر:

۵۹-فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وطی ہی وہ عمل ہے جو فی ہوگا اور اس سے ایلاء ختم ہوجائے گا۔

دیکھئے: "ایلاء" فقرہ/ ۲۰-۲۱۔

د-زنا میں احصان کے ثابت ہونے میں وطی کا اثر:

۶۰-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ (بلوغ عقل اور حریت کے ساتھ) احصان کی شرطوں میں سے نکاح صحیح میں وطی کا ہونا بھی ہے، نیز یہ کہ وہ قبل میں ایسے طور پر ہو جس سے غسل واجب ہو، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

دیکھئے: "احصان" فقرہ/ ۶-۱۱۔

ھ-وطی کے ذریعہ مطلقہ رجعیہ سے رجعت کا ثبوت:

۶۱-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجعت پر دلالت کرنے والے قول سے رجعت صحیح ہوجاتی ہے جیسے اپنی مطلقہ کو مخاطب کر کے کہے: "میں نے تم سے رجوع کرلیا" یا اگر اسے خطاب نہ کیا جا رہا ہو تو کہے: "میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا"، اسی طرح اس معنی کو ادا کرنے والے ہر لفظ سے صحیح ہوجاتی ہے۔

البتہ وطی کے ذریعہ رجعت جمہور فقہاء حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک صحیح ہوجاتی ہے اسی طرح شوہر کے رجوع کی نیت کی شرط کے ساتھ مالکیہ کے نزدیک بھی صحیح ہوجاتی ہے، اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے۔

تفصیل "رجعۃ" فقرہ/ ۱۲-۱۸) میں ہے۔

ز-طلاق کی مشروعیت پر وطی کا اثر:

۶۲-فقہاء نے طلاق کے شرعی وصف کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں کی ہیں: سنی، بدعی۔

---

(۱) العنایۃ علی الہدایہ ۳/ ۲۰۹، رد المحتار ۲/ ۳۳۰۔

(۲) الاحزاب/ ۴۹۔

(۳) احکام القرآن لابن العربی ۱/ ۲۱۸۔

طلاق سنت: وہ طلاق ہے جو اس طریقہ کے مطابق واقع ہو جس کو شریعت نے اس کے واقع کرنے کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے۔

طلاق بدعت: وہ طلاق ہے جو اس طریقہ پر واقع ہو جس کے مطابق اس کے واقع کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے(۱)۔

ابن القیم نے کہا: طلاق کی چار صورتیں ہیں: دو صورتیں حلال ہیں اور دو صورتیں حرام ہیں، دو حلال صورتیں یہ ہیں: اپنی بیوی کو جماع کے بغیر طہارت کی حالت میں طلاق دے، یا ایسے حمل کی حالت میں طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو، اور دو حرام صورتیں یہ ہیں: اس کو حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس سے جماع کیا ہو، اور یہ تفصیل مدخول بہا کی طلاق میں ہے، لیکن جس سے دخول نہ کیا ہو تو اس کو حائضہ اور پاک ہونے کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے(۲)۔

اس بنیاد پر طلاق سنت وہ ہوگی: جو ایسے طہر میں واقع ہو جس میں مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو، اگر اس میں اس نے جماع کیا ہو تو حمل واضح ہونے سے پہلے اس کے لئے اس میں طلاق دینا جائز نہیں ہوگا، اور اگر دے گا تو وہ تمام اہل علم کے نزدیک ایسی طلاق بدعی کا دینے والا ہوگا جس کے دینے والے کو گناہ ہوتا ہے(۳)۔

طلاق بدعت کے واقع ہونے کے بارے میں جو ایسے طہر میں واقع ہوئی ہو جس میں اس نے بیوی سے جماع کیا ہو، فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

اول: جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی، اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا(۱)۔

اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے: "**إنه طلق امرأته وهي حائض فأمره النبيﷺ أن يراجعها**"(۲) (انہوں نے اپنی بیوی کو ان کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق دی، تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا)۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں: "**فقلت يا رسول الله، أرأيت لو أني طلقتها ثلاثا أكان يحل لي أن أراجعها؟ قال: لا، كانت تبين منك، وتكون معصية**"(۳) (تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے اگر میں نے اس کو تین طلاق دی ہوتی، تو کیا میرے لئے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں" وہ تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ ہوتا)۔ ایک روایت میں ہے: "**قال سالم: وكان عبد الله طلقها تطليقة فحسبت من طلاقه، وراجعها عبد الله كما أمره رسول الله ﷺ**"(۴) (سالم نے کہا: حضرت عبداللہ نے اس کو ایک طلاق دی تھی تو اس کو ان کی طلاق میں شمار کیا گیا، اور حضرت عبداللہ نے بیوی سے رجوع کر لیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا)۔

یونس بن جبیر کی روایت میں ہے انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے کہا: "**تحتسب؟ قال: أرأيت إن عجز**

---

(۱) فتح القدیر لابن الہمام ۳/ ۳۲۸-۳۲۹، الکافی لابن عبد البر ۲/ ۲۶۲، المعونۃ للقاضی عبدالوہاب ۲/ ۸۳۳، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۳۶۱۔

(۲) زاد المعاد ۵/ ۲۱۹۔

(۳) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۳/ ۶۶، ۷-۷۰، فتح القدیر ۳/ ۳۲۹، الکافی ۲/ ۲۶۲، المعونۃ ۲/ ۸۳۳ اور اس کے بعد کے صفحات، زاد المعاد ۵/ ۲۲۱۔

(۱) فتح القدیر ۲/ ۳۲۹، المعونۃ ۲/ ۸۳۷، الکافی ۲/ ۲۶۲، نیل الاوطار ۶/ ۲۲۴، شرح منتہی الارادات ۳/ ۱۲۳، المغنی لابن قدامہ ۱۰/ ۳۲۷، مغنی المحتاج ۳/ ۳۰۷-۳۰۸۔

(۲) حدیث ابن عمر: "أنه طلق امرأته وهي حائض..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۳۴۵) اور مسلم (۲/ ۱۰۹۳) نے کی ہے۔

(۳) روایۃ ابن عمر: "قلت يا رسول الله! رأيت لو أني طلقتها ثلاثاً..." کی روایت دارقطنی (۴/ ۶۳ ط دار المحاسن) نے کی ہے۔

(۴) نافع کے قول: "وكان عبد الله طلقها تطليقة...." کی روایت مسلم (۲/ ۱۰۹۵) نے کی ہے۔

و استحمق!"(۱) (کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا: فرمایا: اگر وہ عاجز رہے اور حماقت دکھائے تو تمہارا کیا خیال ہے) یہ سب صحیح احادیث ہیں، نیز یہ محل طلاق میں مکلّف کی طرف سے طلاق ہے لہذا یہ حاملہ کی طلاق کی طرح واقع ہوجائے گی، نیز وہ نیکی نہیں ہے کہ اس کے واقع ہونے کے لئے سنت کی موافقت کا اعتبار کیا جائے، بلکہ وہ عصمت کا ازالہ اور ملکیت کا ختم کرنا ہے لہذا بدعت کے زمانہ میں بدرجہ اولی واقع ہوگی تا کہ اس پر سختی ہو اور اس کو سزا ہو، شوہر کے علاوہ کوئی طلاق کا مالک نہیں ہوتا ہے اور شوہر اس کے محل کے مالک ہونے کی وجہ سے اس کا مالک ہوتا ہے۔

دوم: بعض فقہاء کی رائے جن میں ابن تیمیہ، ابن قیم الجوزیہ مالکیہ میں سے ابن علیہ، ابن حزم اور شوکانی ہیں اور یہی حضرت ابن عمر، طاؤس، ہشام بن الحکم اور خلاس بن عمرو سے بھی یہی منقول ہے کہ طلاق حرام واقع نہ ہوگی اس لئے کہ اس صفت کے ساتھ اس سے نبی کریم علیہ نے منع فرمایا ہے اور وہ آپ علیہ کے حکم کے مخالف ہے، لہذا وہ قابل رد اور باطل ہے۔

نیز اس لئے کہ اللہ تعالی نے عدت سے پہلے زمانہ میں اس کا حکم دیا ہے، تو اگر وہ اس کے علاوہ زمانہ میں طلاق دے گا تو واقع نہیں ہوگی جیسے وکیل اگر ایسے زمانہ میں طلاق دے جس کے علاوہ میں مؤکل نے اس کو طلاق دینے کا حکم دیا ہو(۲)۔

(۱) روایۃ یونس بن جبیر: "تحتسب....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۳۵۱) اور مسلم (۲/ ۱۰۹۶) نے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۳/ ۵، ۶۶، ۷۰، ۷۲، الاختیارات الفقہیہ من فتاوی ابن تیمیہ/ ۲۵۶، المحلی ۱۰/ ۶۱-۶۳ اور اس کے بعد کے صفحات، زاد المعاد ۵/ ۲۱۸، ۲۲۳، نیل الاوطار ۶/ ۲۲۴-۲۲۶، المغنی ۱۰/ ۳۲۷۔

ح- حد زنا کو واجب کرنے میں وطی کا اثر:

۶۳- (بقول تمرتاشی) حد زنا کو واجب کرنے والی وطی دار الاسلام میں کسی مکلّف ناطق با اختیار مرد کے عضو تناسل میں سے بقدر حشفہ قابل شہوت عورت کے ایسے قبل میں داخل کرنا ہے جو وطی کرنے والے کی ملک کے شبہ سے خالی ہو(۱)۔

تفصیل "زنی" فقرہ/ ۱-۷، ۱۱-۲۸ میں ہے۔

ط- غسل کو واجب کرنے میں وطی کا اثر:

۶۴- فقہاء کا مذہب ہے کہ مرد و عورت پر غسل کو واجب کرنے والی ایک چیز ختانین (دونوں کے موضع ختان) کا ملنا بھی ہے اور یہ اس طور پر کہ پورا حشفہ (سپاری) فرج میں داخل ہوجائے(۲)۔

اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ نے فرمایا: "**إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل**"(۳) (جب دونوں محل ختان مل جائیں تو غسل واجب ہوجائے گا) نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ نے فرمایا: "**إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل**"(۴) (جب مرد اس کے چاروں گوشوں کے درمیان بیٹھے پھر اس سے کوشش

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۰۴ ط الحلبی۔

(۲) رد المحتار ۱/ ۱۰۹، ۲۱۱، تبیین الحقائق ۱/ ۱۶-۱۷، المجموع للنووی ۲/ ۱۳۰-۱۳۲، شرح النووی علی مسلم ۴/ ۳۶-۴۱، القوانین الفقہیہ/ ۳۲، المفہم للقرطبی ۲/ ۶۰۰، التفریع لابن الجلاب ۱/ ۱۹۷، عقد الجواہر الثمینہ ۱/ ۶۴، شرح منتہی الارادات ۱/ ۷۵-۷۶، المغنی ۱/ ۲۰۴، الحاوی الکبیر ۱۳/ ۲۱۴۔

(۳) حدیث عائشہ: "إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل" کی روایت شافعی نے الام (۱/ ۳۹ط المعرفہ) میں کی ہے، اور اس کی اصل صحیح مسلم (۱/ ۲۷۲) میں ہے۔

(۴) حدیث ابی ہریرہ: "إذا جلس بين شعبها الأربع" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/ ۳۹۵) اور مسلم (۱/ ۲۷۱) نے کی ہے۔

کرے تو غسل واجب ہوجائے گا) ایک روایت میں اضافہ ہے: "وإن لم ینزل" اگرچہ انزال نہ ہو۔

دیکھئے: "غسل" فقرہ/ ۹-۱۰، "اکسال" فقرہ/ ۴)۔

ی- مطلقہ ثلاثہ کو اس کے شوہر کے لئے حلال کرنے میں وطی کا اثر:

۶۵- اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس عورت کو دخول کے بعد تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ طلاق دینے والے کے لئے حلال نہیں ہوگی تا آنکہ وہ اس کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ" (۱) (پھر اگر کوئی عورت کو طلاق دے ہی دے تو وہ عورت اس کے لئے اس کے بعد جائز نہ رہے گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے)۔

اور جمہور اہل علم کا مذہب اس آیت کریمہ کی وجہ سے یہ ہے کہ وہ پہلے کے لئے حلال نہ ہوگی تا آنکہ دوسرا شوہر اس سے ایسی وطی کرے جس میں التقاء ختانین پایا جائے اگرچہ اس کو انزال نہ ہو (۲)۔

سعید بن المسیب کی رائے ہے کہ اگر مرد اس عورت سے صحیح نکاح کرے اس نکاح سے سابق شوہر کے لئے عورت کو حلال کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا کہ پہلا اس سے شادی کرے۔

تفصیل "تحلیل" فقرہ/ ۶-۹، "عسیلة" فقرہ/ ۲ میں ہے

(۱) سورۃ البقرہ/ ۲۳۰۔

(۲) ردالمحتار ۲/ ۵۳۷، الحاوی الکبیر ۱۳/ ۲۱۴-۲۱۵، بدایۃ المجتہد ۲/ ۸۷، عقد الجواہر الثمینہ ۲/ ۴۸-۴۹، القوانین الفقہیہ/ ۲۱۵، شرح منتہی الارادات ۳/ ۱۸۷، المغنی ۱۰/ ۵۴۸-۵۴۹۔

ک- مصاہرت کے ذریعہ تحریم میں وطی کا اثر:

۶۶- فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مصاہرت کے سبب مرد پر ہمیشہ کے لئے بیوی کی ماں حرام ہوجاتی ہے اور یہ حرمت صرف بیٹی سے عقد کر لینے کی بنیاد پر ہوتی ہے خواہ بیوی سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو اور بیوی کی ماں اگرچہ اوپر کی ہو، نسبی ہو یا رضاعی ہو، یہی حکم بیٹوں کی بیویوں کا ہے (اور اس میں اس کا صلبی، بیٹا، رضاعی بیٹا، پوتا اور نواسا سب داخل ہیں) اور آباء کی بیویوں کا ہے (اور اس میں دادا نانا کی بیویاں داخل ہیں اگرچہ اوپر کے ہوں) خواہ عقد کے ساتھ وطی ہو یا نہ ہو۔

البتہ ربائب کی حرمت میں یہ ربیبہ کی جمع ہے اور یہ آدمی کی بیوی کی نسبی یا رضاعی بیٹی ہے جو دوسرے مرد سے ہو، اس کا یہ نام اس لئے پڑا کیونکہ وہ عام طور سے اس کی پرورش اپنی گود میں کرتا ہے ان کی حرمت میں دو امور کی قید ہے: ماں سے عقد نکاح کرنا اور اس سے دخول کرنا لہذا اگر عقد کے بعد دخول نہ پایا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی (۱)۔

تفصیل "ربیبہ" فقرہ/ ۲، "محرمات النکاح" فقرہ/ ۹ میں ہے۔

ل- کفارات کے واجب کرنے میں وطی کا اثر:

ا- حائضہ سے وطی کرنا:

۶۷- جو اپنی حائضہ بیوی سے وطی کرے اس پر کفارہ کے واجب کرنے کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف اقوال ہیں:

اول: حنفیہ اور صحیح مذہب میں شافعیہ کا قول ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا، لیکن اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اگر جماع شروع حیض

(۱) احکام القرآن لابن العربی ۱/ ۳۶۷ اور اس کے بعد کے صفحات، احکام القرآن للکیا الہراسی ۲/ ۲۳۳-۲۳۷-۲۴۷، الحاوی الکبیر ۱۱/ ۲۸۲-۲۸۸، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۵۱۵-۵۱۹۔

میں ہوا ہوتو ایک دینار اور اگر آخر حیض میں ہوا ہوتو نصف دینار صدقہ کردے، حنفیہ نے مزید کہا: یا وسط میں ہوا ہو (تب بھی نصف دینار صدقہ کردے) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا كان دما أحمر فدينار وإذا كان دما أصفر فنصف دينار"(۱) (اگر سرخ خون ہوتو ایک دینار اور اگر زرد خون ہوتو نصف دینار)۔

دوم: حنابلہ کا اور شافعیہ کا ایک قول ہے کہ حائضہ سے وطی کرنے والے پر کفارہ واجب ہوگا اور وہ ایک دینار یا نصف دینار ہوگا اس میں اس کو اختیار ہوگا جس کو بھی نکال دے کافی ہوجائے گا اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی حائضہ بیوی سے وطی کی تھی: "يتصدق بدينار أو بنصف دينار"(۲) (وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے)۔

سوم: مالکیہ، ثوری، لیث اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ توبہ استغفار اور دوبارہ نہ کرنے کے علاوہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور یہی شعبی، نخعی، مکحول، زہری، ربیعہ اور یحیی بن سعید وغیرہ کا بھی قول ہے۔

چہارم: حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب کا قول ہے کہ اس پر رمضان میں وطی کرنے کا کفارہ ہوگا یعنی غلام آزاد کرنا، اور اگر وہ نہ ملے تو دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (۳)۔

(۱) حدیث: "إذا كان دماً أحمر فدينار ..." کی روایت ترمذی (۱/ ۲۴۵) نے کی ہے اور نووی نے المجموع (۲/ ۳۶۰) میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) حدیث: "يتصدق بدينار أو بنصف دينار ...." کی روایت ابوداؤد (۱/ ۱۸۱-۱۸۲) اور حاکم (۱/ ۱۷۲) نے کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۳) رسائل ابن عابدین ۱/ ۱۱۴، المجموع ۲/ ۳۵۹-۳۶۰، مغنی المحتاج ۱/ ۱۱۰،

۲ - رمضان کے روزے میں وطی کرنا:

۶۸ - جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے اس کی فرج میں رمضان کے دن میں عمداً جماع کرے خواہ اس کو انزال ہو یا نہ ہو اس پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوں گے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: إن الآخر وقع على امرأته في رمضان، فقال: أتجد ما تحرر رقبةً؟ قال: لا، قال: فتستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا، قال: أفتجد ما تطعم به ستين مسكيناً؟ قال: لا، قال: فأتي النبي ﷺ بعرق فيه تمر، وهو الزبيل، قال: أطعم هذا عنك، قال: على أحوج منا؟ ما بين لابتيها أهل بيت أحوج منا، قال: فأطعمه أهلك"(۱) (ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: ایک شخص نے اپنی بیوی سے رمضان میں جماع کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس آزاد کرنے کے لئے کوئی غلام موجود ہے اس نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تم دو مہینے مسلسل روزہ رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اتنا موجود ہے جس سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکو؟ اس نے کہا نہیں، راوی نے کہا: تو نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ٹوکری لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی طرف سے کھلا دو اس نے کہا: کیا اپنے سے زیادہ حاجت مند کو؟ اس (مدینہ) کے دونوں حروں کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ

= القوانین الفقہیہ ر ۴۵، المغنی لابن قدامہ ۱/ ۳۳۵، الانصاف ۱/ ۳۵۱، المحلی لابن حزم ۲/ ۱۸۷۔

(۱) حدیث ابی ہریرۃ: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: إن الآخر وقع على امرأته في رمضان...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۱۷۳) اور مسلم (۲/ ۷۸۱-۷۸۲) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

حاجت مند نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو) شعبی نخعی اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا اس لئے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی قضاء کو فاسد کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا لہذا اس کی ادا میں بھی واجب نہیں ہوگا جیسے نماز ہے۔

ان کے استدلال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں ادا کو قضاء پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ ادا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص اور متعین ہوتی ہے اور قضاء کا محل ذمہ ہوتا ہے اور ہمارے اس مسئلہ کے برخلاف نماز میں کمی کی تلافی میں مال داخل نہیں ہوتا، ابن قدامہ نے کہا: اگر اپنے روزہ کو بھول کر عورت سے جماع کر لے تو جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور حنابلہ نے کہا: اس پر کفارہ واجب ہوگا(۱)۔

دیکھئے: "صوم" فقرہ/ ۶۸، "کفارة" فقرہ/ ۲۰ اور اس کے بعد کے فقرات۔

۳- حج کے احرام میں وطی:

۶۹- اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ حج کا احرام باندھنے والا اگر وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور قضاء کے حج میں اس پر ہدی کا ذبح کرنا واجب ہوگا حنفیہ کے یہاں ایک بکری، اور شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں بدنہ (ایک بڑا جانور) ہوگا۔

اگر وہ وقوف کے بعد اور تحلل اول (قربانی وحلق) سے پہلے اس سے جماع کرے گا اس پر بدنہ (ایک بڑا جانور) ہوگا اس پر فقہاء کا

(۱) تبیین الحقائق ۱/ ۳۲۲-۳۲۷، الحاوی للماوردی ۳/ ۲۷۶-۲۸۴، بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۰۱-۳۰۳، المغنی ۳/ ۳۷۲-۳۷۴۔

اتفاق ہے اگر پہلے تحلل کے بعد اس سے جماع کرے گا تو واجب ہونے والے جزاء کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے: چنانچہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ اس پر ایک بکری واجب ہوگی امام مالک نے کہا: اس پر بدنہ واجب ہوگا(۱)۔

دیکھئے: "احرام" فقرہ/ ۱۷۰-۱۷۵۔

م- روزہ اور حج کو باطل کرنے میں وطی کا اثر:

۱- روزہ کو باطل کرنے میں اس کا اثر:

۷۰- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے رمضان کے دن میں عمداً جماع کرے اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ اسے انزال ہو یا نہ ہوا ابن قدامہ نے کہا: اس بارے میں ہمارے علم کے مطابق اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص فرج میں جماع کرے تو اسے انزال ہو یا نہ ہو، یا فرج کے علاوہ میں کرے اور انزال ہو جائے۔ تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا یہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے(۲)۔

اگر بھولے سے عورت سے جماع کر لے تو جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ ایک روایت میں امام احمد، ثوری، حسن اور مجاہد وغیرہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ ایسا وصف ہے جس کو روزہ نے حرام کر دیا ہے، لہذا اگر یہ اس سے حالت اکراہ یا نسیان میں پایا جائے گا تو اس کو فاسد نہیں کرے گا جیسا کہ کھانے کا حکم ہے۔

مالکیہ، حنابلہ اور عطاء نے کہا: عمداً کرنے والے کی طرح اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اس لئے کہ روزہ وطی کو حرام کر دینے والی

(۱) العینی علی الکنز ۱/ ۱۰۲-۱۰۳، المجموع ۷/ ۳۸۱-۳۹۳، نہایۃ المحتاج ۲/ ۴۵۶، مطالب اولی النہی ۲/ ۳۵۰، المغنی ۵/ ۱۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات، المنتقی للباجی ۳/ ۳، ۹، ۱۰۔

(۲) المغنی ۴/ ۳۷۲۔

عبادت ہے لہذا حج کی طرح اس میں عمد اور سہو برابر ہوگا، نیز روزہ کو فاسد کرنا جماع سے متعلق ایک ایسا حکم ہے جس کو شبہ ساقط نہیں کرتا ہے لہذا اس کے تمام احکام ہی کی طرح عمد اور سہو برابر ہوں گے (۱)۔

۲-حج کو باطل کرنے میں اس کا اثر:

۷۱-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حج کے احرام کی حالت میں اگر جماع وقوف عرفہ سے پہلے واقع ہو تو وہ حج کو فاسد کردے گا اور وطی کرنے والے پر اپنے فاسد حج کو اس کے آخر تک جاری رکھنا پھر مستقبل میں اس کی قضاء کرنا واجب ہوگا اسی طرح ان کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر وہ وقوف عرفہ کے بعد اور پہلے تحلل کے بعد واقع ہو۔

لیکن اگر محرم وقوف عرفہ کے بعد پہلے تحلل سے پہلے جماع کر لے تو جمہور فقہاء شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا حج فاسد ہوجائے گا اور حنفیہ نے کہا: فاسد نہیں ہوگا (۲)۔

تفصیل ''احرام'' فقرہ/ ۱۷۰-۱۷۵ میں ہے۔

دوم: قدموں سے روندنا اور اس پر مرتب ہونے والے احکام:

الف-انسان کا مصحف کو روندنا:

۷۲-اس کے بارے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان اگر اہانت اور استخفاف کے قصد سے مصحف کو روندے گا تو اس کی وجہ سے مرتد ہوجائے گا۔

اگر وہ حالت اکراہ یا حالت اضطرار میں ایسا کرے گا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی (۱)۔

دیکھئے اصطلاح ''ردۃ'' فقرہ/ ۲۰۔

ب-قبر کو روندنا:

۷۳-میت کے اکرام کے طور پر قبر شرعاً محترم ہے لہذا جمہور فقہاء، حنفیہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے قول میں اس کو روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے اس لئے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ''قال رسول الله ﷺ: **لأن أمشي علی جمرة أو سيف أو أخصف نعلي برجلي، أحب إلي من أن أمشي علی قبر مسلم**'' (۲) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا کسی انگارہ یا تلوار پر چلنا یا میرا اپنے جوتے میں اپنے پیر کا چمڑا سینا، مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کے قبر پر چلوں)، نیز حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''**لأن أطأ علی جمرة أحب إليّ من أن أطأ علی قبر مسلم**'' (۳) (میں کسی انگارہ کو روندوں یہ مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر روندوں) اور ان حضرات کے نزدیک اس بارے میں کچھ تفصیل ہے:

چنانچہ شافعیہ وحنابلہ کا مذہب ہے کہ روندنا مکروہ ہے (اگر چہ بغیر

---

(۱) تبیین الحقائق ۱/ ۳۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات، الحاوی الکبیر ۳/ ۲۷۶، بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۰۱-۳۰۳، المغنی ۴/ ۳۷۲-۳۷۴۔

(۲) العینی علی الکنز/ ۱۰۳، نہایۃ المحتاج، حاشیۃ الشبراملسی علیہ ۲/ ۴۵۶، المغنی ۵/ ۱۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۶۸۔

(۱) رد المحتار ۱/ ۱۱۹، ۳/ ۵۶، حاشیۃ القلیوبی ۴/ ۱۷۶، الشرح الصغیر للدردیر ۴/ ۴۳۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۰۱، کشاف القناع ۶/ ۱۶۸، شرح منتہی الارادات ۳/ ۳۸۶، شرح النووی علی مسلم ۷/ ۳۷، مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ۴/ ۳۴۲۔

(۲) حدیث عقبہ بن عامر: ''لأن أمشي علی جمرة...'' کی روایت ابن ماجہ (۱/ ۴۹۹) نے کی ہے اور منذری نے ''الترغیب والترہیب (۴/ ۳۸۰ ط ابن کثیر) میں اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔

(۳) اثر ابن مسعود: ''لأن أطأ علی جمرة أحب إلي ....'' کی روایت طبرانی نے الکبیر (۹/ ۲۲۲ ط العراق) میں کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳/ ۶۱) میں کہا: اس میں عطاء، ابن السائب ہیں اور ان کے متعلق کلام ہے۔

جوتے کے ہو) الا یہ کہ اس کی کوئی حاجت ہو بایں طور کہ اس کو روندے بغیر اپنے میت کی قبر تک نہ پہنچ سکے(۱)۔

البتہ قبروں کے درمیان چلنا، شافعیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے خواہ جوتے کے ساتھ اور بغیر حاجت کے ہو(۲) اور حنابلہ کے یہاں اگر جوتے کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے الا یہ کہ نجاست یا کانٹا وغیرہ کا خوف ہو اور خف کے ساتھ مکروہ نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ نہ تو جوتا ہے نہ اس کے معنی میں ہے اور اس کو اتارنا دشوار ہوتا ہے(۳)۔

حنفیہ کا مذہب ہے کہ بلاضرورت بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے انہوں نے کہا: دور سے اس کی زیارت کی جائے گی، اور لوگ اپنے اقارب کے اردگرد دفن کرنے کے لئے جو ان قبروں کو روندتے ہیں تاکہ اپنے عزیز کی قبر تک پہنچیں تو یہ مکروہ ہے۔

بعض نے کہا: قبروں پر اس حال میں پیر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ تلاوت کر رہا ہو یا تسبیح پڑھ رہا ہو یا ان کے لئے دعا کر رہا ہو(۴)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ تین قیدوں کے ساتھ قبر روندنا مکروہ ہے: وہ کوہان نما ہو، اس کے علاوہ راستہ ہو اور اس کی ہڈیوں میں سے کچھ کے موجود ہونے کا گمان ہو ورنہ جائز ہوگا اس طور پر کہ وہ مسطح ہو یا کوہان نما ہو اور راستہ میں ہو یا ان کے فنا ہو جانے اور قبر میں اس کی کسی چیز کے باقی نہ رہنے کا گمان ہو اگرچہ نجس جوتوں کے ساتھ روندا جائے(۵)۔

(۱) روضۃ الطالبین ۲/۱۳۹، حاشیۃ القلیوبی ۱/۳۴۲، کشاف القناع ۲/۱۶۲-۱۶۴، شرح منتہی الارادات ۱/۳۵۲۔
(۲) قلیوبی وعمیرہ ۱/۳۴۲، روضۃ الطالبین ۲/۱۳۶۔
(۳) شرح منتہی الارادات ۱/۳۵۲، کشاف القناع ۲/۱۶۴۔
(۴) رد المحتار ۱/۶۰۶، الفتاوی الہندیہ ۱/۱۶۶۔
(۵) حاشیۃ الدسوقی ۱/۴۲۸، عقد الجواہر الثمینہ ۱/۲۷۲، الخرشی وحاشیۃ العدوی علیہ ۲/۱۴۴۔

ج- چوپایہ کا اپنے پیر سے روندنا:

۴۷- اس پر فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ جس کو چوپایہ اپنے چلنے کے دوران اپنے اگلے پیر یا سر سے روند ڈالے یا اپنے پچھلے پیر سے روند ڈالے تو اس کا ضمان اس کے ساتھ موجود سوار یا قائد (کھینچنے والے) یا ہنکانے والے پر ہوگا بشرطیکہ تعدی یا کوتاہی کی وجہ اس عمل کی نسبت اس کی طرف کرنا ممکن ہو، اور اگر اس کی نسبت اس کی طرف کرنا ممکن نہ ہو اس طور پر کہ اس کی طرف سے تعدی واقع نہ ہو اور نہ اس سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس پر ضمان نہیں ہوگا اس لئے کہ جس سے احتراز ممکن نہ ہو اس میں ضمان نہیں ہوتا ہے(۱)، نیز اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "العجماء جرحها جبار"(۲) (بے زبان (جانور) کا مجروح کرنا جبار ہے) اور جبار ہدر کو کہتے ہیں جس میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے(۳)، نووی نے کہا: بے زبان کے مجروح کرنے سے مراد اس کا تلف کرنا ہے خواہ زخم لگا کر ہو یا اس کے علاوہ سے(۴)۔

اور قاضی عیاض نے کہا: مجروح کرنے سے تعبیر اس لئے کی گئی کہ یہی اکثر ہوتا ہے یا وہ ایک مثال ہے جس کے ذریعہ بقیہ پر متنبہ کر دیا گیا(۵)۔

تبصرۃ الحکام میں ہے: ابن ابی زید نے کہا: ہنکانے والا، کھینچے

(۱) تبیین الحقائق ۶/۱۴۹، المبسوط ۲۶/۱۸۸، روضۃ الطالبین ۱۰/۱۹۷، مغنی المحتاج ۴/۲۰۴، حاشیۃ الدسوقی ۴/۲۵۸، المدونۃ الکبری ۶/۶۴۵، تبصرۃ الحکام ۲/۳۵۱، التمہید لابن عبد البر ۷/۲۲، المنتقی للباجی ۷/۱۰۹، کشاف القناع ۴/۱۳۹، شرح منتہی الارادات ۲/۴۲۹۔
(۲) حدیث: "العجماء جرحها جبار...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۲/۲۵۴) اور مسلم (۳/۱۳۳۴) نے کی ہے۔
(۳) الموطا ۲/۸۶۹، التمہید لابن عبد البر ۷/۱۹-۲۲۔
(۴) شرح النووی علی مسلم ۱۱/۲۲۵۔
(۵) الزرقانی علی الموطا ۴/۲۶۔

والا، اور سوار اس چیز کا ضامن ہوگا جس کو جانور پیر سے روند ڈالے اور جو کچھ جانور کی طرف سے ان کے عمل کے بغیر ہو یا جانور کسی دوسرے چیز کے لئے کھڑا ہو تو ہدر (معاف) ہوگا تو مصنف کا قول ''ضامنون'' کا مطلب ہے ان میں سے ہر ایک جس میں تعدی کرے اس کا ضامن ہوگا۔

جزولی نے کہا: عبدالحق نے کہا: الرسالۃ میں ان کا قول جو کچھ جانور کی طرف سے ان کے عمل کے بغیر ہو سے ان کی مراد ہیکہ جو کچھ ان کی کوتاہی کے بغیر ہو یا غلبہ سے ہو تو اس میں ان پر کچھ نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ کوتاہی اور لاپرواہی کے قبیل سے نہیں ہے یہ تو صرف جانور کی طرف سے ہے(۱)۔

امام شافعی نے ''الام'' میں کہا: چوپایہ کو کھینچنے والے، ہانکنے والے اور اس پر سوار اس چیز کا ضامن ہوگا جو چوپایہ اپنے اگلے پیر، منھ، پچھلے پیر یا دم سے ضائع کر دے، اور صرف یہی جائز ہوگا اور کسی چیز کا ضمان نہیں دے گا الا یہ کہ وہ جانور کو کسی چیز کے روندنے پر ابھار دے تو وہ ضامن ہوگا اس لئے کہ اس کا روندنا اس کے فعل سے ہے تو اس وقت وہ اس کے آلات میں سے ایک آلہ ہو جائے گا جس سے اس نے زیادتی کی ہے(۲)۔

نووی نے کہا: امام نے کہا: جو سرکش چوپایہ لگام کھینچنے کی جگہوں میں لگام کھینچنے اور چھوڑنے سے قابو میں نہیں آتا ہے اس پر بازاروں میں سواری نہیں کی جائے گی اور جو اس پر سواری کرے گا وہ کوتاہی کرنے والا ہوگا اور جس کو وہ تلف کرے گا اس کا ضامن ہوگا (۳)۔

دیکھئے: ''ضمان'' فقرہ/ ۱۰۲-۱۰۸، ''حیوان'' فقرہ/ ۹)۔

(۱) تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۲/ ۳۵۱-۳۵۲۔
(۲) الام ۷/ ۱۳۸۔
(۳) روضۃ الطالبین ۱۰/ ۱۹۸۔

وطن

تعریف:

۱- وطن واؤ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ لغت میں: ٹھہرنے کی منزل یا انسان کا گھر اور اس کا ٹھکانا، بکری، گائے اور اونٹ باندھنے کی جگہ کو بھی وطن کہا جاتا ہے اور یہ مفرد ہے اس کی جمع اوطان ہے اور وطن کے مثل موطن بھی ہے اور اس کی جمع مواطن ہے اور اوطن: اقامت اختیار کرنا، وأوطنه ووطنه واستوطنه اس کو وطن بنانا اور مواطن مکہ: یعنی اس میں وقوف کے مقامات (۱)۔

اور اصطلاح میں وطن: انسان کی اقامت کی منزل اور اس کا ٹھکانا ہے وہاں اس کی ولادت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

محلّہ:

۲- لغت میں محلّہ: قوم کی منزل جمع محال ہے(۳)۔

اور اصطلاح میں: یہ انسان کی قوم کی منزل ہے اگرچہ ان کے گھر متفرق ہوں اس طور پر کہ حی (خاندان) اور دار (محلّہ) کا نام ایک ہو(۴)۔

(۱) القاموس المحیط، المصباح المنیر، لسان العرب۔
(۲) قواعد الفقہ للبرکتی، التعریفات للجرجانی۔
(۳) المصباح المنیر، القاموس المحیط، المعجم الوسیط۔
(۴) شرح الزرقانی ۲/ ۳۹۔

محلّہ اور وطن کے درمیان نسبت یہ ہے کہ وطن محلّہ سے زیادہ عام ہے۔

وطن کے انواع:

وطن کے ساتھ شرعی احکام کے متعلق ہونے کے اعتبار سے فقہاء اس کی تین قسمیں کرتے ہیں: وطن اصلی، وطن اقامت اور وطن سکنی، تفصیل درج ذیل ہے:

الف-وطن اصلی:

۳-حنفیہ نے کہا: وہ انسان کی ولادت ہونے یا اس کے شادی کرنے، یا وطن بنا لینے کی جگہ ہے، ابن عابدین نے کہا: وطن اصلی کو وطن اہلی، وطن فطری اور وطن قرار بھی کہتے ہیں اور تأَهَّلُ کے معنی شادی کرنا ہے اور اگر اس کے اہل وعیال دو شہروں میں ہوں، تو دونوں میں سے جس میں بھی داخل ہوگا، مقیم ہوجائے گا اور اگر دونوں میں سے کسی ایک میں اس کی بیوی کا انتقال ہوجائے، اور وہاں اس کے کچھ گھر اور اراضی رہ جائیں، ایک قول ہے کہ وہ وطن باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ اعتبار اہل کا ہے نہ کہ گھر کا ہے، اور ایک قول ہے کہ وطن باقی رہے گا اور ''توطن'' کے معنی ہیں اس میں ٹھہرنے اور وہاں سے کوچ نہ کرنے کا عزم کرنا، اگر چہ اس نے وہاں شادی نہ کی ہو (۱)۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وطن: وہ مقام ہے جہاں پر کوئی شخص اقامت اختیار کرے گرمی یا سردی میں وہاں سے کوچ نہ کرے، الا یہ کہ تجارت وملاقات جیسی کسی ضرورت سے وہاں سے سفر کرے (۲)۔

اس کے ساتھ وہ ویران بستی بھی ملحق ہے، جس کے گھر منہدم ہوگئے ہوں اور اس کے باشندوں نے اس کو درست کرنے اور گرمی وسردی میں وہاں ٹھہرنے کا عزم کیا ہو (۱)۔

اسی طرح صحیح مذہب کے مطابق حنابلہ کے نزدیک وہ شہر بھی اس سے ملحق ہے جس میں اس کی بیوی ہو، یا جس میں اس نے شادی کی ہو، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''**من تأهل فى بلد فليصل صلاة المقيم**'' (۲) (جو کسی شہر میں اہل بنائے (شادی کرے) تو وہ مقیم کی نماز پڑھے)۔

رحیبانی نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر چہ بیوی کی جدائی کے بعد ہو (۳)۔

امام احمد سے جو روایت منقول ہے اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وطن کے ساتھ وہ شہر بھی ملحق ہے جس میں کسی شخص کے اہل وعیال یا جانور رہوں اور ایک قول ہے کہ مال ہو (۴)۔

مالکیہ کے نزدیک: وطن ہمیشہ رہنے کی نیت کے ساتھ آدمی کی سکونت کی جگہ ہے اور مدخول بہا بیوی کے رہنے کی جگہ ہے اگر چہ بیوی کے پاس اس کی سکونت زیادہ نہ ہوتی ہو تو اگر کسی بستی میں کسی آدمی کی صرف اولاد یا مال ہو تو وہ جگہ اس کے لئے وطن اصلی نہیں ہوگی (۵)۔

ب-وطن اقامت:

۴-حنفیہ نے کہا: وطن اقامت وہ ہے جہاں انسان سفر کے حکم کو ختم

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۵۳۲، المبسوط ۱/ ۲۵۲۔
(۲) المغنی ۲/ ۳۲۷-۳۲۹، مطالب اولی النہی ۱/ ۶۴۷، مغنی المحتاج ۲/ ۲۹۴، تحفۃ المحتاج ۲/ ۴۳۴۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۲۸۰، مطالب اولی النہی ۱/ ۷۵۷۔
(۲) حدیث: ''من تأهل فى بلد فليصل صلاة المقيم'' کی روایت احمد (۱/ ۶۲) نے کی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۵۶) میں کہا کہ اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ہیں۔
(۳) مطالب اولی النہی ۱/ ۷۲۲-۷۲۳، الانصاف ۲/ ۳۳۱۔
(۴) الانصاف ۲/ ۳۳۱۔
(۵) حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۶۲، مواہب الجلیل ۲/ ۱۴۸-۱۴۹۔

کر دینے والی مدت کی اقامت کی نیت سے ٹھہرے، اس کو وطن مستعار یا وطن حادث بھی کہا جاتا ہے(۱)۔

بقیہ فقہاء اس معنی میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں البتہ حکم سفر کو ختم کرنے والی مدت کے بارے میں ان کا اختلاف ہے(۲)۔

ج-وطن سکونت:

۵- حنفیہ نے کہا: وطن سکونت وہ جگہ ہے جہاں انسان سفر کے حکم کو ختم کرنے والی مدت سے کم ٹھہرنے کا قصد کرے(۳)۔

دیکھئے: ''صلوۃ المسافر'' فقرہ/ ۳-۸۔

وطن کے شرائط:

۶- جس جگہ انسان اقامت اختیار کرتا ہے اس کو اس کا ایسا وطن جس سے وطن کے احکام متعلق ہوتے ہیں اسی وقت کہا جائے گا جب اس میں کچھ شرطیں پائی جائیں۔

اور یہ شرطیں اس کے وطن اصلی، وطن اقامت، یا وطن سکونت ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔

پھر ان شرطوں میں سے بعض وہ ہیں جن پر فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض وہ ہیں جن میں ان کے درمیان اختلاف ہے اور اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

الف-وطن اصلی کی شرطیں:

۷- یہ کہ عمارت مستقل ہو، ایسی چیز سے تعمیر کی گئی ہو جس سے تعمیر

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۵۳۲، المبسوط ۱/ ۲۵۲۔
(۲) مغنی المحتاج ۱/ ۲۶۴-۲۶۵، الانصاف ۲/ ۳۲۹، کشاف القناع ۱/ ۵۱۲-۵۱۳، مواہب الجلیل ۲/ ۱۴۸، الزرقانی ۲/ ۴۲۔
(۳) حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۵۳۳، المبسوط ۱/ ۲۵۔

کرنے کا عرف ہو، یہ شرط مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے اس لئے کہ ان حضرات نے نماز جمعہ قائم کرنے کی شرطوں پر کلام کے موقع پر وطن کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ ایسی بستی ہے جو اس چیز سے تعمیر کی گئی ہو جس سے تعمیر کرنے کا عرف ہو جیسے پتھر یا مٹی یا کچی اینٹ یا بانس یا درخت وغیرہ، شافعیہ وحنابلہ نے مزید کہا ہے کہ اس گاؤں میں یہ بھی شرط ہوگی کہ ایک گاؤں کے عرف کے مطابق عمارتیں یکجا ہوں(۱)۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جس جگہ آدمی کی ولادت ہوئی ہو یا جس جگہ اس نے شادی کی ہو یا جس کو وطن بنایا ہو حنفیہ اسی جگہ کو اس کا وطن اصلی مانتے ہیں(۲)۔

ب-وطن اقامت کے شرائط:

۸- کسی جگہ کو وطن اقامت بنانے کے لئے کچھ شرائط ہیں جن میں کچھ یہ ہیں: اقامت کی نیت کرنا، اقامت کی معتبر مدت، اقامت کی جگہ اختیار کرنا، جگہ کا اقامت کے لائق ہونا، اور اس جگہ کا مقیم کا وطن اصلی نہ ہونا۔

ان شرائط کی تفصیل نیز ان کے بارے میں فقہاء کی آراء جاننے کے لئے دیکھئے: ''صلوۃ المسافر'' فقرہ/ ۲۶-۲۹)۔

ج-وطن سکونت کے شرائط:

۹- وطن سکونت کے لئے صرف دو شرطیں ہیں اور وہ دونوں یہ ہیں: وہاں فقہاء کے اختلاف کے مطابق سفر کو ختم کرنے والی مدت تک اقامت کی نہ نیت ہو نہ بالفعل اقامت ہو اور وہ اقامت کرنے والے

(۱) المغنی ۲/ ۳۲۷-۳۲۹، مغنی المحتاج ۱/ ۲۸۰-۲۸۲، تحفۃ المحتاج ۲/ ۴۳۴، حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۷۲، المدونہ ۱/ ۱۵۲، الزرقانی ۲/ ۴۲۔
(۲) حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۵۳۲۔

کا وطن اصلی نہ ہو۔

دیکھئے: ''صلوۃ المسافر''، فقرہ/ ۸۔

کس چیز سے وطن ختم ہوجا تا ہے:

۱۰- حنفیہ نے کہا: وطن اصلی صرف اس کے مثل کی طرف منتقل ہونے سے ختم ہوتا ہے بشرطیکہ وہاں سے اہل وعیال کو منتقل کرلے اور وہاں سکونت ختم کردے، لہذا اگر انسان اپنے وطن اصلی کو چھوڑ دے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ دوسرے وطن اصلی کی طرف اس کے شرائط کے ساتھ منتقل ہوجائے تو پہلی جگہ اس کا وطن اصلی نہیں رہے گی، اگر اس کے بعد سفر کرتے ہوئے وہاں داخل ہوگا تو علی حالہ مسافر رہے گا جب تک کہ وہاں سفر کو ختم کرنے والی مدت تک اقامت کی نیت نہ کرے یا بالفعل قیام نہ کرے، اگر ایسا کرے گا تو وہ مقیم ہوجائے گا اور یہ جگہ گذشتہ بحث کے مطابق اس کا وطن اقامت ہوگی (۱)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ وطن اصلی دوسرے وطن اصلی کو اختیار کر لینے سے ختم نہیں ہوتا، رحیبانی نے کہا: جو شخص اپنے وطن سے گزرے گا وہ قصر نہیں کرے گا خواہ وہ فی الحال اس کا وطن ہو، یا ماضی میں رہا ہو اگرچہ اس کو وہاں کوئی کام نہ ہو سوائے اس کے کہ وہ اس کا اپنے مطلوبہ شہر کی طرف جانے کا راستہ ہو (۲)۔

جو شخص دوسرا وطن بنالے اور پہلے وطن سے منتقل نہ ہوا ہو مثلاً اس کی دو بیویاں ہوں پہلی وطن اول میں اور دوسری نئے وطن میں ہو تو دوسری جگہ اپنے شرائط کے ساتھ اس کا وطن ہوگی اور اس کی وجہ سے پہلا وطن ختم نہیں ہوگا اس لئے کہ وہاں سے منتقل نہیں ہوا ہے، اس بنیاد پر اگر انسان کی دو شہروں میں دو بیویاں ہوں تو ان دونوں کو اس کا وطن اصلی شمار کیا جائے گا اور وہ دونوں میں سے جس میں داخل ہوگا داخلہ کے وقت ہی سے مطلقاً مقیم شمار کیا جائے گا، یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے (۱)۔

وطن اصلی نہ وطن اقامت سے ختم ہوتا ہے نہ وطن سکونت سے، اس لئے کہ وہ ان دونوں سے اعلی ہے لہذا ان دونوں میں سے کسی سے ختم نہیں ہوگا لہذا اگر وہ اپنے وطن اصلی سے کسی شہر کی طرف سفر کرکے جائے اور اس میں سفر کو ختم کردینے والی مدت کے بقدر قیام کرے یا اس کی نیت کرے یا کسی بھی چیز کی نیت نہ کرے تو اس سے اس کا وطن اصلی باطل نہیں ہوگا، چنانچہ اگر اس کے بعد اس کی طرف لوٹے گا تو صرف وہاں مطلقاً داخل ہونے سے مقیم شمار کیا جائے گا۔

البتہ وطن اقامت وہ وطن اصلی سے باطل ہوجاتا ہے اس لئے کہ وطن اصلی اس سے اوپر درجہ کا ہے نیز وطن اقامت سے بھی (باطل ہوجاتا ہے) اس لئے کہ وہ اس کے مثل ہے اسی طرح وطن اقامت سفر سے بھی باطل ہوجاتا ہے اور وطن اقامت وطن سکونت سے باطل نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نیچے درجہ کا ہے۔

وطن سکونت، وطن اصلی، وطن اقامت نیز وطن سکونت سے بھی باطل ہوجاتا ہے اس لئے کہ پہلے دونوں اس سے اوپر درجہ کے ہیں اور آخری والا اس کے مثل ہے اور چیز اپنے مثل سے نیز جو اس سے اوپر درجہ کی ہو اس سے باطل ہوجاتی ہے۔

دیکھئے: ''صلوۃ المسافر''، فقرہ/ ۵، ۷، ۹۔

وطن سے متعلق احکام:

۱۱- وطن کے تینوں انواع سے کچھ شرعی احکام متعلق ہیں ان میں

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ا/ ۵۳۲-۵۳۳، تبیین الحقائق ا/ ۲۱۴-۲۱۵۔

(۲) مطالب اولی النہی ا/ ۷۲۲، نیل المآرب ا/ ۱۸۷، حاشیۃ الروض المربع ۲/ ۲۹۲، کشاف القناع ا/ ۵۰۹۔

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ا/ ۵۳۲-۵۳۳، تبیین الحقائق ا/ ۲۱۴-۲۱۵، مطالب اولی النہی ا/ ۷۲۲-۷۲۳، حاشیۃ الدسوقی ا/ ۳۶۳۔

سب سے اہم: نماز میں قصر کرنا، نمازوں کو جمع کرنا، رمضان میں روزہ نہ رکھنا قربانی کرنا اور جمعہ وعیدین کی نماز ہے۔

ان کی وضاحت ذیل میں ہے:

الف-نماز میں قصر کرنا

۱۲- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اپنے وطن اصلی یا وطن اقامت میں رہنے والا نماز میں قصر نہیں کرے گا اس لئے کہ قصر کرنا سفر کی رخصت ہے اور ان دونوں وطنوں میں سے کسی ایک میں رہنے والا مسافر نہیں ہوتا، اس لئے جس مسافر کے لئے قصر کرنا مباح ہوتا ہے اگر وہ اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹ آئے تو وطن میں داخل ہونے کے وقت ہی سے پوری نماز پڑھنا اس پر واجب ہو جائے گا خواہ کسی مدت تک وہاں اقامت کی نیت ہو یا بالفعل اقامت کرے یا سفر کو جاری رکھتے ہوئے اس سے گزرنے کی نیت ہو اسی طرح اگر مسافر کسی شہر میں داخل ہو اور وہاں سفر کو ختم کرنے والی مدت تک اقامت کی نیت کرے یا بالفعل اقامت کرے تو اس کے بارے میں فقہاء کے اقوال کے مطابق اسے مقیم شمار کیا جائے گا اور وہ پوری نماز پڑھے گا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''صلوۃ المسافر''، فقرہ/ ۲۶-۳۱۔

ب-جمع بین الصلوات:

۱۳- جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ مسافر کو ظہر اور عصر کی نمازوں اور مغرب وعشاء کی نمازوں کے درمیان جمع کی شرطوں کے ساتھ جمع تقدیم یا جمع تاخیر کرنے کا اختیار ہے۔

اور اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے انہوں نے کہا: سفر میں جمع بین الصلوات نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''جمع بین الصلوات''، فقرہ/ ۳-۸۔

ج-مسافر کے لئے رمضان میں روزہ چھوڑ دینا:

۱۴- مسافر سفر کے شرائط کے ساتھ جب تک مسافر رہے اس کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے، اگر چہ سفر پورے مہینہ اور پوری عمر تک رہے جب اس کا سفر ختم ہو جائے گا تو اگر ختم ہونا طلوع فجر کے بعد رمضان کے دن کے درمیان ہو تو مہینہ کے احترام میں بقیہ دن امساک کرنا (کھانے پینے وغیرہ سے رکنا) پھر دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا اس پر واجب ہوگا اور اگر سفر رات میں ختم ہو تو جب تک سفر نہ کرے دوسرے دنوں کے روزے اس پر واجب ہو جائیں گے۔

انقطاع سفر وطن اصلی کی طرف لوٹنے سے ہو جاتا ہے اگر چہ اس میں گزرنا ہو یا وہ وطن اقامت میں اس کی شرطوں کے ساتھ مقیم ہو جائے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''صوم''، فقرہ/ ۶۱۔

د-قربانی سے معافی:

۱۵-بعض فقہاء یعنی حنفیہ کا مذہب ہے کہ قربانی واجب ہے اور دوسرے فقہاء یعنی جمہور کا مذہب ہے کہ وہ سنت ہے اور اول الذکر حضرات نے اس کے وجوب کے لئے اقامت کی شرط لگائی ہے انہوں نے کہا: مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اس لئے کہ مسافر کو ہوسکتا ہے ایسا جانور نہ ملے جس کی قربانی اس کے شرائط کے ساتھ کر سکے، تو اس کو اس کا مکلّف بنانے میں حرج ہوگا اور یہ ممنوع ہے، اس بنیاد پر اگر عیدالاضحیٰ کے دن فجر سے پہلے جو کہ وجوب کا وقت ہے سفر ختم ہو جائے تو اس پر قربانی واجب ہوگی اس لئے کہ وجوب کے وقت اس کا سفر ختم ہو جائے گا اور جیسا کہ گزر چکا ہے سفر وطن اصلی میں اس کے داخل ہونے سے اگر چہ اس میں گزرنا ہو یا وطن اقامت میں اس کے مقیم شمار کئے جانے سے ختم ہو جاتا ہے البتہ جن حضرات نے قربانی کو مسنون کہا ہے انہوں نے اقامت کی شرط نہیں لگائی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''اضحیۃ''، فقرہ/ ۱۵۔

ھ-جمعہ کا مکلّف بنانے کا ساقط ہونا:

۱۶-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وجوب جمعہ کی ایک شرط مقیم ہونا ہے، چنانچہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے لہذا اگر نماز جمعہ قائم ہونے سے پہلے سفر منقطع ہوجائے تو نماز جمعہ واجب ہوجائے گی، اور سفر کا انقطاع وطن اصلی میں مطلقاً داخل ہونے، نیز وطن اقامت میں اس کے شرائط کے ساتھ اس کے مقیم شمار کئے جانے سے ہوتا ہے۔

دیکھئے: ''صلوۃ الجمعۃ'' فقرہ/۱۱، ''سفر'' ۱۳۔

و-عیدین کا مکلّف بنانے کا ساقط ہونا:

۱۷- نماز عیدین حنفیہ کے نزدیک واجب ہے مالکیہ شافعیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور حنابلہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے، جمہور کا مذہب ہے کہ اس کا مکلّف قرار دئے جانے کی شرط اقامت کرنا یا وطن بنا لینا ہے اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے اور اس بنیاد پر جمہور کے نزدیک مسافر اس کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا اس لئے اگر مسافر اس کا وقت آنے سے پہلے اپنے وطن اصلی میں داخل ہو جائے یا وطن اقامت میں اس کے شرائط کے ساتھ اقامت اختیار کرے تو وہ اس کا مکلّف بنادیا جائے گا جیسا کہ جمعہ میں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''صلوۃ العیدین'' فقرہ/۲-۳۔

ز-۱۸-زکوۃ منتقل کرنا:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر زکوۃ ادا کرنے والا کسی شہر میں ہو اور اس کا مال اسی شہر میں اس کے ساتھ ہو تو لوگوں میں اس مال کی زکوٰۃ کے زیادہ حقدار اسی شہر والے ہوں گے جس میں وہ ہے۔

اگر زکوۃ دینے والا ایک شہر میں ہو اور اس کا مال دوسرے شہر میں ہو تو اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ شہر معتبر ہوگا جس میں مال ہے یا وہ شہر جس میں زکوۃ ادا کرنے والا ہے اور اس کے متعلق ان کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔

دیکھئے: ''زکوۃ'' فقرہ/۱۸۵۔

ح-حربیہ کا دارالاسلام میں وطن بنانا:

۱۹-اگر حربیہ عورت امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہو، اور کسی مسلمان یا ذمی سے شادی کر لے تو وہ ذمیہ ہوجائے گی اس لئے کہ عورت سکونت میں شوہر کے تابع ہوتی ہے کیوں کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلتی ہے اور اس نے اپنے آپ کو ایسے شخص کا تابع بنادیا ہے جو ہمیشہ دارالاسلام میں رہے گا لہذا وہ ذمیہ ہوجائے گی (۱)۔

دیکھئے: ''أھل الذمۃ'' فقرہ/۱۳، ''مستأمن'' فقرہ/۳۸۔

ط-مسافر زانی کو اس کے وطن کے علاوہ کی طرف جلاوطن کرنا:

۲۰-شافعیہ وحنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی مسافر زنا کرے تو اسے اس کے وطن کے علاوہ کی طرف شہر بدر کیا جائے گا تاکہ وہ جلاوطن ہو سکے (۲)۔

مالکیہ نے کہا: مسافر نے جہاں زنا کیا ہے اگر اس شہر میں اترتے ہی زنا کرے تو اسے اس شہر میں قید کردیا جائے گا اور اگر اس نے وہاں کے باشندوں سے مانوس ہونے کے بعد زنا کیا ہو تو دوسرے شہر کی طرف شہر بدر کردیا جائے گا (۳)۔

دیکھئے: ''تغریب'' فقرہ/۲۔

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۱۰/ ۸۴، الفتاوی الہندیہ ۲/ ۲۳۵۔

(۲) مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۸، کشاف القناع ۶/ ۹۲۔

(۳) منح الجلیل ۴/ ۴۹۹۔

ی- جو شخص دار الحرب میں ہو اس کا اپنے وطن سے ہجرت کرنا:

۲۱- جو شخص دار الحرب میں ہو اس کے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کی کئی حالتیں ہیں: ان میں سے کچھ وہ ہیں جن پر ہجرت واجب ہوتی ہے اور کچھ وہ ہیں جن پر ہجرت واجب نہیں ہوتی ہے اور کچھ وہ ہیں جن کے لئے ہجرت مستحب ہوتی ہے۔

تفصیل اصطلاح "دار الحرب" فقرہ/۲، اور "ہجرۃ" فقرہ/۱۰ میں ہے۔

ک- دار الحرب میں وطن بنانا:

۲۲- مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ دار الاسلام سے دار الحرب کی طرف دائمی طور پر اسے وطن بنانے کے لئے سفر کرے۔

تجارت کے لئے دار الحرب کا سفر کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض نے اس کو حرام قرار دیا ہے، بعض نے مکروہ قرار دیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ: اس کو اس صورت میں اس سے نہیں روکا جائے گا جب کہ وہ لوگ اس پر کسی حرام کے کرنے یا کسی واجب کے ترک کرنے کو لازم نہ قرار دیں۔

اگر سفر کسی شرعی مصلحت کے لئے ہو جیسے کسی مسلم کا فدیہ ادا کرنے یا تبلیغ رسالت کے لئے ہو تو جائز ہے(۱)۔

دیکھئے: "دار الحرب" فقرہ/۱۵۔

(۱) فتح العلی المالک ۱/۳۸۴، القوانین الفقہیہ/۲۹۶، منح الجلیل ۴/۲۱۴، مواہب الجلیل ۲/۵۱۸، المدخل لابن الحاج ۴/۵۸-۵۹، المدونہ ۴/۲۷۰، الفروع لابن مفلح ۳۰۸، المحلی لابن حزم ۹/۶۵۔

وظیفہ

تعریف:

۱- کسی بھی چیز کا وظیفہ: کسی معین زمانہ میں مقرر کردہ کھانا یا روزی یا عمل ہے کہا جاتا ہے: **وظف الشئ علی نفسه**: لازم کرنا، **ووظفه**: ہر دن اس کے لئے وظیفہ مقرر کرنا، **ووظف علیه العمل والخراج ونحو ذلک**: اس کے اوپر کام، خراج یا اس جیسی چیز مقرر کرنا، اور وظیفہ: تلاوت اور اس جیسی چیز کا ورد، اور اس کا اطلاق عہدہ اور معین خدمت پر کیا جاتا ہے اور یہ مولّد ہے(۱)۔

اصطلاح میں وظیفہ: جو ہر دن میں مقرر کردہ کھانا اور روزینہ اسی طرح اس کا اطلاق مجازاً عشر و خراج پر بھی ہوتا ہے، اس عمل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کی انجام دہی مطلوب ہو اور اوراد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

مھنہ:

۲- مھنۃ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ لغت میں: خدمت اور عمل وغیرہ ہے(۳) اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے(۴)۔

(۱) لسان العرب، المعجم الوسیط مادۃ (وظف)، المصباح المنیر مادہ (ورد)

(۲) درر الحکام شرح غرر الأحکام ۱/۲۹۵، کشاف القناع ۴/۲۶۸، مطالب اولی النہی ۴/۱۹۲-۱۹۳۔

(۳) لسان العرب، القاموس المحیط، المصباح المنیر، المعجم الوسیط۔

(۴) قواعد الفقہ للبرکتی۔

وظیفہ اور مھنۃ کے درمیان نسبت یہ ہے کہ وظیفہ مھنۃ سے زیادہ عام ہے۔

وظیفہ سے متعلق احکام:

اول: وظیفہ اس عمل کے معنی میں جس کا انجام دینا مطلوب ہو:

اس معنی میں وظیفہ کی دو نوع ہیں: یا وہ عام ہوگا یا خاص ہوگا۔

نوع اول: عام وظائف:

وظائف عامہ سے متعلق کچھ احکام ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الف- عام وظائف کی تولیت (ذمہ داری دینے) کا حق کس کو ہے:

۳- وظائف (کاموں) کا ذمہ دار بنانے میں اوامر کا نافذ ہونا اور نگرانی کا جائز ہونا دیکھا جاتا ہے، لہذا جس کی نگرانی کسی عمل میں جائز ہوگی اس میں اس کے احکام نافذ ہوں گے اور اس کی جانب سے اس پر کام کرنے والوں کی تقرری صحیح ہوگی اور یہ تین میں سے کسی ایک کی طرف سے ہوگا یا اس سلطان کی طرف سے جس کو تمام امور پر تسلط حاصل ہو، یا وزیر تفویض (جس کو پوری ذمہ داری دی گئی ہو) کی طرف سے، یا عام ذمہ داری والے حاکم جیسے کسی صوبے یا بڑے شہر کے حاکم کی طرف سے(۱)۔

ب-جس کو وظیفہ عامہ سپرد کیا جا رہا ہو اس میں کیا شرط ہے:

۴-جس کو وظیفہ عامہ سپرد کیا جا رہا ہو اس میں شرط یہ ہے کہ اس کی امانت داری پر اعتماد ہو، اور وہ اپنی کارگزاری کی طاقت رکھتا ہو اور کام کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے لوگوں میں سب سے زیادہ لائق ہو(۱)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**من تولى من أمر المسلمين شيئا فاستعمل عليهم رجلاً وهو يعلم أن فيهم من هو أولى بذلك وأعلم منه بكتاب الله وسنة رسوله فقد خان الله ورسوله وجميع المؤمنين**"(۲) (جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو اور وہ ان پر کسی شخص کو حاکم بنائے، جبکہ وہ جانتا ہو کہ ان میں اس شخص سے بہتر اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا زیادہ علم رکھنے والا موجود ہے، تو وہ اللہ، اس کے رسول اور تمام مومنین سے خیانت کرے گا) اور ایک روایت میں ہے: "**من استعمل رجلا من عصابة وفي تلك العصابة من هو أرضى منه فقد خان الله وقد خان رسوله وخان المؤمنين**"(۳) (جو شخص کسی جماعت میں سے کسی شخص کو حاکم بنائے حالانکہ اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ اہل ہو تو وہ اللہ سے خیانت کرنے والا ہوگا، اس کے رسول سے خیانت کرنے والا ہوگا، اور مومنین سے خیانت کرنے والا ہوگا۔

ج- ذمہ داری سپرد کرتے وقت کس چیز کا پایا جانا لازم ہے:

۵- ذمہ داری سپرد کرتے وقت مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۰۹۔

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ۲۰۹، السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ/ ۹۔

(۲) حدیث: "من تولى من أمر المسلمين شيئاً...." کی روایت طبرانی نے الکبیر (۱۱/ ۱۱۴ ط وزارۃ الاوقاف العراقیہ) میں ابن عباسؓ کی حدیث سے کی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۵/ ۲۱۲) میں کہا: اس میں ابو محمد جزری حمزہ ہیں اور میں ان سے ناواقف ہوں اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) حدیث: "من استعمل رجلاً من عصابة...." کی روایت حاکم نے مستدرک (۴/ ۹۲-۹۳) میں ابن عباس کی حدیث سے کی ہے اور زیلعی نے

ضروری ہے:

۱-اس عمل کا متعین ہونا جس کی نگرانی مؤظف (عہدہ دار) سے مخصوص ہوگی جیسے ٹیکس خراج یا عشر وغیرہ۔

۲-اس کام کے طریقوں اور حقوق کا ایسی تفصیل کے ساتھ علم ہونا جو اس سے جہالت دور کردے۔

۳-جس جگہ عہدہ دار اپنا کام انجام دے گا اس کی اس طرح حد بندی کردینا جو اس کو دوسری جگہ سے ممتاز کردے(۱)۔

د-وظیفہ میں نگرانی کی ذمہ داری:

٦-عہدہ دار کے وظیفہ (کام) کی ولایت کے تین حالات ہیں (جیسا کے ماوردی اور ابویعلی نے کہا ہے):

پہلی حالت: اس کو کسی محدود مدت مہینوں، یا سالوں سے متعین کردے تو ذمہ داری کو اس مدت سے متعین کرنے سے اس مدت میں نگرانی کرنا جائز ہوگا اور اس مدت کے پورا ہونے کے بعد نگرانی کرنا ممنوع ہوگا، مقررہ مدت میں نگرانی کی ذمہ داری، ذمہ داری حوالہ کرنے والے کی جانب سے لازم نہیں ہوگی، اس کو حق ہوگا کہ اگر مصلحت سمجھے تو اس کو بدل دے۔ البتہ ذمہ دار بنائے گئے عامل کی جانب سے اس کا لازم ہونا، اس پر جاری ہونے والی اجرت کے اعتبار سے ہوگا تو اگر جاری ہونے والی اجرت معلوم ہو اور ان چیزوں میں سے ہو جن سے اجرت صحیح ہوتی ہے تو مقررہ مدت کے اندر اس کے پوری ہونے تک کام کرنا اس پر لازم ہوگا، اس لئے کہ اس مدت میں کام کرنا خالص اجارہ ہو جائے گا، اور اس مدت میں مدت کے خاتمہ تک عامل (کام کرنے والے) سے جبراً کام لیا جائے گا اور کام سپرد کرنے والے کو اختیار دینے اور جس کو سپرد کیا گیا ہے اس پر لازم ہونے کے درمیان فرق یہ ہے کہ ذمہ داری دینے والے کے جانب وہ عقود عامہ میں سے ہے اس لئے کہ وہ اس میں تمام لوگوں کا نائب ہے لہذا اخیار دینے میں اس چیز کی رعایت کی گئی جو زیادہ مناسب ہو، اور کام جس کے سپرد کیا گیا ہے اس کے جانب وہ خاص عقود میں سے ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو اپنے حق میں کیا ہے لہذا اسی پر لزوم کا حکم جاری ہوگا اور اگر اجرت اس چیز میں سے مقرر نہ ہو جو اجرتوں میں درست ہوتی ہے تو اس پر مدت لازم نہیں ہوگی اور وہ جب چاہے اس کے لئے اس عمل سے نکلنا جائز ہوگا جب کہ ذمہ داری دینے والے کو اپنے چھوڑنے کا حال بتادے تاکہ اس کا کام اس کی دیکھ بھال کرنے والے سے خالی نہ ہو۔

دوسری حالت: یہ کہ اس کی تعیین کام سے کرے، اور ذمہ داری دینے والا کہے: اس سال فلاں علاقہ کے خراج کی ذمہ داری تمہارے حوالہ کی، یا اس سال فلاں شہر کے صدقات کا ذمہ دار تم کو بنایا، تو اس کی دیکھ بھال کی مدت کام سے اس کی فراغت کے ساتھ متعین ہوگی چنانچہ جب وہ اس سے فارغ ہو جائے گا اس سے معزول ہو جائے گا اور اس کی فراغت سے پہلے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ ذمہ دار بنانے والا اس کو معزول کرسکتا ہے اور اس کا اپنے آپ کو معزول کرنا اس کی جاری اجرت کی صحت اور فساد کے اعتبار سے ہوگا۔

تیسری حالت: یہ ہے کہ ذمہ داری سونپنے کا عمل مطلق ہو اور اس کو نہ کسی مدت سے متعین کیا جائے نہ کسی عمل سے، اور وہ اس میں مثلاً یہ کہے: میں نے تم کو کوفہ کے خراج یا بصرہ کے عشر کے کام کا ذمہ دار بنایا ہے تو یہ صحیح تقلید (کام کی سپردگی ہے) اگرچہ اس کی مدت مجہول ہے اس لئے کہ اس کا مقصود دیکھ بھال کے جائز ہونے کی اجازت دینا ہے اور اس کا مقصود وہ لزوم نہیں ہے جس کا اعتبار اجارات کے

= نصب الرایہ (۴/ ٦٢) میں ذہبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس میں ایک ضعیف راوی ہیں۔

(۱) الماوردی/ ۲۰۹۔

معاملوں میں ہوتا ہے(۱)۔

۷-اور جب تقلید (کام کی سپردگی) صحیح ہوجائے اور دیکھ بھال جائز ہوجائے تو اس کا حال دو امور میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوگا: یا تو وہ دائمی ہوگا یا ختم ہوجانے والا ہوگا۔

اگر وہ دائمی ہو جیسے مالی وصولیابی، قضا اور (معدنیات کی) کانوں کے حقوق کی دیکھ بھال، تو جب تک اسے معزول نہ کردیا جائے اس کا سال بہ سال دیکھ بھال کرنا صحیح ہوگا۔

اور وہ اگر ختم ہوجانے والا ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ ہر سال اس کے دوبارہ لوٹ آنے کا معمول نہ ہو جیسے غنیمت تقسیم کرنے کا ذمہ دار، تو یہ اس سے فراغت کے بعد معزول ہوجائے گا، اور اسے دوسرے اموال غنیمت کی تقسیم میں دیکھ بھال کا حق نہیں ہوگا۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ ہر سال لوٹ آنے والا ہو جیسے خراج جو ایک سال لے لیا جاتا ہے تو بعد والے سال وہ (پھر) لوٹ آتا ہے تو اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا اس کو مطلقاً ذمہ دار بنانا اسی سال کی دیکھ بھال تک محدود ہوگا یا جب تک معزول نہ کردیا جائے ہر سال پر محمول ہوگا؟ دو اقوال ہیں:

اول: وہ اسی سال کی دیکھ بھال تک محدود ہوگا جس میں اس کو ذمہ دار بنایا گیا ہے اور جب پورا خراج یا عشر وصول کرلیگا تو معزول ہوجائے گا اور یقین پر اقتصار کرتے ہوئے نئی تقلید (کام کی حوالگی) کے بغیر دوسرے سال دیکھ بھال کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

دوم: عرف کا اعتبار کرتے ہوئے جب تک اس کو معزول نہ کردیا جائے اس کو ہر سال کی دیکھ بھال کے جواز پر محمول کیا جائے گا(۲)۔

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی ر ۲۱۰-۲۱۱، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ر ۲۴۔

(۲) الاحکام السلطانیہ للماوردی ر ۲۱۰-۲۱۱، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ر ۲۴۔

دوسری نوع: خاص وظائف:

۸-خاص وظائف (خاص کام) وہ ہیں جو ان عقد سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں جن کو باہم عقد کرنے والے اپنے مختلف تصرفات میں کرتے ہیں تو وظائف کی تعیین کا حق ان عقود کے اصحاب کو ہوتا ہے جو شرعی ضابطوں کی حدود میں ان تصرفات کو کرتے ہیں۔

فقہاء نے وقف میں اس کی صراحت کی ہے کہ امام اور دوسرے اصحاب ولایت کے لئے اس میں کسی ایسے نئے وظیفہ کا جاری کرنا حرام ہوگا جو وقف کرنے والے کی شرط میں نہ ہو، نہ ہی اس میں وقف کے مال کا صرف کرنا (جائز ہوگا) اور اس میں جس کا تقرر ہوا ہو اس کے لئے وقف کے مال میں سے کچھ بھی لینا ناجائز ہوگا، اسی طرح مذکورہ افراد کے لئے کسی ایسے وظیفہ کا ختم کرنا جائز نہیں ہوگا جس کو وقف کرنے والے نے مشروط کیا ہو، اور اس کا کرنے والا اس کی وجہ سے فاسق ہوجائے گا اور اس کی وجہ سے ناظر معزول ہوجائے گا اور جس کو واقف نے مقرر کیا ہو واقف کے علاوہ کوئی اس شخص کو معزول نہیں کرسکتا ہے، الا یہ کہ عاجزی، خیانت اور اسی جیسے کسی ظاہری سبب سے ہو، اور عزل کا نفاذ نہیں ہوگا اور معزول کرنے والا اس کی وجہ سے فاسق ہوجائے گا اور اس سے اس کے سبب کا مطالبہ کیا جائے گا(۱)۔

وظائف سونپنے کے الفاظ:

۹-وظائف کی تولیت (کاموں کی سپردگی) یا تو صریح الفاظ سے ہوگی یا الفاظ کنایہ سے، تفصیل ''تولیۃ'' فقرہ ر ۱۰-۱۲ میں ہے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لفظ اور تحریر کے ذریعہ ذمہ داری سپرد کرنا جائز ہے بشرطیکہ شاہد حال قرینہ ہو، اسی طرح اس پر ان کا اتفاق

(۱) حاشیۃ قلیوبی وعمیرہ علی شرح المنہاج ۳ر ۱۱۰، الاشباہ لابن نجیم ر ۱۲۵، ابن عابدین ۳ر ۳۸۶۔

ہے کہ تنجیز (فوری تنفیذ) کے صیغہ سے تولیت صحیح ہے(۱)۔

۱۰- تولیت کو کسی شرط پر معلق کرنے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ اور اصح کے مقابل قول میں شافعیہ کا مذہب ہے کہ وظائف میں تقرری کو معلق کرنا صحیح ہے ان کا استدلال اس بات سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ کو امیر بنایا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "**إن قتل زيد فجعفر فإن قتل جعفر فعبد الله بن رواحة**"(۲) (اگر زید شہید کر دیئے جائیں تو جعفر اور اگر جعفر شہید کر دیئے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ (امیر ہوں گے)۔

یہی مالکیہ اور حنابلہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ المدونۃ میں ہے: میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص کسی شخص کو وصیت کرے اور کہے: فلاں میرا وصی ہے یہاں تک کہ فلاں آجائے اور جب فلاں آجائے تو یہ آنے والا فلاں میرا وصی ہے تو کیا جائز ہوگا؟ فرمایا؟ ہاں یہ جائز ہے۔

اور شمس الدین بن قدامہ کی الشرح الکبیر میں ہے: اگر یہ کہے: میں نے زید کو وصیت کی اور وہ مرجائے تو عمرو کو وصیت کی، تو یہ صحیح ہوگا، صرف ایک روایت ہے اور دونوں میں سے ہر ایک وصی ہوگا ....اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے موتہ کے لشکر کے متعلق فرمایا: "**أميركم زيد فإن قتل فأميركم جعفر، فإن قتل فأميركم عبد الله بن رواحة**" (تمہارے امیر زید ہیں اگر وہ قتل ہوجائیں تو تمہارے امیر جعفر ہیں اور اگر وہ قتل ہوجائیں تو تمہارے امیر عبداللہ بن رواحہ ہیں) اور وصیت امیر بنانے کے معنی میں ہوتی ہے(۱)۔

اصح قول میں شافعیہ نے کہا: ولایت کو (اور اسی میں وظائف پر تقرری بھی ہے)۔ کسی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ ضرورت کی جگہ میں ہو جیسے وصیت کرنا اور امیر بنانا، اسی بنیاد پر انہوں نے کہا: جو شخص وقف میں اپنے لئے پھر اپنے بعد اپنی اولاد کے لئے دیکھ بھال کی شرط لگائے تو اولاد کے حق میں شرط باطل ہوگی۔

غزوہ تبوک کے واقعہ کے بارے میں انہوں نے کہا: اس کا بھی احتمال ہے کہ امارت (امیر بنانا) بالفعل ہو، مدت پر صرف تصرف کو معلق کیا گیا ہو(۲)۔

وظائف کے عوض میں مال لینا:

۱۱- وظائف کے بدلہ میں مال لینے کے جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

شافعیہ کا مذہب ہے حنفیہ و مالکیہ میں سے ہر ایک کے نزدیک بھی یہ ایک رائے ہے کہ وظائف کے بدلہ میں مال لینا جائز نہیں ہے۔

حنابلہ حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول نیز ایک رائے میں جس کو حطاب نے ضعیف کہا ہے۔ مالکیہ اور بعض شافعیہ (جن میں سبکی بھی ہیں) کا مذہب ہے کہ وظائف کے عوض میں مال لینا جائز ہے(۳)۔

تفصیل اصطلاح "خلو"، فقرہ/ ۱۶ میں دیکھئے۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۸، المدونہ ۱۵/ ۱۸ (طبعۃ السعادۃ)، حاشیہ قلیوبی وعمیرہ ۲/ ۳۴۰، الشرح الکبیر للمقدسی ۶/ ۵۸۲، الفروع ۴/ ۱۱۷- ۱۲۷۔

(۲) حدیث: "إن قتل زيد فجعفر..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۷/ ۵۱۰) نے ابن عمرؓ سے کی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۸، المدونہ ۱۵- ۱۸، حاشیہ قلیوبی وعمیرہ ۲/ ۳۴۰، الشرح الکبیر للمقدسی ۶/ ۵۸۲، الفروع ۴/ ۱۱۷- ۱۲۷۔

(۲) حاشیۃ قلیوبی وعمیرہ علی شرح المنہاج ۲/ ۳۴۰۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۱۸۳، ۴/ ۱۴، الاشباہ والنظائر لابن نجیم/ ۳۹۱، مواہب الجلیل ۴/ ۱۲- ۱۳، اسنی المطالب ۳/ ۲۳۶ مع حاشیۃ الرملی، حاشیۃ القلیوبی ۳/ ۳۲۳، حاشیۃ عمیرہ علی شرح المحلی ۳/ ۹۲، مطالب اولی النہی ۴/ ۱۹۱- ۱۹۲، تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب ۳/ ۴۰۱۔

وہ غیبوبت جس سے مؤظف (ملازم، عہدہ دار) وظیفہ (کام) سے معزولی کا مستحق ہوجاتا ہے:

۱۲ – ملازم کو اس کے کام سے معزول کرنے اور اس کی اجرت معلومہ کے ساقط ہونے کی متقاضی غیر حاضری کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک کچھ تفصیل ہے، ابن عابدین نے کہا: اگر وہ مدرسہ سے غائب ہوجائے تو وہ شہر سے باہر نکل گیا ہوگا یا نہیں، اگر مسافت سفر تک نکل جائے پھر لوٹ آئے تو اس کی اجرت معلومہ میں سے جو گزر گئی ہے اس کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ ساقط ہوجائے گی، اسی طرح اگر وہ حج وغیرہ کے لئے سفر کرے (تب بھی ہوگا) اور اگر سفر کے لئے نہ نکلے اس طور پر کہ وہ رستاق(۱) (مضافات) کی طرف نکلے تو اگر وہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرے اور یہ بغیر عذر کے ہو جیسے تفریح کے لئے نکلے تو یہی حکم ہوگا، اور اگر کسی عذر سے ہو جیسے طلب معاش کے لئے ہو تو وہ معاف ہوگا، الا یہ کہ اس کی غیبوبت تین مہینہ سے بڑھ جائے تو دوسرے کو اس کا کمرہ اور اس کا وظیفہ یعنی اس کی اجرت معلوم لینے کا اختیار ہوگا، اور اگر شہر سے نہ نکلے تو اگر کسی شرعی علم کے لکھنے میں مشغول ہو تو معاف ہوگا ورنہ اس کو معزول کرنا بھی جائز ہوگا۔

اگر مضافات کے لئے نکلے اور بلا عذر پندرہ دن سے کم مقیم رہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ ساقط ہوجائے گی ایک قول ہے کہ نہیں (ساقط ہوگی) یہ اس بحث کا حاصل ہے جس کو ابن الشحنہ نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اس صورت میں اس کی گزری ہوئی اجرت معلوم ساقط نہیں ہوتی اور مستقبل میں اس کو معزول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ شہر میں علم شرعی میں مشغول رہے یا سفر کی مسافت سے کم کے لئے نکلے اور ایک قول کے مطابق بلا عذر پندرہ دن سے کم ٹھہرے، یا پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرے لیکن طلب معاش جیسے کسی شرعی عذر کی بنیاد پر ہو لیکن قیام تین ماہ سے زائد نہ ہو، اگر وہ مدت سفر کے لئے نکلے اور لوٹ آئے یا حج وغیرہ کے لئے سفر کرے یا بغیر عذر کے مضافات کے لئے نکلے بشرطیکہ تین مہینے سے زائد نہ ہوجائے تو گذشتہ اجرت ساقط ہو جائے گی لیکن وہ معزول نہ ہوگا اگر وہ شہر میں ہو لیکن علم شرعی میں مشغول نہ ہو یا شہر سے نکل جائے اور تین مہینے سے زیادہ ٹھہرے اگر چہ ٹھہرنا کسی عذر سے ہو تو گذشتہ اجرت ساقط ہوجائے گی اور وہ معزول بھی ہوجائے گا، خیر رملی نے کہا: یہ سب اس وقت ہے جب اپنا نائب مقرر نہ کرے، ورنہ دوسرے کو اس کا وظیفہ لینے کا حق نہ ہوگا اور ''القنیہ'' میں باب الامامۃ میں ہے: اگر کوئی امام مضافات میں اپنے اقرباء کی ملاقات کے لئے ایک ہفتہ یا اس کے مثل رہنے یا کسی مصیبت کی وجہ سے یا آرام کے لئے امامت ترک کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، عرف وشریعت میں اس جیسی چیز معاف ہے۔

یہ تفصیل اس قول پر مبنی ہے کہ بغیر کسی عذر شرعی کے اس کا پندرہ دن سے کم کے لئے نکلنا اس کی اجرت معلومہ کو ساقط نہیں کرے گا، اور الاشباہ میں قاعدہ العادۃ محکمۃ (عرف فیصل ہوتا ہے) میں قنیہ کی یہ عبارت نقل کی ہے، اور اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ہفتہ کی چھوٹ دی جائے گی اس کے بعض محشی نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان کے قول ''ہر مہینہ'' پر دلالت کرنے والی کوئی چیز قنیہ کی عبارت میں نہیں ہے، میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر قول وہ ہے جو حلبی نے شرح منیۃ المصلی کے آخر میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مراد ''ہر سال میں'' ہے۔

خصاف نے لکھا ہے کہ اگر متولی گونگا، نابینا، یا مجنون ہوجائے یا

---

(۱) رستاق معرب لفظ ہے اور وہ اس علاقہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو ریاست کے اطراف میں ہو (المصباح المنیر)۔

اس کو فالج یا اس جیسی کوئی دوسری بیماری لاحق ہوجائے تو اگر اس کے لئے گفتگو کرنا، حکم دینا، روکنا، اور لین دین کرنا ممکن ہو تو اسے اجرت لینے کا حق ہوگا ورنہ نہیں۔

طرطوسی نے کہا: اس کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس وغیرہ کو جب کوئی عذر جیسے مرض، یا حج اس طرح لاحق ہوجائے کہ اس کے لئے خود کام کرنا ممکن نہ رہے تو وہ اجرت معلومہ کا مستحق نہیں ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اجرت معلومہ میں حکم کا مدار خود کام کرنے پر رکھا ہے، چنانچہ اگر خود کام کرنا پایا جائے گا تو وہ اجرت معلومہ کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں (۱)۔

وظائف سے دست برداری:

۱۳ – حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ متولی اگر خود کو معزول کرلے تو وہ معزول نہیں ہوگا جب تک کہ یہ بات قاضی تک نہ پہنچ جائے اور وہ دوسرے کو مقرر کردے۔

اور اگر دوسرے کے واسطے خالی کرنے کے لئے اپنے آپ کو دیکھ بھال کے کام یا دوسرے کام سے معزول کرلے: تو جس کے لئے اس نے استعفاء دیا ہے اگر وہ اہل نہ ہو تو قاضی اس کو مقرر نہیں کرے گا اور اس کو مقرر کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا اگر چہ وہ اہل ہو۔

اور علامہ قاسم کا فتوی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے اپنے کام سے استعفی دے گا تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا، اگر چہ ناظر اس شخص کو مقرر نہ کرے جس کے لئے استعفی دیا ہے (۲)۔

اور حنابلہ نے کہا: اگر کوئی آدمی اپنے کام جیسے امامت، خطابت، تدریس وغیرہ سے ایسے شخص کے لئے استعفاء دے جس میں اس کو انجام دینے کی صلاحیت ہو تو جس کے لئے استعفاء دیا ہے اس کے علاوہ دوسرے کو مقرر نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس کا حق اس کام سے متعلق ہوگیا ہے، تو اگر اس کا تقرر وہ شخص کردے جس کو ولایت حاصل ہے جیسے ناظر تو معاملہ اس کے لئے مکمل ہوجائے گا، اور اگر جس کو تقرر کی ولایت حاصل ہے وہ اس کا تقرر نہ کرے تو وظیفہ (کام) استعفاء دینے والے ہی کا رہے گا اس لئے کہ اس کی طرف سے اپنے کام سے مطلقاً بے رغبتی نہیں ہوئی ہے بلکہ جس کے لئے استعفاء دیا ہے اس کے لئے حاصل ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور وہ حاصل نہیں ہوئی ہے، اور اس جیسی حالت میں ناظر کو تقرری کا حق نہیں ہوگا صرف اس جگہ کسی کو مقرر کرے گا۔ جو کسی مستحق کے قبضہ سے خالی ہو یا ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جس سے کسی شرعی مقتضی کی وجہ سے لے لینے کا مالک ہو تو اس وقت اس کا تقرر کرنا جائز ہوگا۔

رحیبانی نے کہا: شیخ تقی الدین نے جو کہا ہے کہ منزول لہ (جس کے لیے استعفاء دیا ہے) وہ متعین نہیں ہوگا اور جس کو ولایت ہے وہ ایسے کو ذمہ داری دے گا جو شرعاً اس کا مستحق ہو، تو یہ نزول (استعفاء) پورا نہ ہونے پر محمول ہے، یا تو اس لئے کہ وہ منزول لہ کی طرف سے قبول کرنے سے پہلے ہو یا اس لئے کہ نفاذ سے پہلے ہو جبکہ نزول اس شخص کی طرف سے نفاذ پر معلق ہو جس کو اس کی ولایت حاصل ہے، یا اس پر (محمول ہے) جو مطلقاً اس سے بے رغبت ہو اور منزول لہ اہل نہ ہو تو اس وقت یہ قول راجح ہوگا، لیکن اگر نزول نفاذ کے ساتھ مشروط نہ ہو، اور نزول منزول لہ کی طرف سے قبول کرنے اور اس شخص کی طرف سے نفاذ سے پورا ہوجائے جس کو اس کی ولایت ہے اور منزول لہ اہل ہو، تو بلا شبہ اس کے قبول کرنے سے فوری طور پر اس کی طرف منتقل ہوجائے گا، اور کسی کو حق نہ ہوگا کہ منزول لہ کے بدلہ کسی کو مقرر کرے، یہ ناظر کے مقرر کرنے یا اس سے مراجعت پر موقوف نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کا حق ہے جس کو اس نے دوسرے کی طرف

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۴۰۷-۴۰۸۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۶۔

منتقل کر دیا ہے، اور وہ اپنے حقوق میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اس میں سے کسی چیز میں اس پر پابندی نہیں ہے وہ اس کے دوسرے حقوق کے مشابہ ہے اس لئے کہ کوئی فرق نہیں ہے اور فقہاء کے کلام سے اس کے کچھ شواہد ہیں، اسی میں سے وہ بھی ہے جس کو ان حضرات نے بنجر زمین کو گھیر لینے والے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جس کی طرف اس کو منتقل کرے وہ دوسرے کے مقابلہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوگا، اسی طرح ان حضرات نے بیان کیا ہے کہ جس کے قبضہ میں کوئی خراجی زمین ہو تو امام کو اس سے اس کو چھین لینے اور دوسرے کو دینے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس زمین میں دوسرے کو ترجیح دے تو دوسرا اس کا زیادہ حقدار ہوگا باوجودیکہ امام کو دیکھ بھال کا حق ہوتا ہے لیکن انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور ''موضح'' نے کہا: اصحاب کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر منزول لہ اہل ہو تو وہی اس کا مستحق ہوگا ورنہ ناظر کو حق ہوگا اس کے شرعی مستحق کو مقرر کر دے (۱)۔

ملازمین کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو اپنے آباء کے کاموں میں مقرر کرنا:

۱۴- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کا بیت المال میں کوئی وظیفہ (بالاجرت کام) ہو جو حق شرع اور اعزاز اسلام کے لئے ہو جیسے امام، اذان دینے وغیرہ کی اجرت جس میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو) اور میت کے کچھ بیٹے ہوں جو حق شرع اور اعزاز اسلام کا اسی طرح خیال رکھتے ہوں اور اسی طرح انجام دیتے ہوں جیسے باپ خیال کرتا اور انجام دیتا تھا تو امام کو اختیار ہے کہ باپ کا وظیفہ دوسروں کے بجائے میت کے بیٹوں کو مقصود شرع کے حاصل ہونے اور ان کے شکستہ دلوں کے مندمل ہونے کی غرض سے دے دے (۱)۔

بیری نے کہا: اس سے اس کی تائید ہوتی ہے جو کہ علماء کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو اپنے آباء کے وظائف جیسے امامت، خطابت وغیرہ پر کسی نکیر کے بغیر مطلقاً باقی رکھنے میں حرمین شریفین، مصر اور روم کا پسندیدہ عرف ہے اس لئے کہ اس میں علماء کے پسماندگان کا احیاء ہے نیز علم کی تحصیل پر ان کی مدد کرنا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ اہل ہوں، اگر وہ نااہل ہوں تو نہیں (۲)۔

اجرت لینے سے پہلے صاحب وظیفہ کی موت ہوجانا:

۱۵- اگر صاحب وظیفہ کی موت وظیفہ میں اپنا حق لینے سے پہلے ہوجائے تو اگر کام ان چیزوں میں سے ہو جس میں استئجار (اجرت لینا) جائز نہیں ہے جیسے معاصی تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا اور وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، اور اگر ان چیزون میں سے ہو جس میں استئجار جائز ہے تو جس قدر اس نے کام کیا ہے اسی کے بقدر اس کو دیا جائے گا اور یہ میراث ہوجائے گا۔

اگر عمل عبادت ہو جیسے اذان، اقامت، قرآن کی تعلیم اور حج کرنا تو اس کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کی بنیاد ان کے اس اختلاف پر ہے جو عبادت پر اجارہ کے جواز کے بارے میں ان کے درمیان ہے، اس لئے کہ یہ لوگ جو کچھ لیتے ہیں وہ اجرت اور صلہ کے مشابہ ہے جن لوگوں نے صلہ سے مشابہت کو ترجیح دی انہوں نے کہا وہ موت کی وجہ سے ساقط ہوجائے گا اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے طاعات پر اجرت لینے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ صلہ پر صرف قبضہ سے ملکیت آتی ہے، اور جن لوگوں نے اجرت سے

(۱) مطالب اولی النہی ۴/ ۱۹۲-۱۹۳۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۸۱۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۸۱۔

مشابہت کو ترجیح دی ہے انہوں نے کہا: جتنا عمل کیا ہے اسی کے بقدر اس کو دیا جائے گا اور یہ میراث ہوگا(۱)۔

دیکھئے اصطلاح ''اجارۃ'' فقرہ/ ۱۰۸ اور اس کے بعد کے فقرات۔

وظیفہ پر اجرت کا استحقاق:

۱۶ - وظیفہ یا تو خاص کام میں ہوگا، یا حکومت کے عام کاموں میں سے کسی کام میں ہوگا، پہلا اجیر خاص (اجیر فرد) ہے اور اس کے مستحق اجرت ہونے سے متعلق احکام کو فقہاء نے اصطلاح ''اجارہ'' فقرہ/ ۱۱۹- ۱۳۰ میں بیان کیا ہے۔

دوم: یعنی وہ موظف (عہدہ دار) جو کسی عام ولایت کا ذمہ دار ہوتا ہے، جیسے امارت، قضاء، امامت، اذان، قرآن کی تعلیم نیز ہر وہ چیز جو طاعات میں سے کوئی طاعت ہو تو اس کے لئے اجرت لینے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ''اجارۃ'' فقرہ/ ۱۰۸-۱۲۱، ۱۳۹-۱۵۱) میں ہے۔

معاصی پر اجارہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس سے اجیر اپنی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، اس کی تفصیل اصطلاح ''اجارۃ'' فقرہ/ ۱۰۸-۱۲۱، ۱۳۹-۱۵۱ میں ہے۔

ماوردی وابویعلی نے کہا: عامل (کام کرنے والے) کی مزدوری اس کے عمل پر تین حالات سے خالی نہیں ہوگی: اول: اجرت کی مقدار متعین ہو، دوم: اجرت کی مقدار متعین نہ ہو، سوم: اجرت سرے سے متعین نہ ہو۔

اگر اجرت متعین ہو اور کما حقہ کام پورا کردے تو متعین اجرت کا مستحق ہوگا، اگر کام میں کوتاہی کرے گا تو اس کی کوتاہی کا جائزہ لیا جائے گا، اگر کوتاہی کچھ کام چھوڑ دینے کی وجہ سے ہو تو اس کے مقابل میں جو اجرت ہوگی اس کا مستحق نہیں ہوگا، اگر عمل پورا کرنے کے باوجود کسی خیانت کی وجہ سے کوتاہی ہو تو اپنی پوری اجرت لے گا اور جس میں خیانت کی ہے اس کو واپس کرے گا۔

اگر کام میں اضافہ کرے تو اضافہ کو دیکھا جائے گا، اگر وہ اس کے کام کے حکم میں داخل نہ ہو تو اس میں اس کی دیکھ بھال قابل رد ہوگی، نافذ نہ ہوگی، اگر اس کی دیکھ بھال کے حکم میں داخل ہوگا تو دو امور میں سے کسی ایک سے خالی نہ ہوگا: یا تو اس نے اس کو برحق لیا ہوگا یا ناحق، اگر اس کا لینا برحق ہوگا تو وہ اس میں تبرع کرنے والا ہوگا جس کی وجہ سے اپنی اجرت میں متعین اجرت پر اضافہ کا مستحق نہیں ہوگا، اور اگر ناحق ہو تو جس پر ظلم کیا ہو اس کو واپس کرنا واجب ہوگا اور یہ عامل کی طرف سے ظلم ہوگا اور وہ اپنے جرم میں ماخوذ ہوگا۔

اگر اس کی مقررہ اجرت مجہول (غیر متعین) ہو تو اس نے جو کام کیا ہے اس میں اجرت مثل کا مستحق ہوگا، اگر عمل کی اجرت رجسٹر میں مقرر ہو، اور اس کے بدلہ عمال کی ایک جماعت نے کام کیا ہو، تو وہی مقدار اجرت مثل ہوگی، اور اگر اس کے بدلہ صرف ایک آدمی نے کام کیا ہو تو یہ چیز اجرت مثل میں معتبر نہیں ہوگی۔

ماوردی نے کہا: اگر اپنی اجرت طے نہ کرے نہ متعین اور نہ غیر متعین تو اپنے عمل پر اجرت مثل کے مستحق ہونے میں امام شافعی اور ان کے اصحاب کے چار مختلف مذاہب ہیں، چنانچہ اس کے بارے میں امام شافعی کا مذہب ہے کہ اس کو اس کے عمل پر کوئی اجرت نہیں ملے گی، اور وہ اس کو بطور تبرع کرنے والا ہوگا، یہاں تک کہ کوئی اجرت طے کرے خواہ متعین ہو یا غیر متعین، اس لئے کہ اس کا عمل عوض سے خالی ہے، اور مزنی نے کہا: اس کو اس کے عمل کی اجرت مثل ملے گی، اگر چہ وہ اس کو مقرر نہ کرے، اس لئے کہ اس نے اس کی

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۰۶-۴۰۷۔

اجازت سے اپنا کام پورا کیا ہے، ابوالعباس ابن سریج نے کہا: اگر وہ اپنے کام پر اجرت لینے میں مشہور ہو تو اس کو اس کی اجرت مثل ملے گی، اور اگر اس پر اجرت لینے میں مشہور نہ ہو تو اس کو کوئی اجرت نہیں ملے گی، اور اصحاب امام شافعی میں سے ابو اسحاق مروزی نے کہا: اگر ابتدا میں کام کے لئے بلایا جائے یا اس کا حکم دیا جائے تو اس کو اس کی اجرت مثل ملے گی، اور اگر وہ طلب کرنے میں ابتدا کرے اور اسے کام کی اجازت دی جائے تو اس کو کوئی اجرت نہیں ملے گی، اور اگر اس کے کام میں مال ہو جس کی وصولی کی جاتی ہو تو اس کی اجرت کا استحقاق اسی میں ہوگا، اور اگر اس میں مال نہ ہو تو اس کی اجرت کا استحقاق بیت المال میں مصالح کے حصہ سے ہوگا (۱)۔

ابو یعلی نے کہا: اگر اس کے لئے معلوم یا مجہول اجرت مقرر نہ ہو تو مذہب کے قیاس کا تقاضا ہے کہ اگر وہ اپنے کام پر اجرت لینے میں مشہور ہو تو اس کو اس کی اجرت مثل ملے گی اور اگر اس پر اجرت لینے میں مشہور نہ ہو تو اس کو اجرت نہیں ملے گی، اگر اس کے کام میں مال ہو جسے وصول کیا جاتا ہو تو اس کی اجرت کا استحقاق اسی میں ہوگا، اور اگر اس میں مال نہ ہو تو اس کی اجرت بیت المال میں مصالح کے حصوں سے ہوگی (۲)۔

دوم- ورد کے معنی میں وظیفہ:

۱۷- ورد: وہ عمل ہے جس کو انسان اپنے اوپر ہر دن یا رات کو لازم کر لے، اور اس سے متعلق احکام کے بارے میں فقہاء کی آراء اصطلاح ''ورد'' میں دیکھی جائیں۔

سوم- زمین میں واجب ہونے والے عشر یا خراج کے معنی میں وظیفہ:

۱۸- زمین سے جو کچھ لیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے فقہاء نے زمین پر واجب ہونے والی چیزوں کی دو قسمیں کی ہیں عشر اور خراج، اسی طرح انہوں نے خراج کی دو قسمیں کی ہیں خراج وظیفہ اور خراج مقاسمہ۔

ان دونوں سے متعلق احکام ''احیاء الموات'' فقرہ / ۲۸، ''خراج'' فقرہ / ۱۴-۱۵ میں دیکھے جائیں۔

چہارم- ہر دن مقرر کئے جانے والے کھانے یا روزینہ وغیرہ کے معنی میں وظیفہ:

۱۹- اگر دیا جانے والا روزینہ یا غلہ بیت المال سے ہو تو وہ رزق (رسد) ہے اور اس میں کفایت کی حد کا اعتبار ہوگا۔

تفصیل ''رزق'' فقرہ / ۴ اور اس کے بعد کے فقرات میں ہے۔

اگر دی جانے والی چیز بیت المال کے علاوہ سے ہو تو اس میں اعتبار اسی کا ہوگا، جس کی تحدید، دینے والا کرے، دی جانے والی چیز کم ہو یا زیادہ۔

---

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی / ۲۴۹۔

(۲) الاحکام السلطانیہ للماوردی / ۲۱۱۔

وعد

تعریف:

۱ - وعد (وعدہ) لغت میں خیر وشر دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: **وعدته خيراً** (بھلائی کا وعدہ کرنا) **وعدته شرا** برائی کا وعدہ کرنا)۔

عدة: وعدہ، وہ خیر کے متعلق کہتے ہیں: **وعده وعداً وعدة**، اور شر کے متعلق کہتے ہیں: **وعده وعيداً** مصدر دونوں میں فرق کرنے والا ہے۔

کہا جاتا ہے: **أنجز الوعد إنجازاً**: وعدہ پورا کرنا، **نجز الوعد وهو ناجز**" وعدہ پورا ہونا، **ووعدته فاتعد**: وعدہ قبول کرنا(۱)۔

وعد اصطلاح میں: مستقبل میں بھلائی پہنچانے کی خبر دینا(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-عہد:

۲ - لغت میں عَهْد عَهِدَ کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "**عهدت إليه عهداً**"، باب سمع سے اور یہ وصیت، امان، اور عہد و پیمان نیز ذمہ (کے معنی میں) ہے، ابو ہلال عسکری نے کہا: عہد شرط سے ملا ہوا وعدہ ہے

(۱) معجم مقاییس اللغة ۶/ ۱۲۵، بصائر ذوی التمییز ۵/ ۲۳۷، مشارق الانوار للقاضی عیاض ۲/ ۲۹۱۔

(۲) عمدة القاری للعینی ۱۱/ ۱۷۴، اساس البلاغة للزمخشری/ ۵۰۴۔

جیسے تمہارا قول: اگر تو یہ کرے گا تو میں یہ کروں گا، اور جب تک تو اس پر رہے گا میں اس پر رہوں گا، عہد وفا کا تقاضہ کرتا ہے، اور وعدہ پورا کرنے کا تقاضہ کرتا ہے، کہا جاتا ہے: **نقض العهد** (عہد توڑ دینا) **وأخلف الوعد** (وعدہ خلافی کرنا)۔

اصطلاح میں عہد: ہر حال میں کسی چیز کی حفاظت اور نگہبانی کرنا، پھر اس کو پیمان میں استعمال کیا گیا جس کا خیال رکھنا لازم ہوتا ہے (۱) کفوئی نے کہا: عہد پیمان ہے، اور اس کی وضع ان چیزوں کے لئے ہے جن کی شان یہ ہے کہ ان کی رعایت کی جائے اور خیال رکھا جائے، جیسے قول، قرار، قسم، وصیت، ضمان، حفاظت، زمان اور حکم (۲)۔

اور وعدہ اور عہد کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا پورا کرنا شرعاً مطلوب ہے۔

ب-وأی:

۳-وأی لغت میں: وعدہ ہے، کہا جاتا ہے: **وأيته وأياً**: وعدہ کرنا، اور حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کی حدیث میں ہے: **كان لي عند رسول الله ﷺ وأي**(۳) (میرا نبی کریم ﷺ کے پاس ایک

(۱) التعریفات للجرجانی (ط الدار التونسیہ تونس) الفروق لابی ہلال العسکری/ ۴۸ (ط القدسی)۔

(۲) المصباح المنیر، اساس البلاغہ/ ۳۱۵، المغرب للمطرزی ۲/ ۹۱، الکلیات للکفوی ۳/ ۲۵۵ (ط دمشق) الفروق لابی ہلال العسکری/ ۴۸ (ط القدسی)، بصائر ذوی التمییز ۴/ ۱۱۴، نزہۃ الاعین النواضر/ ۴۴۶، مشارق الانوار ۲/ ۱۰۴۔

(۳) حدیث عبد الرحمٰن بن عوف: "**كان لي عند رسول الله ﷺ وأي**" ابو موسی المدینی نے اس کو المجموع المغیث (۳/ ۳۷۵ ط جامعہ ام القری) میں نقل کیا ہے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے اور ہمیں نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کی روایت کس کتاب میں ہے، ابوداؤد نے المراسیل (۳۵۲-۳۵۳ ط الرسالہ) میں حضرت زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کی ہے: "**وأي المؤمن حق**

وعدہ تھا)۔ زمخشری نے کہا: وأی: وہ وعدہ جس کو آدمی اپنے اوپر مضبوط کرلے اوراس کو پورا کرنے کا عزم کرے (۱)۔

وأی اور وعدہ کے درمیان فرق کے بارے میں ابو ہلال عسکری نے کہا: وعدہ مؤقت اور غیر مؤقت دونوں ہوتا ہے، مؤقت جیسے ان کا قول: "جاء وعد ربک" (تمہارے رب کا وعدہ پورا ہوگیا) اور غیر مؤقت جیسے ان کا قول: اگر زید وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور اگر عمرو وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے، اور وأی: وہ وعدہ ہے جو غیر مؤقت ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کے تم کہتے ہو: "إذا وأی زید أخلف أو وفی" (جب زید وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے یا پورا کرتا ہے) اور تم نہیں کہتے ہو: "جاء وأی زید" (زید کا وعدہ پورا ہوگیا)، جیسا کہ تم کہتے ہو: "جاء وعد زید" (زید کا وعدہ پورا ہو گیا) (۲)۔

قاضی عیاض نے کہا: وأی: قابل ضمان وعدہ ہے، اور ایک قول ہے وأی صراحت کے بغیر وعدہ ہے اور عدۃ عطیہ کی صراحت ہے (۳)۔

وعد سے متعلق احکام:

وعد سے کچھ احکام متعلق ہیں بعض یہ ہیں:

= واجب" (مومن کا وعدہ واجب حق ہے) سیوطی نے اس کا ذکر الجامع الصغیر میں کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور مناوی نے اپنی شرح فیض القدیر (۳۶۰/۶) میں ان کی موافقت کی ہے۔

(۱) المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث لابی موسی المدینی ۵۷۵/۳ ط جامعۃ ام القری، القاموس المحیط، الفائق فی غریب الحدیث ۷/۴ ۳۔

(۲) الفروق لأبی ہلال العسکری / ۴۸۔

(۳) مشارق الأنوار للقاضی عیاض ۲۷۷/۲۔

الف- وعدہ کا پورا کرنا:

۴- وعدہ یا تو کسی ممنوع چیز کا ہوگا یا کسی واجب، مباح یا مندوب کا ہوگا۔

ممنوع وعدہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کے لئے اپنا وعدہ پورا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ وعدہ خلافی کرنا شرعاً اس پر واجب ہے(۱)۔

علماء نے کہا: اگر کوئی شخص ایسی چیز کا وعدہ کرے جو حلال نہیں ہے یا کسی معصیت پر معاہدہ کرے تو اس میں سے کسی چیز کا پورا کرنا اس کے لئے حلال نہیں ہے، جیسے کوئی شخص، زنا، شراب یا اس جیسی کسی چیز کا وعدہ کرے، یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر وعدہ خلافی کرنے والا اور عہد شکنی کرنے والا نہ مذموم ہے نہ قابل ملامت اور نہ گنہگار، بلکہ بعض اوقات وہ اطاعت کرنے والا اور فرض ادا کرنے والا ہوتا ہے (۲)۔

اگر کوئی شخص شرعاً کسی واجب شئ کا وعدہ کرے جیسے ثابت حق کا ادا کرنا، لازم امر کا کرنا تو اس وعدہ کا پورا کرنا اس پر واجب ہوگا (۳)۔

اگر کوئی شخص کسی مباح یا مستحب چیز کے کرنے کا وعدہ کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے، اس لئے کہ وعدہ پورا کرنا مکارم اخلاق اور ایمان کی صفات میں سے ہے، اور مولی جلّ جلالہ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو اپنا وعدہ سچ کر دکھائے، چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدح اپنے اس ارشاد کے ذریعہ کی: "إنه كان صادق الوعد" (۴) (وہ تھا وعدہ کا سچا)۔ اس کی مدح کے لئے نیز اس کے خلاف کی مذمت کے لئے یہ کافی ہے۔

(۱) الأذکار للنووی مع شرحہ الفتوحات الربانیہ ۲۵۸/۶، احکام القرآن للجصاص ۴۴۲/۳۔

(۲) المحلی ۲۹/۸، احکام القرآن للجصاص ۴۴۲/۳۔

(۳) المحلی ۲۹/۸، احکام القرآن للجصاص ۴۴۲/۳، الفتوحات الربانیہ ۲۵۸/۶۔

(۴) سورہ مریم / ۵۴۔

۵ - ایفاء وعد کے حکم کے بارے میں فقہاء کے سات مختلف اقوال ہیں:

اول-وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے (۱):

یہی مذہب حضرت عمر بن عبد العزیز، قاضی ابن اشوع، کوفی ھمدانی اور ابن شبرمہ کا ہے، اور یہی امام احمد کے مذہب میں ایک قول ہے جس کو تقی الدین بن تیمیہ نے مختار قرار دیا ہے اور یہی مالکیہ کے مذہب میں ایک قول ہے (۲)، اس رائے پر ان کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: "**يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاَ تَفْعَلُوْنَ كَبُرَمَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَالاَ تَفْعَلُوْنَ**" (۳) (اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں)۔

اسی طرح وہ حدیث جس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ نے کی ہے رسول ﷺ نے فرمایا: "**آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان**" (۴) (منافق کی تین علامتیں ہیں، اگر بات کرے تو جھوٹ بولے، اگر وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے)۔

دوسرا قول: وعدہ پورا کرنا واجب ہے الا یہ کہ کوئی عذر ہو یہ ابن العربی کی رائے ہے، اس لئے کہ انہوں نے کہا: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا ہر حال میں واجب ہے الا یہ کہ کوئی عذر ہو (۱)۔

نیز انہوں نے کہا: اگر وہ پورا کرنے کی نیت کرتے ہوئے وعدہ کرے تو اگر پورا کرنے سے روکنے والی کوئی چیز اس کے اختیار کے بغیر پیش آجائے یا ایسے فعل کی وجہ سے ہو جو یہ تقاضا کر رہا ہو کہ موعود (وعدہ والے آدمی) کا وعدہ پورا نہ کرے تو اسے ضرر نہیں ہوگا (۲)۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث مرفوع سے معلوم ہوتا ہے: "**إذا وعد الرجل وينوى أن يفي به، فلم يف، فلا جناح عليه**" (۳) (اگر کوئی آدمی وعدہ کرے اور اس کو پورا کرنے کی نیت رکھتا ہو اور پورا نہ کر سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا)۔

تیسرا قول: وعدہ کا پورا کرد یانۃً واجب ہے قضاءً نہیں، اور یہ تقی الدین سبکی شافعی کی رائے ہے انہوں نے کہا: میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ دین کے طور پر باقی رہے گا یہاں تک کہ اس کے ترکہ سے پورا کیا جائے گا، بلکہ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ سچ اور وعدہ خلافی کے نہ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پورا کرنا واجب ہے (۴)۔

چوتھا قول: وعدہ کا پورا کرنا مستحب ہے اگر اس کو چھوڑ دے گا تو اس سے فضیلت فوت ہو جائے گی اور وہ سخت مکروہ تنزیہی کا مرتکب ہوگا لیکن گنہگار نہ ہوگا، اور یہ جمہور فقہاء، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کی رائے ہے (۵)۔

---

(۱) احکام القرآن لابن العربی ۴/ ۱۸۰۰، الاذکار مع شرحہ الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۶۰۔

(۲) الاذکار مع الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۶۰، المبدع شرح المقنع ۹/ ۳۴۵، فتح الباری ۵/ ۲۹۰، المحلی ۸/ ۲۸، الاختیارات الفقہیہ من فتاوی بن تیمیہ للبعلی/ ۳۳۱، حاشیۃ ابن الشاط علی الفروق للقرافی ۴/ ۲۴-۴۳، الفروق ۴/ ۲۱۔

(۳) سورہ صف/ ۲-۳۔

(۴) حدیث: "آية المنافق ثلاث...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۲۸۹) اور مسلم (۱/ ۷۸) نے کی ہے۔

---

(۱) احکام القرآن لابن العربی ۴/ ۱۸۰۰۔

(۲) عارضۃ الاحوذی لابن العربی ۱۰/ ۱۰۰۔

(۳) حدیث: "إذا وعد الرجل وهو ينوى أن يفي به..." کی روایت ترمذی (۵/ ۲۰) نے کی ہے اور اس کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے کہ جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے اس میں دو مجہول راوی ہیں۔

(۴) الفتوحات الربانیہ لابن علان ۶/ ۲۵۸-۲۵۹، فتح الباری ۵/ ۲۹۰۔

(۵) الاذکار مع شرحہ الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۵۸، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ۷/ ۲۰۷، کشاف القناع ۶/ ۲۷۹، شرح منتہی

نووی نے کہا: وعدہ پورا کرنا مستحب ہے جس کا استحباب موکد ہے اور وعدہ خلافی کرنا سخت مکروہ ہے، کتاب وسنت میں اس کے دلائل معلوم ہیں نیز اس لئے کہ اس پر ان کا اتفاق ہے کہ کسی آدمی سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں وہ غرماء (قرض خواہوں) کے ساتھ شریک نہیں ہوگا(۱)۔

برہان الدین ابن مفلح نے کہا: وعدہ کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے، اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ قبضہ سے قبل ہبہ کرنے کے معنی میں ہے(۲)۔

ابوبکر جصاص نے اس کی صراحت کی ہے کہ کسی فعل کو مستقبل میں کرنے کا وعدہ جبکہ وہ فعل مباح ہو، تو ممکن حد تک اس کو پورا کرنا زیادہ بہتر ہے(۳)۔

پانچواں قول: محض وعدہ کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر کسی شرط پر معلق وعدہ ہو تو وہ لازم ہوگا، یہ حنفیہ کا مذہب ہے اس لئے کہ ابن نجیم نے قنیہ سے نقل کیا ہے: وعدہ لازم نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ معلق ہو (۴)۔

''الفتاوی البزازیہ'' میں ہے کہ تعلیق کی صورتوں سے آراستہ وعدے لازم ہوتے ہیں(۵)، مجلۃ الاحکام العدلیہ کی دفعہ (۸۴) کا متن ہے: تعلیق کی صورتوں میں وعدے لازم ہوتے ہیں، اس کی مثال: اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے: میرا دین اپنے مال سے ادا کرو اور وہ آدمی اس سے اس کا وعدہ کرلے پھر ادائیگی سے گریز کرے تو وعدہ کرنے والے پر دین کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی، اگر کوئی آدمی دوسرے سے کہے: یہ چیز فلاں سے بیچ دو، اگر وہ تم کو اس کا ثمن نہیں دے گا تو میں تم کو ثمن دے دوں گا، اور خریدار ثمن نہ دے تو مذکورہ ثمن وعدہ کرنے والے پر اس کے وعدہ کی وجہ سے لازم ہو جائے گا(۱)۔

حنفیہ کے نزدیک مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اگر دوسرے کو خبر دے کہ عنقریب وہ مستقبل میں ایک ایسا کام کرے گا جو اس کو پسند ہوگا تو اگر یہ کام اس پر واجب نہ ہو تو صرف وعدہ کر لینے سے اس پر لازم نہیں ہوجائے گا، اس لئے کہ وعدہ اختیاری امور کو وجوب اور لزوم میں تبدیل نہیں کرتا، البتہ اگر وعدے تعلیق کے قالب میں ڈھالے گئے ہوں تو وہ لازم ہوں گے اس لئے کہ شرط وجزاء کے درمیان ارتباط قوی ہوتا ہے، کیوں کہ جزا کے مضمون کا حصول اس کی شرط کے حصول پر موقوف ہوتا ہے، اور اس سے علیت اور معلولیت کے درمیان قوت ارتباط کی طرح وعدہ میں قوت پیدا ہوجاتی ہے، لہذا یہ لازم ہوجائے گا(۲)۔

لیکن حنفیہ نے تعلیق کی صورتوں میں صرف اس وقت وعدوں کو لازم قرار دیا ہے: جب کہ وعدہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو شرط پر معلق کرنا ان کے مذہب کے قواعد کے مطابق شرعاً جائز ہو، کیونکہ ان حضرات نے اطلاقات اور ولایات کو غیر مناسب کے بجائے صرف مناسب شرط پر معلق کرنے کی اجازت دی ہے اور خالص اسقاطات کو مناسب وغیر مناسب دونوں قسم کی شرطوں پر معلق کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن تملیکات اور تقییدات کو ان کے نزدیک شرط پر معلق کرنا

= الارادات ۳/ ۴۵۶۔

(۱) روضۃ الطالبین ۵/ ۳۹۰، فتح الباری ۵/ ۲۹۰، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام ر ۱۵۴، الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۶۰۔

(۲) المبدع ۹/ ۳۴۵۔

(۳) احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۴۲ (طاستنبول)۔

(۴) الاشباہ والنظائر لابن نجیم کتاب الحظر والاباحہ ر ۳۴۴۔

(۵) الفتاوی البزازیہ (بہامش الفتاوی الہندیہ) ۶/ ۳۔

(۱) شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱/ ۷۷۔

(۲) شرح المجلۃ للأتاسی ۱/ ۲۳۸-۲۳۹، حاشیۃ الحموی علی الأشباہ والنظائر ۲/ ۱۱۰، الفتاوی البزازیہ ۶/ ۳، شرح المجلی لعلی حیدر ۱/ ۷۷۔

جائز نہیں ہے(۱)۔

علماء میں سے جن لوگوں نے وعدہ پورا کرنے کے وجوب کی نفی کی ہے ان لوگوں نے اس ممانعت کو جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے اور جس کے کرنے والے کو اپنے اس ارشاد میں مبغوض قرار دیا ہے: "یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاَ تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَالاَ تَفْعَلُوْنَ" (۲) (اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں)۔

اس شخص پر محمول کیا ہے جو وعدہ کرے اور اس کے دل میں ہو کہ جس کا وعدہ کیا ہے اسے پورا نہیں کرے گا، یا اس انسان پر (محمول کیا ہے) جو اپنے بارے میں خیر کی ایسی بات کہتا ہے جسے وہ کرتا نہیں ہے(۳)۔

رہی حدیث! منافق کی تین علامتیں ہیں: "جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، تو ان لوگوں نے کہا: وعدہ خلافی کی مذمت محض اس کے مذموم جھوٹ پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے ہے بشرطیکہ وعدہ کے وقت ہی وعدہ خلافی کا پختہ ارادہ ہو نہ کہ اگر بعد میں پیش آجائے(۴)۔

امام غزالی نے کہا: یہ اس شخص پر محمول ہے جو وعدہ کرے اور بغیر عذر وعدہ خلافی کرنے یا پورا نہ کرنے کا عزم ہو، لیکن جو پورا کرنے کا عزم رکھے اور اس کو کوئی عذر پیش آجائے جو اس کو پورا کرنے سے مانع ہو تو وہ منافق نہیں ہوگا اگرچہ اس پر وہ چیز جاری ہوگئی ہے جو نفاق

(۱) شرح المجلۃ للأتاسی ۱/۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۹، رد المحتار لابن عابدین ۴/۲۲ ط بولاق۔
(۲) سورہ صف/۲-۳۔
(۳) احکام القرآن للجصاص ۳/۴۴۲۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح للملا علی قاری ۱/۱۰۶، حاشیۃ الحموی علی الاشباہ والنظائر ۲/۱۱۰۔

کی صورت ہے(۱)۔

حنفیہ نے کہا: وعدہ خلافی حرام ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت اس کی نیت میں ہو کہ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا نہیں کرے گا، لیکن اگر وعدہ کرتے وقت اس کی نیت میں ہو کہ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا پھر وہ پورا نہ کر سکے تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا(۲)۔

چھٹا قول: وعدہ اگر کسی سبب سے جڑا ہوا ہو اور موعود (جس سے وعدہ کیا ہے) سبب میں داخل ہوجائے تو اس کو پورا کرنا واجب ہوگا جیسے عقد پورا کرنا واجب ہوتا ہے اگر موعود سبب کو انجام نہ دے تو وعدہ کرنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور اس کی مثال جیسے اگر اس سے وعدہ کرے کہ اس کو اس گھر کا ثمن قرض دے دے گا جس کی خریداری کا وہ ارادہ کر رہا ہے اور موعود اس کو حقیقتاً خرید لے، یا یہ کہ وہ اس کو شادی کرنے میں مہر کی مقدار قرض دیدے گا اور وہ وعدہ پر اعتماد کر کے شادی کر لے تو ان دونوں جیسے حالات میں وعدہ کرنے والے پر اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے ادائیگی لازم ہوگی، لیکن اگر موعود سبب کو انجام نہ دے تو وعدہ کرنے والے پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

امام مالک کے مذہب میں یہی مشہور اور راجح قول ہے(۳)۔

قرافی نے اس کی نسبت مالک، ابن القاسم اور سحنون کی طرف کی ہے(۴)۔

ساتواں قول: اگر وعدہ کسی سبب سے جڑا ہوا ہو تو قضاءً اس کو پورا کرنا واجب ہوگا، خواہ موعود (جس سے وعدہ کیا ہے) سبب میں داخل

(۱) احیاء علوم الدین ۳/۱۱۵، الفتوحات الربانیہ لابن علان ۶/۲۵۹۔
(۲) حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ۲/۱۱۰۔
(۳) تحریر الکلام فی مسائل الالتزام للحطاب ۱۵۵، البیان والتحصیل لابن رشد ۸/۱۸، المنتقی شرح الموطا للباجی ۳/۲۲۷۔
(۴) الفروق للقرافی ۴/۲۵، مجالس العرفان لجعیط ۲/۳۴، اور عبد البر نے اپنی کتاب التمہید ۳/۲۰۸-۲۰۹ میں مالک، ابن القاسم اور سحنون سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے مقارنہ کیجئے۔

ہو یا نہ ہو، اور اگر کسی سبب سے جڑا ہوا نہ ہو تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا، اسی بنیاد پر اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے: میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنا ہل بیل تمہاری زمین کی جتائی کے لئے تم کو عاریت پر دوں گا یا میں تمہیں اتنا قرض دینا چاہتا ہوں تا کہ تم شادی کر لو یا مانگنے والا دوسرے سے کہے: میں چاہتا ہوں کہ سفر کروں یا اپنا دین ادا کروں، یا شادی کروں، لہذا آپ مجھے اتنی رقم قرض دیدیں اور وہ اس کا وعدہ کرلے پھر اسے کوئی نئی بات ظاہر ہو اور وہ موعود کے مذکورہ سبب یعنی سفر، شادی، دین کی ادائیگی یا زمین کی جتائی کے انجام دینے سے پہلے اپنے وعدہ سے رجوع کرلے تو وعدہ کرنے والے پر وعدہ پورا کرنا لازم ہوگا اگر وہ گریز کرے تو اس کے خلاف جبراً تنفیذ کا فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اگر وعدہ کسی سبب سے جڑا ہوا نہ ہو، جیسے اگر تم دوسرے سے کہو: مجھے اتنا قرض دیدو اور تم کسی سبب کا ذکر نہ کرو، یا اپنا چوپایہ یا اپنا بیل عاریت پر دیدو اور سفر یا کسی حاجت کا ذکر نہ کرو اور وہ کہے: ہاں، یا وعدہ کرنے والا خود سے کہے: میں تمہیں اتنا قرض دوں گا، یا اتنا ہبہ کردوں گا اور کوئی سبب ذکر نہ کرے، پھر اس سے رجوع کرلے تو اس کا پورا کرنا لازم نہ ہوگا، یہ مالکیہ کے مذہب میں ایک قول ہے(۱)۔

اس سے قریب اصبغ کا قول ہے جس کو باجی نے اپنے اس قول کے ساتھ نقل کیا ہے: اگر وہ ایسا وعدہ ہو جو موعود کو کسی چیز میں داخل نہ کررہا ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو واضح ہوگا یا مبہم ہوگا۔

اگر وہ واضح ہو: مثلاً کوئی آدمی دوسرے آدمی سے کہے: مجھے اپنا چوپایہ فلاں جگہ تک کے لئے عاریت پر دیدو اور وہ کہے: میں تمہیں کل عاریت پر دوں گا یا وہ کہے: مجھ پر دین ہے لہذا تم مجھے ۱۰۰ سو دینار قرض دے دو تا کہ میں اسے ادا کردوں اور وہ کہے: میں تمہیں قرض دیدوں گا۔

اس کے بارے میں اصبغ نے -العتبیۃ- میں کہا ہے اس کو اپنا وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسے وہ شخص جو آدمی کو کسی عقد میں داخل کرے، ظاہر مذہب اس کے خلاف ہے، اس لئے کہ اس نے اپنے وعدہ کے ذریعہ اس کو کسی ایسی چیز میں داخل ہی نہیں کیا ہے جو اس کو اس چیز پر مجبور کردے جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

اگر وہ مبہم ہو جیسے وہ اس سے کہے: مجھے ۱۰۰ سو دینار قرض دیدو اور ان دیناروں کی حاجت کا ذکر نہ کرے یا کہے: مجھے اپنا چوپایہ عاریت پر دیدو تا کہ میں اس پر سواری کروں اور اس سے کسی جگہ یا ضرورت کا ذکر نہ کرے تو اس کے بارے میں اصبغ نے کہا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔

اگر ہم پہلے مسئلہ کے بارے میں یہ کہیں کہ اس کو وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا جب کہ یہ معاملہ اس وعدے والے آدمی کو وعدے والے کام میں داخل کردے، جیسے وہ اس سے کہے: تم نکاح کرلو اور تمہیں جو مہر دینا ہے اسے میں تمہیں قرض دیدوں گا، تو اگر وہ موعود کے نکاح کرنے سے پہلے اپنے وعدہ سے رجوع کرلے، تو کیا اس کو اس وعدے کے پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اصبغ نے -العتبیۃ- میں کہا ہے: اس پر یہ لازم ہوجائے گا اور اس کو اس کا حکم دیا جائے گا، وعدہ کی وجہ سے انہوں نے اس پر اس کو لازم قرار دیا(۱)۔

وعدہ میں استثناء:

۶ -اکثر فقہاء نے صراحت کی ہے وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ

(۱) الفروق للقرافی ۴/ ۲۵، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام/ ۱۵۴، البیان والتحصیل ۸/ ۱۸، الاذکار مع الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۶۱، احکام القرآن لابن العربی ۴/ ۱۸۰۰۔

(۱) المنتقی للباجی ۳/ ۲۲۷، اور قرافی نے اصبغ کے حوالہ سے الفروق ۴/ ۲۵ میں جو کچھ نقل کیا ہے، اور جعیط نے مجالس العرفان ۲/ ۳۴ میں اصبغ سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے مقارنہ کیجئے۔

اپنے وعدہ میں: انشاء اللہ کے ذریعہ استثناء کر لے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلاَ تَقُوْلَنَّ لِشَيْئٍ إِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَداً إِلاَّ أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ" (۱) (اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے)، اس لئے کہ وعدہ کرنے والا نہیں جانتا کہ آیا اس سے (وعدہ) پورا ہوگا یا نہیں؟ تو اگر استثناء کر لے گا اور مشیت الٰہی پر معلق کر دے گا تو ناممکن ہونے کی حالت میں جھوٹ کی صورت سے نکل جائے گا۔

البتہ وعدہ میں استثناء کرنے کے حکم میں ان کے درمیان اختلاف ہے:

- غزالی نے کہا: یہ زیادہ بہتر ہے (۲)۔

- جصاص نے کہا: اگر اس کو استثناء سے نہ ملائے تو مکروہ ہوگا (۳)۔

- حنابلہ نے کہا: استثناء کے بغیر وعدہ کرنا حرام ہے (۴)۔

مواعدہ (ایک دوسرے سے وعدہ کرنا):

۷- مواعدہ: واعد سے مفاعلت کا وزن ہے۔

مالکیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے وعدہ کرے اس لئے کہ وہ مفاعلت کا صیغہ ہے جو دو کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے، لہذا اگر ایک وعدہ کرے دوسرا نہ کرے تو یہ وعدہ ہے۔

بعض فقہاء نے مواعدہ کی بعض صورتوں سے بحث کی ہے اور اس کے بعض احکام بیان کئے ہیں، اور یہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سورہ کہف ر ۲۳-۲۴۔

(۲) احیاء علوم الدین ۳ر ۱۱۵۔

(۳) احکام القرآن للجصاص ۳ر ۲۴۲۔

(۴) کشاف القناع ۶ر ۲۷۹، شرح منتہی الارادات ۳ر ۴۵۶، المبدع ۹ر ۳۴۵۔

الف- جو عمل فی الحال صحیح نہ ہو اس پر مواعدہ:

۸- فقہاء مالکیہ نے کہا: امام مالک کے نزدیک ایک قاعدہ ہے کہ جس عمل کا واقع ہونا فی الحال صحیح نہ ہو اس میں مواعدہ سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے، اسی وجہ سے امام مالک نے عدت میں نکاح پر باہم وعدہ کرنے، قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع پر جمعہ کی اذان کے وقت بیع پر اور جو کچھ تمھارے پاس نہ ہو اس کی بیع پر باہم وعدہ کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے (۱) اور قواعد الونشریسی میں ہے: جس عمل کا واقع ہونا فی الحال صحیح نہیں ہے اس میں باہمی وعدہ سے منع کرنا دراصل احتیاط کے طور پر ہے (۲) بایں معنی کہ ممنوع عقد پر مواعدہ اس کے انجام کار پر نگاہ رکھتے ہوئے ممنوع مقصد کے وسیلہ کی طرح ہے، لہذا جن مقاصد کو شریعت نے منع کیا ہے ان کی بے حرمتی وضیاع سے حفاظت کی جائے گی اس طرح کہ ان ذرائع کا سد باب کیا جائے گا جو ان کے لئے بے حرمتی وضیاع کا باعث بنیں۔

ب- عقد صرف پر مواعدہ:

۹- صرف پر مواعدہ کے بارے میں مالکیہ کے یہاں تین اقوال ہیں:

اول: جائز ہے۔

دوم: ممنوع ہے یہی مشہور ہے۔

سوم: مکروہ ہے۔ فی الحال صرف کے جواز کے پیش نظر یہ بھی مشہور ہے، یہ ایسے عقد سے مشابہ ہے جس میں تاخیر ہو (۳)۔

(۱) اعداد المهج للاستفادة من المنهج لاحمد بن احمد المختار الشنقيطي ر ۱۹۵، المنهج إلی المنهج لمحمد الامين بن احمد زيدان الجكني ر ۹۰، مواهب الجليل للحطاب ۳ر ۴۱۳، احكام القرآن لابن العربي ۱ر ۲۱۵، ايضاح المسالک إلی قواعد الامام مالک ر ۲۷۸۔

(۲) ایضاح المسالک إلی قواعد الامام مالک للونشریسی ر ۲۷۸۔

(۳) احکام القرآن لابن العربی ۱ر ۲۱۵، الخرشی وحاشیۃ العدوی علیہ ۵ر ۳۸، شرح المواق علی مختصر خلیل ۴ر ۳۰۹، اعداد المهج للاستفادة من المنهج ر ۱۹۵، المنهج إلی

شرح المواق علی مختصر خلیل میں ہے: صرف پر مواعدہ مکروہ ہے، اگر یہ واقع ہوجائے اور مواعدہ کے مطابق دونوں کے درمیان عقد صرف پورا ہوجائے تو ابن القاسم کے نزدیک اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا، اور اصبغ نے کہا: فسخ کردیا جائے گا(۱)۔

ونشریسی نے صرف پر مواعدہ کرنے اور عدت میں نکاح، قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع وغیرہ پر مواعدہ کرنے کے درمیان حکم میں فرق کی وجہ بیان کیا ہے (اس اعتبار سے کہ اس کو جائز ومکروہ کہا گیا ہے، ورنہ ایک قول اس کے ممنوع ہونے کا ہے)، چنانچہ فرمایا: ان دونوں میں ممنوع اس لئے ہے کہ ان دونوں میں عقد کو پختہ کرنا حرام ہے، لہذا مواعدہ کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے اور صرف میں عقد کا پختہ کرنا حرام نہیں ہے کہ مواعدہ کو بھی حرام قرار دیا جائے (۲)۔

امام شافعی نے صرف میں مواعدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جب دو شخص صرف کا مواعدہ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ دونوں چاندی خریدیں پھر دونوں میں سے کسی ایک کے پاس اس کو رکھ دیں یہاں تک کہ دونوں آپس میں خرید وفروخت کرلیں اور اس سے جو چاہیں بنائیں (۳)۔

= المنہج ۹۰، القوانین الفقہیہ ۲۵۵ (ط الدار العربیہ للکتاب)، المقدمات الممہدات ۵۰۸ (ط السعادۃ بمصر)، ایضاح المسالک ۲۷۹۔
(۱) شرح المواق علی مختصر خلیل ۴/ ۴۰۹۔
(۲) ایضاح المسالک ۲۸۰۔
(۳) الام ۳/ ۲۷ ط بولاق۔

وعظ

تعریف:

۱- لغت میں وعظ: وہ زجر وتوبیخ ہے جو خوف دلانے کے ساتھ ملا ہوا ہو، کہا جاتا ہے: "وعظه يعظه وعظاً وعظة": اطاعت کا حکم دینا اور اس کی وصیت کرنا۔

وعظ کا معنی: نصیحت کرنا اور انجام کی یاددہانی کرانا بھی ہے اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: "قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ" (۱) (آپ یہ کہئے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں)۔

وعظه فاتعظ: فرماں بردار ہونا اور نصیحت قبول کرنا، اور اسم موعظت ہے، یہ وہ قول یا فعل ہے جس کے ذریعہ نصیحت کی جائے اور واعظ: وہ ہے جو نصیحت کرے تذکیر کرے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے (۲)۔

اور اصطلاح میں وعظ: ان چیزوں میں بھلائی کی تذکیر جن کے بارے میں دل میں رقت پیدا ہوجائے (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

النصیحۃ:

۲- نصیحہ لغت میں: اخلاص، سچائی مشورہ اور عمل ہے(۴) اور

(۱) سورہ فاطر ۴۶۔
(۲) المصباح المنیر، المعجم الوسیط، القاموس المحیط، المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی۔
(۳) التعریفات للجرجانی۔
(۴) المصباح المنیر، المعجم الوسیط۔

اصطلاح میں نصیحہ: اس چیز کی طرف بلانا جس میں صلاح ہو اور اس چیز سے روکنا جس میں فساد ہو(۱)۔

وعظ ونصیحت کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک میں اس چیز کی دعوت ہوتی ہے جس میں صلاح ہو، نیز بھلائی کی تذکیر ہوتی ہے۔

شرعی حکم

۳- فقہاء کی عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ دراصل مستحب ہے، چنانچہ حصکفی نے کہا: منبروں پر تذکیر کرنا اور نصیحت قبول کرنا انبیاء اور مرسلین کی سنت ہے(۲)۔

ابن جوزی نے کہا: چونکہ وعظ ونصیحت مستحب ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "**وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ**"(۳) (اور انہیں سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**تعاهدوا الناس بالتذكرة**"(۴) (تذکیر کے ذریعہ لوگوں کا خیال رکھو)، لہذا میں نے اس فن میں کئی کتابیں لکھی ہیں(۵)۔

رحیبانی نے کہا: امام (احمد بن حنبل) نے بہت سے ایسے الفاظ کا ذکر کیا ہے جن سے وعظ پر ترغیب دلانا معلوم ہوتا ہے، اور واعظوں کی اچھی حالت ان فوائد میں سے ہے جو ان کے وعظ کا نتیجہ ہے(۶)۔

ابن العربی نے کہا: اللہ تبارک وتعالی کے ارشاد: "**وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ**"(۱) (اور یاد دلا ان کو دن اللہ کے) کی شرح میں فرمایا ہے۔ اور قرطبی نے ان کی پیروی کی ہے، کہ اس میں دلوں میں رقت پیدا کرنے والے اور یقین کو طاقت دینے والے وعظ کے جائز ہونے کی دلیل ہے(۲)۔

اور کبھی وعظ ممنوع ہوتا ہے، جیسے کہ وہ مصیبت کو بھڑکا دے تو اسے نوحہ میں شمار کیا جائے گا(۳)۔

ممنوع وعظ کی ایک مثال: سرداری، مال کی کمائی اور عوام کے نزدیک مقبولیت کے لئے وعظ کہنا ہے(۴)۔

چنانچہ "الفتاوی الہندیہ" میں ہے: واعظ کے لئے اپنے وعظ کی مجلس میں لوگوں سے کچھ مانگنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کمانا ہے(۵)۔

وعظ کے ارکان:

وعظ کے ارکان یہ ہیں: واعظ (وعظ کہنے والا) موعوظ (جس کو وعظ کیا جائے) اور وعظ کا اسلوب۔

ہم ذیل میں ان ارکان میں سے ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے:

پہلا رکن: واعظ:

واعظ کی شرطیں:

۴- واعظ میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں:

---

(۱) التعریفات للجرجانی۔
(۲) الدر المختار ۶/ ۴۲۱ ط الحلبی۔
(۳) سورہ ذاریات/ ۵۵۔
(۴) حدیث: "تعاهدوا الناس بالتذكرة..." کا ذکر دیلمی نے مسند فردوس (۲/ ۶۴ ط دار الکتاب العربی) میں بغیر سند کیا ہے۔
(۵) ابجد العلوم ۲/ ۵۳۵ (ط دار الکتب العلمیہ)۔
(۶) مطالب اولی النہی ۲/ ۲۶۱۔

(۱) سورہ ابراہیم/ ۵۔
(۲) احکام القرآن لابن العربی ۳/ ۱۱۰۴، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۹/ ۳۴۲۔
(۳) الانصاف ۲/ ۵۶۹، الفروع لابن المفلح ۲/ ۲۹۱۔
(۴) الدر المختار ۶/ ۴۲۱ ط الحلبی، الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۱۹، الآداب الشرعیہ ۲/ ۹۱۔
(۵) الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۱۹۔

الف-اس کا مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

ب-عادل ہونا۔

ج-اس کا محدّث ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو حدیث کی کتابوں سے مناسبت ہو بایں طور کہ اس نے ان کے الفاظ کو پڑھا ہو، ان کے معانی کو سمجھا ہو اور ان کی صحت وسُقم سے واقف ہو، خواہ کسی حافظ کے خبر دینے یا کسی فقیہ کے استباط کے ذریعہ سے ہو۔

د-اس کا مفسر ہونا، اور اس سے مراد ہے جو کتاب اللہ کے غریب (الفاظ) کی شرح اس کے مشکل کی توجیہ نیز اس کی تفسیر کے متعلق سلف سے جو کچھ منقول ہے اس سے واقف ہو۔

اسی کے ساتھ مستحب یہ ہے کہ وہ ایسا فصیح ہو کہ لوگوں کے ساتھ صرف ان کی سمجھ کے بقدر بات کرتا ہو، نیز وجاہت اور مروت والا نرم شخص ہو۔

ھ-وہ آسانی پیدا کرنے والا ہو مشکل میں ڈالنے والا نہ ہو(۱)۔

واعظ کے آداب

۵-واعظ، عالم، معلم اور ان جیسے لوگوں کے بعض آداب یہ ہیں:

وہ ان افعال، اقوال اور تصرفات سے اجتناب کرے جن کا ظاہر صحیح نہ ہو اگر چہ وہ ان میں حق پر ہو اس لئے کہ جب وہ ایسا کرے گا تو اس پر کئی مفاسد لازم آئیں گے۔

ایک مفسدہ: جن لوگوں کو اس کی اس بات کا علم ہوگا ان میں سے بہت سے اس وہم میں پڑ جائیں گے کہ یہ ہر حال میں اپنے ظاہر پر جائز ہے اور یہ کہ وہ چیز ہمیشہ کے لئے شریعت، اور معمول بن جائے گی، اس موقع اور محل سے قطع نظر جس کے ساتھ وہ مقید ومحصور تھی۔

ایک مفسدہ: لوگ واعظ کی تنقیص کریں گے کہ وہ ایسا کام کرتا ہے جو نا جائز ہے، تو لوگ اس پر اپنی زبانیں چلائیں گے اور اس سے متنفر کریں گے۔

ایک مفسدہ: لوگ اس سے بدگمانی کریں گے اس سے نفرت کریں گے، دوسروں کو اس سے علم حاصل کرنے سے نفرت دلائیں گے، اور اس کی روایات اور شہادتیں ساقط ہو جائیں گی، اس کے فتوی پر عمل کرنا باطل ہو جائے گا، اور جو علوم وہ بیان کرے گا اس پر اعتماد جاتا رہے گا، اس لئے کہ اس کے بارے میں زبانیں چلیں گی جو عادۃً ایسے شخص پر قلت اعتماد کی متقاضی ہوتی ہیں، اور یہ ظاہری مفاسد ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے، لہذا اگر ایسی کسی چیز کی اس کو ضرورت ہو اور درحقیقت وہ حق پر ہو تو مذکورہ نقصان ہونے کے اندیشہ سے اس کو ظاہر نہ کرے اور اگر اس کے قصد کے بغیر وہ ظاہر ہو جائے، یا وہ اس کو قصداً ظاہر کرے تاکہ مثلاً اس کا جواز معلوم ہو جائے، تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ یہ کام جو میں نے کیا ہے حرام نہیں ہے، میں نے اس کو اس لئے کیا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس طریقہ پر ہو جس کو میں نے کیا ہے، اور وہ طریقہ یہ اور یہ ہے اور اس کی دلیل یہ اور یہ ہے، اس لئے کہ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے منقول ہے، راوی کہتے ہے: "**لما سئل عن منبر رسول الله ﷺ قال: قام عليه رسول الله ﷺ حين عمل ووضع، فاستقبل القبلة، كبر وقام الناس خلفه، فقرأ وركع وركع الناس خلفه، ثم رفع رأسه، ثم رجع القهقرى فسجد على الأرض، ثم عاد إلى المنبر، ثم ركع ثم رفع رأسه، ثم رجع القهقرى حتى سجد بالأرض ثم أقبل على الناس فقال: يا أيها الناس، إني صنعت هذا لتأتموا بي، ولتعلموا صلاتي**"(۱) (جب ان

---

(۱) ابجد العلوم ۲/ ۵۳۶ ط دار الکتب العلمیہ۔

(۱) حدیث سہل بن سعدؓ: "لما سئل عن منبر رسول الله ﷺ" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/ ۴۸۶) اور مسلم (۱/ ۳۸۷) نے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں سوائے مرفوع قول کے کہ وہ مسلم کا ہے۔

سے رسول اللہ ﷺ کے منبر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: جب اس کو بنایا گیا اور رکھا گیا تو نبی کریم ﷺ اس پر کھڑے ہوئے اور قبلہ کا رخ کیا، تکبیر کہی اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے تلاوت کی اور رکوع کیا، اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے رکوع کیا پھر آپ ﷺ نے سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں پیچھے کو آئے اور زمین پر سجدہ کیا، پھر منبر پر لوٹ گئے پھر رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں پیچھے کو آئے یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو! میں نے یہ اس لئے کیا تا کہ تم میری اقتدا کرو اور میری نماز سیکھ لو)، نیز ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کی حدیث ہے فرماتی ہیں: "كان النبی ﷺ معتكفاً فأتيته أزوره ليلاً، فحدثته ثم قمت لأنقلب، فقام معي ليقلبني، وكان مسكنها في دار أسامة بن زيد، فمر رجلان من الأنصار، فلما رأيا النبی ﷺ أسرعا، فقال النبی ﷺ: على رسلكما، إنها بنت حيي، فقالا: سبحان الله يا رسول الله، فقال: إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم، وإني خشيت أن يقذف في قلوبكما شراً"(۱) (نبی کریم ﷺ اعتکاف میں تھے تو میں آپ کی زیارت کے لئے رات کو آئی، میں نے آپ ﷺ سے بات چیت کی پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہوئی تو مجھے واپس کرنے کے لئے آپ ﷺ بھی کھڑے ہو گئے اور ان (حضرت صفیہ) کی رہائش حضرت اسامہ بن زید کے گھر میں تھی، تو انصار کے دو آدمیوں کا گذر ہوا، ان دونوں نے جب نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو جلدی کی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو یہ خاتون حیی کی بیٹی ہیں تو دونوں کہنے لگے

(۱) حدیث صفیہؓ: "كان النبی ﷺ معتكفاً" کی روایت بخاری، فتح الباری ۴/ ۲۷۸) اور مسلم (۴/ ۱۷۱۲) نے کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول تو آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ تمہارے دل میں بری بات ڈال دے)۔

نیز مروی ہے: "إن علياً شرب قائماً"(۱) (حضرت علیؓ نے کھڑے ہوکر پانی پیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وہ عمل فرمایا جیسا کہ تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا)۔

ابن علان نے کہا: حضرت علیؓ کا عمل آنحضرت ﷺ کی شریعت کی تبلیغ کے لئے ہے اور آپ ﷺ کا فعل بیان جواز کے لئے ہے اور یہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ کھڑے ہوکر پینے سے آنحضرت ﷺ کا منع کرنا (۲) تحریم کے طور پر نہیں ہے بلکہ کراہت اور تنزیہ کے طور پر ہے(۳)۔

جو وعظ کا اہل نہ ہو اس کو وعظ سے روک دینا:

٦ - شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ جو وعظ کے درپے ہو جب کہ وہ اس کا اہل نہ ہو یا جھوٹ بولتا ہو تو اس کو اس سے روک دیا جائے گا اس لئے کہ کسی تاویل یا تحریف میں اس سے لوگوں کے دھوکا کھا جانے کا اندیشہ ہے(۴)۔

بدعتی کی مجلس میں حاضر ہونا صرف اس کی تردید کے اظہار کی نیت ہی سے جائز ہوگا یا تو تمام کے لئے اگر اس پر قادر ہو، یا اس کے ارد گرد کے بعض حاضرین کے لئے اور اگر قادر نہ ہو تو اس کے لئے بیٹھنا

(۱) حدیث علیؓ: "أنه شرب قائماً" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/ ۸۱) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "نهيه ﷺ عن الشرب قائماً" کی روایت مسلم (۳/ ۱۶۰۰) نے حضرت انس بن مالک سے کی ہے۔

(۳) الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۸۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۴) روضۃ الطالبین ۱۰/ ۲۱۸ ط المکتب الاسلامی، الآداب الشرعیہ ۱/ ۸۹-۹۳۔

جائز نہ ہوگا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِي حَدِيْثٍ غَيْرِهِ"(۱) (اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں)۔

دوسرا رکن: موعوظ (جس کو وعظ کیا جائے):

۷-موعوظ کے بعض آداب درج ذیل ہیں:

الف-موعوظین اور وعظ کے سامعین کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ واعظ کے سامنے خاموشی اختیار کریں اور آپس میں بات چیت نہ کریں اور اگر خاموش نہ رہیں تو واعظ کو حق ہوگا کہ وہ حاضرین سے اپنے وعظ کو غور سے سننے کا مطالبہ کرے، کیوں کہ یہ وعظ کے ان تک آسانی سے پہنچ جانے کا سبب ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت جریر بن عبداللہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "**استنصت الناس، فقال: لا ترجعوا بعدی كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض**"(۲) (لوگوں کو خاموش کردو اور فرمایا: میرے بعد منکر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں)، علماء نے کہا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے سامنے متعلمین کا خاموش رہنا لازم ہے، اس لئے کہ علماء انبیاء کے ورثاء ہیں اور مذکورہ خطبہ حجۃ الوداع میں تھا اور مجمع بہت زیادہ تھا اور ان کا اجتماع رمی جمار اور دوسرے مناسک حج کے لئے تھا اور نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: "**خذوا عنی مناسككم**"(۳) (تم لوگ مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو) تو جب ان کو سکھلانے کے لئے ان سے خطاب کیا تو مناسب ہوا کہ ان کو خاموش رہنے کا حکم دیں۔

سفیان ثوری وغیرہ نے کہا: علم کی ابتدا بغور سننا پھر خاموش رہنا، پھر یاد رکھنا پھر عمل کرنا پھر پھیلانا ہے(۱)۔

ب- اور موعوظین (جن کو وعظ ونصیحت کی جائے) اور سامعین کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ واعظ کی طرف رخ کریں۔

ج- اور ان کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وعظ کے درمیان کھیل کود اور شور وشغب نہ کریں۔

د- اور ان کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ہر مسئلہ میں واعظ سے کثرت سے سوال نہ کریں بلکہ جب کوئی خیال آئے تو اگر مسئلہ سے اس کا قوی تعلق نہ ہو یا وہ اتنا دقیق ہو کہ عوام کی فہم سے بالاتر ہو تو موعوظ کو موجودہ مجلس میں اس سے خاموشی اختیار کرنا چاہئے پھر اگر چاہے تو اس سے تنہائی میں پوچھ لے اور اگر اس کا قوی تعلق ہو جیسے کسی اجمال کی تفصیل یا کسی غیر مانوس کی شرح تو انتظار کرے تا آنکہ اس کی بات پوری ہو جائے(۲)۔

تیسرا رکن: وعظ کا اسلوب اور اس کا طریقہ:

وعظ کے اسلوب میں مندرجہ ذیل رعایت کی جائے گی:

اول: ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جن کی دلالت مراد پر واضح ہو:

۸-واعظ کو چاہئے کہ مراد پر واضح دلالت کرنے والے الفاظ استعمال

---

(۱) سورہ انعام/ ۶۸۔

(۲) حدیث جریر بن عبد اللہ: "استنصت الناس" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/ ۲۱۷) اور مسلم (۱/ ۸۱-۸۲) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "خذوا عنی مناسككم" کی روایت مسلم (۲/ ۹۴۳) نے اور = بیہقی نے السنن (۵/ ۱۲۵) حضرت جابر بن عبداللہ سے کی ہے، اور الفاظ بیہقی کے ہیں۔

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱/ ۲۱۷، الفتوحات الربانیہ ۶/ ۲۸۱، دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ۳/ ۱۶۵۔

(۲) ابجد العلوم ۲/ ۷-۵۳۸-۵۳۔

کر کے کلام کی وضاحت کرے اور موعوظ کے تعلق سے غیر مانوس کلمات سے اجتناب کرے اور کلمات کے حروف میں سے کسی چیز کو مخفی نہ رکھے تا کہ موعوظ پر اس کا سمجھنا آسان ہو جائے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے فرماتی ہیں: "كان كلام رسول اللهﷺ كلاماً فصلاً يفهمه كل من سمعه"(۱) (نبی کریم ﷺ کا کلام جدا جدا اور دوٹوک ہوتا تھا جس کو ہر سننے والا سمجھ سکتا تھا)، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایک کو اس کی سمجھ کے مطابق اور اس کی استعداد کے لحاظ سے مخاطب فرماتے تھے۔

اس حدیث کی شرح میں ابن علان نے سخاوی سے نقل کرتے ہوئے کہا: "كلاماً فصلاً"، یعنی اس کے مختصر ہونے کے باوجود بیان اور وضاحت کے لئے اس کا بعض بعض سے جدا ہوتا تھا۔ پھر کہا: اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا معنی دوسرے معنی سے ملتبس مشتبہ نہیں ہوتا تھا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد ہو: حق و باطل کے درمیان فصل کرنے والا یا باطل سے جدا اور اس سے محفوظ ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے کلام میں سرے سے باطل ہوتا ہی نہیں تھا اور پہلا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔

حضرت عائشہؓ کا قول: اس کو ہر سننے والا سمجھ سکتا تھا یعنی جو اہل فہم میں سے ہو(۲)۔

دوم: وعظ کے کلمات کو دہرانا:

۹- واعظ کے لئے مناسب ہے کہ اگر موعوظ اس کے کلمات کو دہرائے بغیر نہ سمجھ سکے تو کلمات کو دہرائے، یا اگر اس سے غرض ان کلمات کے معانی کی طرف مزید توجہ کرنا ہو یا اگر یہ مخاطبین کی کثرت کی وجہ سے ہو تو وہ دہرائے، یہاں تک کہ سب کے سن لینے کا یقین ہو جائے، اس لئے کہ حضرت انسؓ کی حدیث نبی کریم ﷺ کے متعلق ہے: "أنه كان إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً حتى تفهم عنه"(۱) (آپ ﷺ جب کوئی بات فرماتے تھے تو اس کو تین بار دہراتے تھے تا کہ اس کو آپ سے سمجھ لیا جائے)۔

ابن علان نے کہا: یہاں کلمہ سے مراد وہ جملہ یا جملے ہیں جن کے الفاظ یا معانی بغیر اعادہ کے واضح نہ ہوتے ہوں، تو نبی کریم ﷺ اسی وجہ سے ان کا اعادہ فرماتے تھے یا یہ اس صورت پر محمول ہے جب سامعین کو ایسی چیز پیش آ جائے جو ان پر التباس پیدا کر دے تو آپ ﷺ ان کے لئے اس کا اعادہ کر دیتے تھے تا کہ وہ اس کو سمجھ سکیں، یا اس صورت پر محمول ہے جب لوگ زیادہ ہوتے تھے اور سب کے سن لینے کا آپ ﷺ کو یقین نہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ اعادہ کرتے تھے تا کہ سب سن لیں پھر انہوں نے کہا: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ معلم کے لئے مستحب ہے کہ جس چیز کو دہرانے کی ضرورت ہو اس کا اعادہ کرے تا کہ اس سے (بات) سمجھی جا سکے(۲)۔

سوم: وعظ میں لوگوں کے حالات کی رعایت کرنا:

۱۰- وعظ کے اسلوب میں اس کی رعایت کی جائے گی کہ واعظ لوگوں سے ایسی گفتگو نہیں کرے گا جس کو وہ سمجھ نہ سکیں اور جو ان چیزوں میں سے ہو جن کو قبول کرنے کی طاقت ان کی عقلوں میں نہ ہو یا اس کا جو مفہوم ہے اس کے غموض اور دقت کے سبب وہ اس کی تعبیر کی قدرت

---

(۱) حدیث: "كان كلام النبيﷺ فصلا...." کی روایت ترمذی (۵/۶۰۰) اور ابوداؤد (۵/۱۷۲) نے کی ہے اور الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) فتح الباری شرح البخاری ۱/۱۸۸-۱۸۹، الفتوحات الربانیہ ۶/۲۹۶، دلیل الفالحین ۳/۱۶۴۔

(۱) حدیث: "كان النبيﷺ كان إذا تكلم..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۱۸۸) نے کی ہے۔

(۲) الفتوحات الربانیہ ۵/۲۹۶، دلیل الفالحین ۳/۱۶۴، فتح الباری ۱/۱۸۸۔

نہ رکھتے ہوں اس لئے جب وہ اس کو نقل کرنا اور اس کی تعبیر کرنا چاہیں تو ان پر اس میں تحریف کر دینے کا اندیشہ ہو، اگر چہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو مخاطب کی عقل سمجھ سکتی ہو، اسی طرح وہ ان سے ایسی چیز بیان نہیں کرے گا جس کو ذہن کی طرف متبادر مراد کے خلاف پر محمول کر لینے کا اندیشہ ہو، لہذا عالم واعظ اور داستان گو کو بیان حال کے بغیر اس کا ذکر کرنے سے منع کر دیا جائے گا تا کہ مخاطب اس کو خلاف مراد پر محمول نہ کرے، اس لئے کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا: "**حدثوا الناس بما يعرفون، ودعوا ما ينكرون، واتركوا ما يشتبه عليهم فهمه، أتحبون أن يكذب الله ورسوله**"(۱) (لوگوں سے ایسی بات کرو جس کو وہ جانتے ہوں، اور جس سے وہ ناواقف ہوں اس کو چھوڑ دو، اور جس کا سمجھنا ان پر اشتباہ پیدا کرے اس کو ترک کردو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے)۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ متشابہات کو عوام کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہئے (۲)۔

نیز اس لئے بھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "**ما أنت بمحدث قوماً حديثاً لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة**"(۳) (تم جب بھی کسی قوم کو ایسی بات بتاؤ گے جس تک ان کی عقلیں نہ پہنچ رہی ہوں تو ان میں سے بعض کے لئے وہ بات فتنہ بن جائے گی)۔

(۱) اثر علی: "حدثوا الناس بما يعرفون..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱؍۲۲۵) نے کی ہے۔
(۲) الفتوحات الربانیہ ۶؍۲۷۹ اور اس کے بعد کے صفحات، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱؍۲۲۵۔
(۳) اثر ابن مسعود: "ما أنت بمحدث قوماً" کی روایت مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ (۱؍۱۱) میں کی ہے۔

چہارم: وعظ میں میانہ روی:

۱۱ – وعظ میں اس کی رعایت رکھی جائے گی کہ اس میں اکتاہٹ اور بیزاری تک پہنچا دینے والی تفصیل اور خلل ڈالنے یا بات سمجھنے کی دشواری تک پہنچا دینے والا اختصار نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی ہو اس لئے کہ معاملات میں سب سے بہتر ان کے درمیان والا ہوتا ہے، سب سے بہتر وعظ وہ ہے جو عمدہ الفاظ والا جامع بلیغ اور نفع بخش ہو، نیز بہتر کلام وہ ہوتا ہے جو مختصر اور مکمل ہو، اس لئے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: "**سمعت رسول الله ﷺ يقول إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة**"(۱) (میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور اس کے خطبہ کا مختصر ہونا اس کی فقہ (سمجھ داری) کے لائق ہے، لہذا نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو)۔

علماء نے کہا: اور ایسا اس لئے کہ فقیہ جانتا ہے کہ نماز مقصود بالذات ہے اور خطبہ اس کی تمہید ہے تو وہ توجہ کا رخ اہم کی طرف کر دیتا ہے نیز نماز بندے کی بندگی ہے اور اس میں طول دینا بندگی میں مبالغہ کرنا ہے اور خطبہ سے مقصد تذکیر ہے اور جو کم ہو اور (دل میں) بیٹھ جائے وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور نکل جائے (۲)۔

۱۲ – اور علماء کا مذہب ہے کہ وعظ میں لوگوں کا خیال رکھنا اور ان کو نصیحت کرنے میں اوقات کی رعایت کرنا مستحب ہے اور ایسے وقت کا انتخاب کرے گا جس میں قبول کرنے کا غالب گمان ہو روزانہ لوگوں کو

(۱) حدیث: "إن طول صلاة الرجل..." کی روایت مسلم (۲؍۵۹۴) نے کی ہے۔
(۲) الفتوحات الربانیہ ۶؍۲۳۶ اور اس کے بعد کے صفحات، دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ۳؍۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۲، فتح الباری ۱؍۱۶۳، الآداب الشرعیہ ۱؍۹۸، ۲؍۹۳۔

وعظ نہیں کرے گا تا کہ وہ وعظ سے اکتا نہ جائیں۔

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے نشاط پائے جانے کی رعایت کے ساتھ حاجت (کا ہونا) ہے اس لئے کہ جب وعظ زیادہ ہوں تو دلوں میں اثر نہیں ڈالیں گے لہذا کثرت کرنے سے وعظ کا فائدہ ہی ختم ہو جائے گا۔

علماء کا مذہب یہ بھی ہے کہ واعظ کا اپنے وعظ کے لئے کوئی معین وقت جیسے جمعرات مقرر کر لینا مستحب ہے (۱) اور ان تمام چیزوں میں اصل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: "**كان النبی ﷺ يتخولنا بالموعظة فی الأيام كراهة السآمة علينا**" (۲) (نبی کریم ﷺ ہماری اکتاہٹ کو ناپسند کرنے کی وجہ سے دنوں میں وعظ فرمانے میں ہمارا خیال رکھتے تھے)۔

اسی طرح وہ بھی اصل ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے: "**أنه كان يذكر الناس فی كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوودت أنک ذكرتنا كل يوم، قال: أما إنه يمنعنی من ذلک أنی أكره أن أملكم، وإنی أتخولكم بالموعظة كما كان النبی ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا**" (۳) (وہ لوگوں کو ہر جمعرات کو نصیحت کرتے تھے تو ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر روز ہم کو نصیحت کرتے: فرمایا: سنو مجھے اس چیز سے یہ بات مانع ہے کہ مجھے یہ ناپسند ہے میں تمہیں اکتا دوں اور میں وعظ میں تمہارا خیال رکھتا ہوں جیسا کہ ہماری اکتاہٹ کے اندیشہ سے نبی کریم ﷺ وعظ میں ہمارا خیال رکھتے تھے)۔

پنجم: برائی سے واقفیت حاصل کرنا اور اس کے مرتکب کو وعظ کہنے کی کیفیت:

۱۳ – واعظ پر لازم ہے کہ وہ اس برائی سے واقف ہو جس سے وہ منع کر رہا ہے نیز موعوظ کی حالت سے واقف ہو کہ اس نے اس کا ارتکاب ناواقفیت میں کیا ہے یا جان بوجھ کر، علماء نے ان میں سے ہر ایک کو وعظ ونصیحت کرنے کے درجات کی صراحت ہے:

چنانچہ منکرات سے روکنا وعظ ونصیحت اور اللہ تعالیٰ سے خوف دلانے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جو اس عمل پر یہ جانتے ہوئے اقدام کرے کہ یہ منکر ہے، یا اس کے منکر ہونے کو جان لینے کے بعد اس پر مصر ہو جیسے وہ شخص جو شراب نوشی ظلم کرنے، مسلمانوں کی غیبت کرنے یا اس جیسی چیز پر پابندی کرتا ہو تو مناسب ہوگا کہ اس کو نصیحت کی جائے اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا جائے اور اس سے متعلق وعید والی احادیث اس سے بیان کی جائیں، اور سلف کی سیرت اور متقیوں کی عبادت اس سے بیان کی جائے، اور یہ سب شفقت ومہربانی کے ساتھ سختی اور غصہ کے بغیر ہو، بلکہ اس کی طرف اس پر رحم کرنے والے کی نظر سے دیکھے، اور معصیت پر اس کے اقدام کو اپنے لئے مصیبت سمجھے اس لئے کہ مسلمان ایک جان کی طرح ہیں۔

بعض سلف نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وعظ ونصیحت ایسی رازداری سے ہو کہ اس سے کوئی بھی مطلع نہ ہو اس لئے کہ جو مجمع میں ہوگا وہ توبیخ (جھڑکنا) اور فضیحت کرنا ہوگا اور جو راز میں ہوگا وہ شفقت اور خیر خواہی کے طور پر ہوگا۔

---

(۱) فتح الباری ۱/ ۱۶۲ - ۱۶۳، عمدۃ القاری ۲/ ۴۴ - ۴۷، الطبعۃ المنیریہ، قواعد الاحکام ۲/ ۱۷۶ ط دار الکتب العلمیہ، الآداب الشرعیہ ۲/ ۱۰۸، طبع مکتبۃ الریاض الحدیثہ۔

(۲) حدیث: "كان النبی ﷺ يتخولنا بالموعظة..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/ ۱۶۲) نے کی ہے۔

(۳) حدیث ابن مسعود: "أنه كان يذكر الناس..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/ ۱۶۳) نے کی ہے۔

چنانچہ ام الدرداء صغری سے مروی ہے، انہوں نے کہا: جو اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر وعظ کرے گا وہ اس کو زینت بخشے گا اور جو اس کو کھلم کھلا وعظ کرے گا وہ اس کی توہین کرے گا(۱)۔

شیخ عبد القادر جیلانی نے کہا: اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اس کو خلوت میں امر و نہی کرے، تاکہ یہ اس کو وعظ کرنے زجر کرنے اور خیر خواہی کرنے میں زیادہ بلیغ اور موثر ہو اور قبول کرنے اور باز آنے کے زیادہ قریب ہو، اگر ایسا کر لے اور اس کو فائدہ نہیں ہو تو - اس وقت - اس کو کھلم کھلا نصیحت کرے گا اور اس کے خلاف اہل خیر سے تعاون حاصل کرے گا اور اگر فائدہ نہ ہو تو سلطان کے لوگوں سے مدد لے گا(۲)۔

۱۴- علماء نے کہا: نہی عن المنکر کے درجات میں سے سخت و درشت بات کے ذریعہ سختی کرنا بھی ہے، لیکن نرمی سے منع کرنے سے عاجز ہونے، اصرار کی علامات کے ظاہر ہونے اور وعظ و نصیحت پر استہزاء کرنے کے وقت اس کو اختیار کرے گا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "**أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ**"(۳) (تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے)۔

نیز یہ واجب ہے کہ سخت و درشت بات کرنے سے امر و نہی کرنے والے کا مقصد اس برائی سے مامور کو لوٹانا ہو نہ کہ اپنے نفس کے لئے بدلہ لینا ہو(۴)۔

ششم - وہ آیات، احادیث اور قصے جن کو وعظ میں استعمال کرنا چاہئے:

۱۵- بعض محققین نے کہا: وعظ کرنے نیز گناہوں اور معاصی کے ترک پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے امر و نہی کرنے والے کو چاہئے کہ اس میں چار انواع استعمال کرے:

اول: نافرمانی کرنے والوں اور گنہگاروں کو خوف دلانے والی جو آیات قرآن میں ہیں نیز اسی طرح جو احادیث و آثار اور سلف یعنی علماء و صلحاء وغیرہ کے اقوال ہیں ان کی یاد دہانی کرائے۔

دوم: انبیاء اور سلف کے واقعات اور ان کو پیش آنے والے مصائب بیان کرے۔

سوم یہ کہ: یہ ثابت کرے کہ گناہ پر دنیا میں بھی فوری سزا ہو سکتی ہے، نیز بندہ کو جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب اس کے جرائم کے سبب ہوتی ہیں اس لئے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں جو اپنی جہالت کی وجہ سے آخرت کے معاملہ میں تساہل ہوتے ہیں لیکن دنیا میں اللہ کے عذاب سے زیادہ ڈرتے ہیں تو اس سے بھی خوف دلانا چاہئے، اس لئے کہ تمام گناہوں کی نحوست دنیا میں جلد آجاتی ہے، چنانچہ حضرت ثوبان کی مرفوع حدیث میں ہے: "**إن الرجل ليحرم الرزق بسبب الذنب يصيبه**"(۱) (آدمی بلاشبہ روزی سے اس گناہ کے سبب محروم ہو جاتا ہے جس کو وہ کرتا ہے)۔

حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: "**إني لأحسب أن العبد ينسى العمل بذنب يصيبه**" (میں سمجھتا ہوں کہ بندہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے عمل کو بھول جاتا ہے)۔

چہارم: واعظ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ الگ الگ گناہوں پر اس

---

(۱) اثر ام الدرداء: "من وعظ أخاه سراً..." کی روایت بیہقی نے شعب الایمان (۶/ ۱۱۲ ط دار الکتب العلمیہ) میں کی ہے۔

(۲) الکنز الاکبر/ ۲۳۸-۲۴۰، الآحیاء ۲/ ۱۸۲، القنیہ/ ۵۸۔

(۳) سورہ انبیاء/ ۶۷۔

(۴) الإحیاء ۲/ ۳۳۰، الکنز الأکبر/ ۲۴۳۔

(۱) حدیث: "إن الرجل ليحرم الرزق..." کی روایت احمد (۵/ ۲۷۷) نے کی ہے اور اس کی سند میں حضرت ثوبان سے روایت کرنے والے مجہول ہیں جیسا کہ ذہبی کی المیزان (۲/ ۴۰۰) میں ہے۔

کے محل میں واقع ہونے والی سزاؤں کا ذکر کرے، جیسے شراب، زنا، چوری، قتل، غیبت، گھمنڈ، حسد اور اس کے علاوہ وہ تمام گناہ جو بے شمار ہیں(۱)۔

وعظ سے متعلق احکام:

وعظ کے کچھ احکام ہیں جن کو فقہاء نے مختلف فقہی ابواب میں بیان کیا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

الف- بیوی کو نصیحت کرنا:

۱۶- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی اگر نافرمانی کرے تو شوہر اس کو نصیحت کرے گا اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ فَإِنۡ أَطَعۡنَكُمۡ فَلاَ تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلاً**''(۲) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو، تو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو)۔

اگر نافرمانی کی علامتیں ظاہر ہوں تو بیوی کو نصیحت کرنے کے متعلق ان کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل ''نشوز''، فقرہ/ ۱۴ میں ہے۔

نصیحت اس طرح ہوگی کہ شوہر اس سے کہے گا: تم نیک فرمانبرداری کرنے والی اور غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی عورتوں میں سے ہوجاؤ، اور ایسی ایسی عورتوں میں سے نہ بنو اور اللہ نے اس پر جو حق واجب کیا ہے، اور مخالفت کی وجہ سے اس کو جو گناہ ہوگا اس کا تذکرہ کرے، اور اس کی وجہ سے جو نفقہ اور کپڑا ساقط ہوجائے گا، نیز مرد کے لئے عورت سے جو قطع تعلق اور ضرب مباح ہوجائے گا اس کو بیوی سے بیان کرے(۱)۔

ب- لعان کرنے والے مرد و عورت کو وعظ:

۱۷- مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کو وعظ کے ذریعہ خوف دلانا مسنون ہے، اس طرح کہ دونوں سے لعان شروع کرنے سے پہلے، پہلی یمین کے وقت، نیز دوسری تیسری چوتھی اور خاص طور سے پانچویں یمین شروع کرتے وقت کہے: اللہ کی جھوٹی قسم کھانے میں دنیوی اور اخروی وبال ہے، اور حق کا اعتراف کرنے میں نجات ہے، اگر چہ اس پر حد لازم آجائے، اس لئے کہ یہ اس کے لئے کفارہ ہوگی وغیرہ۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ہلال سے فرمایا تھا: ''**اتق الله فإن عذاب الدنيا أهون من عذاب الآخرة**''(۲) (اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں معمولی ہے)۔

اور دونوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائے: ''**إِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَأَيۡمَانِهِمۡ ثَمَناً قَلِيۡلاً أُولٰئِكَ لَا خَلاَقَ لَهُمۡ فِی الآخِرَةِ وَلَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ إِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيۡمٌ**''(۳) (بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہیں، اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے)۔

---

(۱) الکنز الأکبر ۱/ ۲۴۱-۲۴۲۔

(۲) سورۂ نساء/ ۳۴۔

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۴، کشاف القناع ۵/ ۲۰۹، مغنی المحتاج ۳/ ۲۵۹۔

(۲) حدیث: ''اتق الله فإن عذاب الدنيا أهون من عذاب الآخرة...'' کی روایت ابوداؤد (۲/ ٦٨٩) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔

(۳) سورۂ آل عمران/ ۷۷۔

ان دونوں سے اس طرح کہا جائے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے دونوں لعان کرنے والوں سے فرمایا تھا: "إن الله يعلم أن أحدكما كاذب فهل منكما من تائب"(۱) (بے شک اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں کوئی ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں کوئی توبہ کرنے والا ہے)۔

اور ابن شاس نے کہا: لعان کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کو خوف دلایا جائے اور شوہر سے کہا جائے: اللہ سے توبہ کرلو تم کو کوڑے لگائے جائیں گے اور گناہ تم سے ساقط ہوجائے گا اور عورت سے بھی اسی طرح کہا جائے گا۔

اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قاضی، نیز جو قاضی کے حکم میں ہو دونوں لعان کرنے والوں کے لعان کی پانچویں یمین کے وقت ان کے شروع کرنے سے پہلے ان کو نصیحت کرنے میں مبالغہ کرے گا، وہ شوہر سے کہے گا: تم اپنے قول: مجھ پر اللہ کی لعنت ہو کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اس لئے کہ اگر تم جھوٹے ہوگے تو یہ موجب لعن ہوگا اور بیوی سے کہے گا: تم اپنے قول: مجھ پر اللہ کا غضب ہو کے بارے میں اللہ کا خوف کرو، اس لئے کہ اگر تم جھوٹی ہوگی تو وہ موجب غضب ہوگا، ہوسکتا ہے دونوں رک جائیں یا چھوڑ دیں اور کسی آدمی کو حکم دے گا کہ وہ اپنا ہاتھ مرد کے منہ پر رکھ دے، اور کسی عورت کو حکم دے گا کہ وہ اپنا ہاتھ عورت کے منہ پر رکھ دے اس لئے کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کا حکم ہے(۲) اور اپنا ہاتھ رکھنے والا اس کے پیچھے سے آئے گا اگر دونوں لعان کے اتمام ہی پر مصر ہوں تو دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے گا اور دونوں کو پانچویں یمین کی تلقین کرے گا(۱)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ چوتھی یمین کے بعد اور پانچویں سے پہلے امام کا دونوں کو نصیحت کرنا مستحب ہے جب دونوں میں سے ہر ایک پانچویں یمین تک پہنچے تو حاکم کسی مرد کو حکم دے گا اور وہ اپنے ہاتھ سے آدمی کا منہ بند کردے گا اور کسی عورت کو حکم دے گا کہ وہ اپنا ہاتھ عورت کے منہ پر رکھ دے پھر وہ اس کو وعظ کرتے ہوئے کہے گا: اللہ سے ڈرو: اس لئے کہ یمین واجب کرنے والی ہے اور دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں معمولی ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ہلال کے واقعہ میں روایت کی ہے فرماتے ہیں: "فشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الصادقين ثم أمر به فأمسک علی فيه فوعظه وقال: ويحک کل شئ أهون عليک من لعنة الله ثم أرسله، فقال: لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين، ثم أمر بها فأمسک علی فيها فوعظها وقال: ويحک کل شئ أهون عليک من غضب الله" توانہوں نے چار بار اللہ کی قسم کھائی کہ وہ سچوں میں سے ہیں، پھر ان کے بارے میں آپ نے حکم دیا چنانچہ ان کے منہ کو بند کیا گیا پھر آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی اور فرمایا: تمہارا برا ہو اللہ کی لعنت کے مقابلہ میں ہر چیز تم پر معمولی ہے پھر ان کو چھوڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہوں، پھر عورت کے بارے میں آپ نے حکم دیا، چنانچہ اس کا منہ بند کیا گیا، تو آپ ﷺ نے اس کو نصیحت کی اور فرمایا: تیرا برا ہو اللہ کے غضب کے مقابلہ میں ہر چیز تم پر معمولی ہے(۲)۔

(۱) حدیث: "إن الله يعلم أن أحدكما كاذب..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴۴۹/۸) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: "الأمر بوضع اليد على في المتلاعنين" کی روایت ابوداؤد (۶۸۸/۲) نے کی ہے۔

(۱) الشرح الصغیر (۶۶۶/۲)، عقد الجواہر الثمینہ ۲۴۸/۲، مغنی المحتاج ۳۷۸/۳۔

(۲) الشرح الکبیر مع المغنی ۶۴/۹، کشاف القناع ۳۹۳/۵۔

حضرت ابن عباسؓ کے اثر کو ابن قدامہ نے المغنی (۱۷۹/۱۱ ط دار ہجر) میں

ج-نماز استسقاء سے پہلے وعظ:

۱۸- جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ جب امام نماز استسقاء کا ارادہ کرے تو اس کے لئے لوگوں کو وعظ کرنا ان کو خیر کی تذکیر کرنا، ان کو معاصی سے توبہ کرنے، مظالم سے نکلنے اور اصحاب حقوق کے حقوق ادا کرنے کا حکم دینا مستحب ہے۔

دیکھئے اصطلاح (''استسقاء'' فقرہ/ ۹ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

د-نماز کسوف کے بعد وعظ:

۱۹- مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ نماز کسوف کے بعد وعظ کہنا مستحب ہے۔

ابن عبدالحکم نے کہا: امام اپنے سلام کے بعد لوگوں کی طرف رخ کرے گا، ان کو تذکیر کرے گا، ان کو خوف دلائے گا، اور ان کو حکم دے گا کہ وہ اللہ سے دعا کریں تکبیر کہیں اور صدقہ دیں (۱)۔

حنفیہ وحنابلہ نے کہا: نماز کسوف کے لئے کوئی خطبہ نہیں ہے (۲)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ امام اگر چاہے تو نماز کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر دعا کرے یا لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر دعا کرے، اور جب وہ دعا کرے تو لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کا ذکر، دعا، تکبیر، استغفار، صدقہ، عتق (غلام آزاد کرنا) اور اللہ کا تقرب اختیار کرنا مستحب ہے (۳)۔

شافعیہ نے کہا: نماز کسوف کے لئے نماز کے بعد دو خطبے دینا مسنون ہے جیسا کہ ارکان میں جمعہ کے دو خطبے ہیں (۱)۔

دیکھئے: ''صلاۃ الکسوف'' فقرہ/ ۷۔

ہ-سلطان کو وعظ:

۲۰- فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سلطان اگر عادل ہو تو اس کو وعظ کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے (۲)۔

اگر سلطان ظالم ہو تو اس کو وعظ کرنے کے حکم میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ، شافعیہ اور ایک روایت میں حنابلہ کا مذہب ہے کہ مہربانی اور نرمی کے ساتھ سلطان کو وعظ کرنا جائز ہے جہاں تک سخت کلامی کا تعلق ہے تو شافعیہ اور ابن الجوزی نے صراحت کی ہے کہ اس سے سخت کلامی کرنا جیسے اس سے کہے اے ظالم! اے وہ شخص جو اللہ سے خوف نہیں کرتا یا اس جیسے الفاظ کہنا، اگر ایسا فتنہ پیدا کرے جس کی برائی دوسرے تک متعدی ہو جائے گی تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ برائی صرف واعظ کے علاوہ کسی پر نہیں لوٹے گی تو یہ جائز اور مستحب ہوگا (۳)، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**إن من أعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر**''(۴) (ایک عظیم ترین جہاد ظالم سلطان کے پاس کلمہ عدل کہنا ہے)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ سلطان کو وعظ کرنا اس کو خوف دلانا اور دنیا

= نقل کیا ہے اور اس کی نسبت ابواسحاق جوزجانی کی طرف کی ہے۔

(۱) التاج والإکلیل ۲/ ۲۰۲۔

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح/ ۲۹۸، المغنی لابن قدامہ ۱/ ۴۲۵۔

(۳) مراقی الفلاح/ ۲۹۸، المغنی لابن قدامہ ۲/ ۴۲۵، کشاف القناع ۲/ ۶۱۔

---

(۱) اسنی المطالب ۱/ ۲۸۶، مغنی المحتاج ۱/ ۳۱۸۔

(۲) الکنز الأکبر/ ۱۸۹۔

(۳) الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۵۳، احیاء علوم الدین ۲/ ۳۴۳ ط دار المعرفہ، الآداب الشرعیہ ۱/ ۱۹۵، ۱۹۷، الکنز الاکبر/ ۲۰۲-۲۰۳۔

(۴) حدیث: ''إن من أعظم الجهاد كلمة عدل...'' کی روایت ترمذی (۴/ ۴۷۱) نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کی ہے، اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

وآخرت کے انجام سے اس کو ڈرانا واجب ہے۔

ابوعمر نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد: "الدين النصيحة، قلنا: لمن يا رسول الله؟ قال لله ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم" (۱) (دین نصیحت (خیر خواہی) کا نام ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ، اور عام مسلمانوں کی) کے بارے میں کہا: اس کا زیادہ وجوب اس پر ہوگا جو ان کے ساتھ کھائے پیئے اور اٹھے بیٹھے، اور جس شخص کے لئے سلطان کو نصیحت کرنا ممکن ہو اس پر یہ لازم ہوگا، امام مالک نے کہا: یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ اس کے قبول کرنے کی امید ہو (۲)۔

ایک روایت میں حنابلہ نے کہا: ظالم سلطان پر نکیر کو ترک کر دینا افضل ہے۔

امام احمد نے کہا: سلطان سے تعرض نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس کی تلوار سونتی ہوئی رہتی ہے (۳)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر ہم سلطان اور اس جیسے دوسرے ائمہ پر نکیر کو جائز کہیں تو اس وقت یہ نکیر تعریف اور نرم کلام کے ذریعہ نصیحت سے ہوگی، اس کو دنیا وآخرت میں انجام کی یاد دہانی کی جائے گی، اور یہ واجب ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب ان کے دشمن فرعون کے پاس بھیجا تو ان کو خطاب کر کے فرمایا: "فَقُوْلاَ لَهُ قَوْلاً لَّيِّنًا" (۴) (پھر اس سے گفتگو نرم کرنا)۔ یعنی اس سے کنایہ میں بات کرنا، ایک قول ہے: قول لین وہ ہے جس میں درشتی نہ ہو، جب حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ فرعون سے نرم گفتگو کریں تو جو ان سے کم مرتبہ والا ہے وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اپنے خطاب میں امر بالمعروف میں اور اپنے کلام میں اس چیز کی اقتدا کرے (۱)۔

(۱) حدیث: "الدين النصيحة" کی روایت مسلم (۱/۷۴) نے حضرت تمیم داری سے کی ہے۔

(۲) التاج والإکلیل ۱/۲۷۷، الکنز الأکبر/۱۹۰، الآداب الشرعیہ ۱/۱۹۷۔

(۳) الآداب الشرعیہ ۱/۱۹۷۔

(۴) سورہ طہ/۴۴۔

و- باغیوں کو وعظ:

۲۱- اگر امام باغیوں کے پاس ایسے شخص کو بھیجے جو ان سے جواب طلب کرے، اور ان کے سامنے صحیح بات کی وضاحت کرے اور وہ لوگ رجوع سے انکار کر دیں تو ان کو وعظ کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ باغیوں کو وعظ کرنا اور ان کو جنگ کا خوف دلانا واجب ہے یہ صرف اس لئے کہ مقصود ان کو باز رکھنا اور ان کے شر کو دفع کرنا ہے نہ کہ ان کو قتل کرنا، تو اگر یہ صرف قول کے ذریعہ ممکن ہو تو یہ قتال سے بہتر ہوگا، اس لئے کہ اس میں فریقین کو ضرر ہے اگر وہ لوگ باز آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان سے قتال کرے گا (۲)، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فَقَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتَّى تَفِيْئَ إِلَى أَمْرِ اللّٰهِ" (۳) (تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ رجوع کر لے اللہ کے حکم کی طرف)۔

حنفیہ نے کہا: اہل حق کو چاہئے کہ جب ان کا سامنا باغیوں سے ہو تو ان کو حق کی طرف بلائیں، اسی طرح حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو حرورا کے باشندوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان سے مناظرہ کریں، اور ان کو توبہ کرنے کی دعوت دیں، نیز

(۱) الکنز الأکبر/۲۰۲۔

(۲) الشرح الصغیر ۴/۴۲۸، المغنی مع الشرح الکبیر ۱۰/۵۲-۵۴، کشاف القناع ۶/۱۶۲۔

(۳) سورہ حجرات/۹۔

اس لئے کہ کبھی مقصود بغیر قتال ہی نصیحت اور ڈرانے سے حاصل ہوجاتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اس کو قتال سے مقدم رکھا جائے اس لئے کہ داغنا آخری دوا ہے اور اگر وہ نا کریں تو اہل عدل پر کچھ گناہ نہ ہوگا اس لئے کہ ان کو پتہ ہے کہ کس بات پر ان سے جنگ کی جارہی ہے، تو اس میں ان کا حال مرتدین اور اہل حرب کی طرح ہے جن کو دعوت پہنچ چکی ہو(۱)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ ترغیب وترہیب کے ذریعہ ان کو وعظ کرنا، ان کے سامنے دین کے کلمہ کے متحد رہنے اور کافروں کو موقعہ نہ دینے کی خوبی بیان کرنا مستحب ہے(۲)۔

دیکھئے ''بغاۃ''، فقرہ/۱۰۔

وعظ کے ذریعہ کمائی کرنا:

۲۲ - واعظ کے لئے مجلس وعظ میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ مانگنا حلال نہیں ہے اس لئے کہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کمانا ہے، یہی حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے(۳)۔
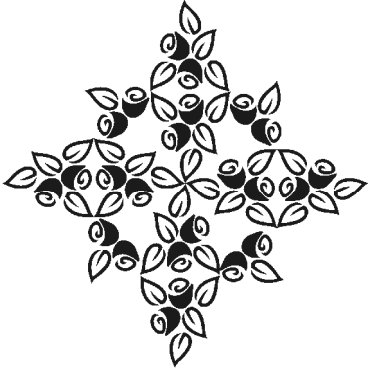
وعظ کی مجالس میں عورتوں کا شریک ہونا:

۲۳ - حنفیہ وشافعیہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت جوان ہو تو وعظ کی مجالس میں عورتوں کا شریک ہونا مکروہ ہے یہ فتنہ کے اندیشہ سے ہے۔

بوڑھی عورتوں کا وعظ کی مجالس میں شریک ہونا جائز ہے اور یہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے(۴)، چنانچہ حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمٰن سے مروی ہے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا: ''**لو أن رسول الله ﷺ رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل، قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت: نعم**''(۱) (اگر آنحضرت ﷺ اس چیز کو دیکھ لیتے جس کو عورتوں نے پیدا کرلیا ہے تو ان کو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا راوی کہتے ہیں: میں نے عمرہ سے کہا: کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا انہوں نے کہا: ہاں)۔

(۱) المبسوط للسرخسی ۱۰/۱۲۸۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۷/۳۸۶

(۳) الفتاوی الہندیہ ۵/۳۱۹، الآداب الشرعیہ ۲/۹۱۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۱/۳۸۰، شرح مسلم للنووی ۴/۴۰۵-۴۰۶، فتح الباری شرح البخاری ۱/۴۲۴، ۲/۴۷۔

(۱) حدیث عائشہ: ''**لو أن رسول الله ﷺ رأى ما أحدث النساء....**'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۳۴۹) اور مسلم (۱/۳۲۹) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

وفاء

تعریف:

۱- لغت میں وفاء: غدر (عہد شکنی) کی ضد ہے، اور یہ فعل وفی کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: وفی یفی وفاءً ووفیاً پورا کرنا ووفی فلان نذرہ: نذر پورا کرنا وفی بعھدہ عہد پورا کرنا۔

وأوفی الکیل: پورا ناپنا، اور اس میں کوئی کمی نہیں کرنا، وأوفی فلاناً حقہ: پورا حق دینا، اور ابوزید نے نقل کیا ہے: وفی نذرہ وأوفاہ: نذر پوری کرنا، قرآن شریف میں ہے: "وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِیْ وَفّٰی"(۱) (اور ابراہیم کے بھی، جنہوں نے (احکام کی) پوری بجا آوری کی)۔

فراء نے کہا: یعنی پیغام پہنچادیا، اور ابوبکر نے کہا: ان کے قول: الزم الوفاء (وفا کو لازم پکڑو) کے بارے میں کہا: لغت میں وفاء کا معنی: اعلی درجہ کا اونچا شریفانہ اخلاق (۲)۔

اصطلاح میں وفاء: دلجوئی کے طریقہ کو لازم پکڑنا، معاہدوں کی محافظت کرنا اور ظاہر میں و پوشیدہ طور پر حضور وغیبت میں محبت ودوستی کے قواعد کی حفاظت کرنا (۳)۔

اورعلماء نے اللہ کے ارشاد: "أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"(۴) (عہدوں کو

(۱) سورۂ نجم ر ۳۷۔

(۲) المصباح المنیر، لسان العرب، المعجم الوسیط۔

(۳) قواعد الفقہ للبرکتی، التعریفات للجرجانی، دستور العلماء ۳ر ۴۶۰۔

(۴) سورۂ مائدہ ر ۱۔

پورا کرو) کی تفسیر کی ہے کہ عقد جس کا تقاضا کرے اس کی حفاظت کرنا، اور اس کے مقتضی کو پورا کرنا ہے (۱)۔

اور فقہاء لفظ وفاء کو کبھی معقود علیہ (جس پر عقد ہوا ہے) کو حوالہ کرنے کے معنی میں اور کبھی قضاء کے معنی میں اور ادا کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استیفاء:

۲- لغت میں استیفاء فعل استوفی کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "استوفی فلان حقہ" کامل و پورا حق لینا، اور کہا جاتا ہے: استوفی منہ مالہ" پورا مال اس طرح لینا کہ کچھ باقی نہ رہے (۳)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۴)۔

اور وفاء اور استیفاء کے درمیان نسبت یہ ہے کہ وفاء اس شخص کی طرف سے ہوتی ہے جس پر حق ہو اور استیفاء صاحب حق یا اس کے وکیل کی طرف سے ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح "استیفاء" فقرہ ر ۲۴، ۲۵ میں دیکھی جائے۔

ب- اسقاط:

۳- لغت میں اسقاط: واقع کرنا اور ڈالنا ہے، کہا جاتا ہے: أسقطت الحامل: جنین کو ساقط کرنا، اور فقہاء کے قول: "سقط الفرض" (کے معنی ہیں) اس کا مطالبہ کرنا اور اس کا حکم دینا ساقط ہوگیا (۵)۔

(۱) تفسیر روح المعانی ۶ ر ۴۸۔

(۲) المغنی ۴ ر ۳۳، البدائع ۵ ر ۲۱۳۔

(۳) لسان العرب، القاموس المحیط، المعجم الوسیط۔

(۴) قلیوبی ۴ ر ۳۳۵، المغنی ۱۰ ر ۲۸۸۔

(۵) المصباح المنیر، لسان العرب۔

فقہاء کی اصطلاح میں اسقاط: کسی مالک کو دیئے بغیر ملکیت کو ختم کرنا اور کسی مستحق کو دیئے بغیر حق کو ختم کرنا، اس کی وجہ سے اس کا مطالبہ کرنا ساقط ہوجاتا ہے(۱)۔

اسی طرح فقہاء کے یہاں اسقاط کو جنین ناتمام بچہ کو ساقط کرنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے یعنی عورت بچہ مکمل ہونے سے پہلے جنے (۲)۔

اور وفاء واسقاط کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک میں ذمہ ان حقوق سے بری ہوجاتا ہے جن میں مشغول ہو۔

ج-ابراء:

۴-لغت میں ابراء کے بعض معانی: پاک کرنا، چھٹکارہ دلانا، اور چیز سے دور کرنا، ابن الاعرابی نے کہا: بریٔ: چھٹکارہ پا گیا، پاک ہوگیا، دور ہوگیا، اس بنیاد پر ابراء: مدیون کو دین سے یا اس پر جو حق واجب ہو اس سے بری کر دینا ہے (۳)۔

اصطلاح میں: کسی شخص کا دوسرے کے ذمہ یا جانب اپنے حق کو ساقط کر دینا، لہذا اگر حق کسی شخص کے ذمہ یا اس کی جانب نہ ہو (جیسے حق شفعہ اور وہ حق سکونت جس کی وصیت کی گئی ہو) تو اس کو ترک کر دینا ابراء نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ وہ خالص اسقاط ہے (۴)۔

دیکھئے: ''ابراء'' فقرہ/۱۔

برکتی نے کہا: دین سے ابراء مدیون کو دین سے بری کر دینا ہے، براءت دراصل اس چیز سے چھٹکارہ پانا اور دور ہوجانا ہے جس کی مجاورت (قرب وتعلق) ناپسند ہو (۵)۔

---

(۱) الذخیرہ ۱/۱۵۲ ط وزارۃ الاوقاف الکویتیہ۔
(۲) قواعد الفقہ للبرکتی۔
(۳) لسان العرب، المصباح المنیر۔
(۴) فتح القدیر ۳/۵۶ ۳ ط بولاق، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۶۷ ۲ ط بولاق۔
(۵) قواعد الفقہ للبرکتی۔

اور وفاء وابراء کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک میں ذمہ ان حقوق سے بری ہوجاتا ہے جن میں وہ مشغول ہو۔

شرعی حکم:

۵-وفاء ان تصرفات میں سے ہے جن کو مختلف شرعی احکام لاحق ہوتے ہیں جیسے وجوب استحباب اور حرمت اور یہ تصرف کے محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

اول: جس کو پورا کرنا واجب ہے:

الف-عقود:

۶-جن تصرفات کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے ان میں ان عقود کے تقاضے ہیں جن کو انسان دوسرے سے کرتا ہے جیسے بیع، شراء، اجارہ، نکاح اور دوسرے لازم عقود۔

یہ عقود اگر اپنے پورے شرائط کے ساتھ مکمل ہوجائیں تو ان کے مقتضی کو پورا کرنا واجب ہوگا جیسے مبیع خریدار کو، ثمن بائع کو اور اجرت مزدور کو حوالہ کرنا وغیرہ (۱)۔

اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' (۲) (اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو)۔

ب-شرائط:

۷-شرائط: ہر وہ چیز ہے جس کو انسان اپنے اوپر شرط لگائے اگر وہ مشروع ہو اور اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت کی کسی نص کے خلاف نہ ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہوگا، ورنہ وہ شرط باطل ہوگی (۳)

---

(۱) تفسیر القرطبی ۶/۳۲، احکام القرآن للجصاص ۲/۲۹۶۔
(۲) سورہ مائدہ/۱۔
(۳) احکام القرآن للقرطبی ۶/۳۲-۳۳، احکام القرآن لابن العربی ۲/۹،

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "المسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً" (۱) (مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام کردے یا کسی حرام کو حلال کردے) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "من اشترط شرطاً لیس فی کتاب الله فهو باطل، وإن اشترط مائة شرط" (۲) (جو شخص کوئی ایسی شرط لگائے جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں لگائے)۔

عقود شرعیہ میں سے ہر عقد میں کونسی شرطیں صحیح ہوں گی اور کونسی صحیح نہیں ہوں گی۔

اس کی تفصیل (''بیع'' فقرہ/ ۷۲، ''اجارہ'' فقرہ/ ۷۲، ''رہن'' فقرہ/ ۱۱، ۲۳، ''مزارعہ'' فقرہ/ ۹-۱۹ اور ''نکاح'' فقرہ/ ۱۳۲-۱۳۳) میں دیکھی جائے۔

ج-نذر:

۸- فی الجملہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نذر مشروع ہے اور اس میں سے جو طاعت ہو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''نذر'' فقرہ/ ۵ میں دیکھی جائے۔

دوم: جس کو پورا کرنا مستحب ہے:

جن تصرفات کو پورا کرنا مستحب ہوتا ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

= المغنی ۸/ ۴۸۲-۴۸۳۔

(۱) حدیث: "المسلمون علی شروطهم...." کی روایت ترمذی (۶۲۶/۳) نے عمرو بن عوف مزنی سے کی ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) حدیث: "من اشترط شرطاً لیس فی کتاب الله..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۷۰) اور مسلم (۲/ ۱۱۴۳) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

الف-معروف (بھلائی):

۹- جن تصرفات کو معروف (بھلائی) میں سے سمجھا جاتا ہے جس کو شارع نے مستحب قرار دیا ہے جیسے وصیت اور ہبہ ان کو پورا کرنا مستحب ہے اس لئے کہ وہ تبرع (اختیاری نیکی) ہے اور تبرع کرنے پر انسان کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

دیکھئے: ''وصیۃ'' اور ''ہبہ'' فقرہ/ ۵-۶ کی اصطلاحات۔

ب-وعد:

۱۰- لغت میں وعدہ بات کے ذریعہ امید دلانے پر دلالت کرتا ہے، کہا جاتا ہے: وعدته أعده وعداً اور خیر میں حقیقت کے طور پر اور شر میں مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے (۱)۔

فقہاء کی اصطلاح میں وعدہ: خبر دینے والے کا مستقبل میں کسی بھلائی کے کرنے کی خبر دینا ہے (۲)۔

وعدہ ان تصرفات میں سے ہے جن کو پورا کرنا مستحب ہے بشرطیکہ وعدہ کسی حاجت یا سبب سے خالی ہو۔

اگر وہاں کوئی ایسی حاجت ہو جو وعدہ کو پورا کرنے کی داعی ہو تو پورا کرنا واجب ہوگا، چنانچہ ابن عابدین نے جامع الفصولین سے نقل کیا ہے: اگر بغیر کسی شرط کے دونوں بیع کا ذکر کریں، پھر دونوں وعدہ کے طور پر شرط کا ذکر کریں تو بیع جائز ہوگی اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہوگا، اس لئے کہ وعدے کبھی لازم ہوتے ہیں، لہذا لوگوں کی حاجت کی وجہ سے اس کو لازم قرار دیا جائے گا (۳)۔

مالکیہ کے یہاں مشہور ہے کہ وعدہ لازم کیا جائے گا اور اس کا فیصلہ کیا جائے گا بشرطیکہ موعود وعدہ کے سبب کسی چیز میں داخل

(۱) المصباح المنیر، لسان العرب، معجم مقاییس اللغۃ لابن فارس۔

(۲) فتح العلی المالک ۱/ ۲۵۴-۲۵۷۔

(۳) حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۱۲۰-۱۲۱۔

ہو جائے(۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح (وعد) میں دیکھی جائے۔

سوم-جس کو پورا کرنا مباح ہے:

۱۱- مباح کی نذر ان تصرفات میں سے ہے جن کو پورا کرنا مباح ہے، جیسے کھانا، پینا، سونا، وغیرہ۔

مباح کی نذر کے منعقد ہونے، مباح چیزوں کے التزام کے صحیح ہونے میں اور اگر کہا جائے کہ وہ منعقد اور صحیح ہوتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح ''نذر''، فقرہ/ ۱۸-۱۹ میں ہے۔

چہارم-جس کو پورا کرنا حرام ہے:

جن تصرفات کو پورا کرنا حرام ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

الف-معصیت کی نذر:

۱۲- معصیت کی نذر حرام ہے، اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کو پورا کرنا حرام ہے(۲) لہذا اگر کوئی شخص کہے: اللہ کے لئے مجھ پر واجب ہے کہ شراب پیوں گا یا فلاں کو قتل کروں گا تو اس کو پورا کرنا حرام ہوگا اس لئے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے: **"من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه"**(۳) (جو شخص اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

(۱) الفروق للقرافی ۴/ ۲۵۔

(۲) المغنی ۹/ ۳، احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۹۶۔

(۳) حدیث: "من نذر أن يطيع الله..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/ ۵۸۱) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔

اس کی تفصیل ''نذر''، فقرہ/ ۱۶ میں دیکھی جائے۔

ب-کسی حرام کے کرنے پر قسم:

۱۳- اگر کوئی شخص کسی حرام کو کرنے یا کسی واجب کو چھوڑنے کی قسم کھائے تو وہ اپنی قسم کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، اور اس کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں ہوگا بلکہ قسم توڑ دینا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا(۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''أیمان''، فقرہ/ ۱۱۸ میں دیکھی جائے۔

ج-غیر مشروع شرائط:

۱۴- غیر مشروع شرائط کو پورا کرنا حرام ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **"المسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً"**(۲) (مسلمان اپنی شرطوں پر رہوں گے سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام کردے یا کسی حرام کو حلال کردے)۔

دیکھئے: ''شرط''، فقرہ/ ۲۱۔

کس کی طرف سے پورا کرنا صحیح ہوگا:

۱۵- جس کی طرف سے وفا درست ہوگی اس میں فی الجملہ مکلّف ہونا (یعنی بالغ وعاقل ہونا) شرط ہے اس لئے کہ پورا کرنا واجب، مستحب یا مباح محض ان تصرفات کے نتیجہ کے طور پر ہوتا ہے جن کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور ان کے ذریعہ اپنے اوپر کوئی حق واجب کرلیتا ہے، خواہ یہ تصرفات دو ارادوں سے منعقد ہوں جیسے بیع اور اجارہ یا ایک ارادہ سے جیسے یمین اور نذر، لہذا ان عقود کی وجہ سے بچہ اور مجنون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ان دونوں کے عقود فی الجملہ

(۱) الاختیار ۴/ ۷۴، المنثور ۳/ ۱۰۷۔

(۲) حدیث: "المسلمون على شروطهم..." کی تخریج فقرہ/ ۷ پر گذر چکی ہے۔

منعقد نہیں ہوتے ہیں(۱)۔

اس کی تفصیل ''اہلیۃ'' فقرہ/۱۹-۲۳، ''صغر'' فقرہ/۳۲ اور اس کے بعد کے فقرات، ''جنون'' فقرہ/۱۵ اس کے بعد کے فقرات، ''عقد'' فقرہ/ ۲۸-۲۹) کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

وفاء سے متعلق احکام:

وفاء سے چند احکام متعلق ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

اول-جس سے وفاء مکمل ہوتی ہے:

وفاء مندرجہ ذیل امور سے متحقق اور مکمل ہوتی ہے۔

الف-سپردگی:

۱۶-عقود میں معقود علیہ کو سپرد کرنے سے وفاء متحقق ہوتی ہے، چنانچہ مثلاً بیع میں مبیع مشتری کو حوالہ کرنے اور ثمن بائع کو حوالہ کرنے سے وفاء ہو جاتی ہے(۲)۔

اسی طرح تمام عقود میں ان کی وفاء (پورا کرنا) ان کے مقتضی کی سپردگی سے ہوتی ہے۔

اس کی تفصیل عقود میں سے ہر ایک عقد میں نیز اصطلاح ''تسلیم'' فقرہ/ ۴ اور اس کے بعد کے فقرات، ''قبض'' فقرہ/ ۵-۱۱ میں دیکھی جائے۔

ب-رد (واپسی):

۱۷-جن امور سے وفاء متحقق ہوتی ہے ان میں عقد کی مدت پوری ہو جانے، اس کے فسخ ہو جانے یا اس میں استحقاق ہو جانے کے وقت معقود علیہ کو واپس کر دینا بھی ہے(۱)۔

تفصیل ''رد'' فقرہ/ ۳-۷، ۱۲، ''استرداد'' فقرہ/ ۴-۶، ''اجارۃ'' فقرہ/ ۵۸، ''قرض'' فقرہ/ ۱۸، ''اعارۃ'' فقرہ/ ۲۱-۲۲ کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

ج-کام کو انجام دینا:

۱۸-آدمی سے عمل مطلوب ہو اس کا اس کی ادائیگی کو انجام دینا اپنے عہد کو پورا کرنا سمجھا جائے گا، اسی میں سے: اجیر کا اس عمل کو انجام دید ینا جس کو اس کے ذمہ ڈالا گیا ہو یا جس پر اس سے معاملہ ہوا ہو (چاہے وہ اجیر خاص ہو یا اجیر مشترک) اس عمل کو پورا کرنا سمجھا جائے گا۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''اجارۃ'' فقرہ/ ۱۰۶، ۱۳۰ میں دیکھی جائے۔

د-حوالہ:

۱۹-حوالہ دین کو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے لہذا اگر مدیون دائن کو دوسرے شخص کے حوالہ کر دے تا کہ وہ اس سے اپنا دین وصول کرے اور حوالہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ پورا ہو جائے تو یہ مدیون کی طرف سے وفاء (پورا کرنا) سمجھا جائے گا۔

دیکھئے: اصطلاح ''حوالہ'' فقرہ/ ۱۰۶۔

دوم: دوسرے کا دین پورا کرنا:

۲۰-دوسرے کا دین پورا کرنا اور اس کا ضمان (یعنی اس کا کفالہ) صحیح ہے خواہ یہ پورا کرنا مدیون کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت

---

(۱) الأشباہ والنظائر للسیوطی/ ۲۴۰-۲۴۲ ط عیسی الحلبی، الأشباہ لابن نجیم/ ۳۰۹، المنثور ۲/ ۲۹۵-۳۰۱، روضۃ الطالبین ۳/ ۲۹۳۔

(۲) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۴۲-۴۳، الدسوقی ۳/ ۱۴۷۔

(۱) القواعد لابن رجب/ ۵۳، القاعدۃ الثانیۃ والاربعون، دیکھا جائے۔

کے بغیر، یہ بالاتفاق ہے البتہ مالکیہ نے اس میں یہ شرط لگائی ہے، ''وفاء'' مدیون پر مہربانی کے طور پر ہو، چنانچہ المدونہ میں ہے جیسا کہ دسوقی نے نقل کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی آدمی کی طرف سے اس کے حکم کے بغیر دین ادا کرے تو اگر وہ مطلوب کے ساتھ مہربانی کے طور پر ایسا کرے گا تو جائز ہے اور اگر اپنے درمیان کسی عداوت کے سبب اس سے مطالبہ کر کے اس کو مشقت میں ڈال کر ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو تو اسے اس سے روک دیا جائے گا(۱)۔

وفاء (پورا کرنا) اگر مدیون کی اجازت سے ہو تو اس کو مدیون سے اس دین کو واپس لینے کا حق ثابت ہوگا اور اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو تو اس کو اس سے واپس لینے کے بارے میں اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح ''کفالہ'' فقرہ/ ۴۱، ۴۲، ۴۳، ''دین'' فقرہ/ ۳۱، ۳۲ میں دیکھئے۔

سوم- میت کا دین ادا کرنا:

۲۱ - میت کے دین کا ضمان لینا اور اس کو پورا کرنا صحیح ہے اور یہ اس صورت میں بالاتفاق ہے جب کہ میت نے اتنا مال چھوڑا ہو جس سے اس کا دین پورا کیا جائے۔

لیکن اگر وہ مفلس ہو، اور اپنے دین کے وفاء کے لئے مال نہ چھوڑے، تو جمہور فقہاء- مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد کی رائے ہے کہ میت کے دین کا ضمان اور اس کی ادائیگی صحیح ہے اگر چہ وہ مفلس ہو اس لئے کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے ایسے میت کے دین کا ضمان لیا جس نے وفاء نہیں چھوڑی تھی، چنانچہ حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے: **''أن النبی ﷺ أتی بالجنازة لیصلی علیها فقال: هل علیه من دین؟ قالوا: لا، فصلی علیه، ثم أتی بجنازة أخری، فقال: هل علیه من دین؟ قالوا: نعم، قال: فصلوا علی صاحبکم، قال أبو قتادة: عليّ دینه یا رسول الله فصلی علیه''**(۱) (نبی کریم ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس پر کچھ دین ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے نماز پڑھادی، پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس پر کچھ دین ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: تو اپنے ساتھی پر تمہیں لوگ نماز (جنازہ) پڑھ لو، حضرت ابوقتادہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کا دین میرے ذمہ ہے، تو آپ ﷺ نے اس کی نماز پڑھادی)۔

ان حضرات نے کہا: اس لئے کہ اگر کوئی انسان تبرعاً اس کو ادا کرتا تو جائز ہوتا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک میت اگر مفلس ہو تو اس کے دین کا کفالہ نہیں ہوگا اس لئے کہ اگر وہ اپنے دین کے پورا کرنے کے لئے مال نہ چھوڑے تو دنیا کے احکام میں اس کا دین ساقط ہو جائے گا اور ساقط دین کا کفالہ صحیح نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس دین کے پورا کرنے میں تبرع کرے تو امام ابوحنفیہ کے نزدیک بھی صحیح ہو جائے گا(۲)۔

اس کی تفصیل اصطلاح کفالۃ فقرہ/ ۲۱-۲۲، رجوع فقرہ/ ۲۰-۲۱، دین فقرہ/ ۸۷ میں دیکھئے۔

وفاء نہ کرنا اور اس کے اسباب:

انسان کے ذمہ میں جو کچھ ہو اس کو وفاء نہ کرنے کے مختلف

---

(۱) الدسوقی مع الشرح الکبیر ۳/ ۳۳۴۔

(۱) حدیث سلمہ بن الاکوع: ''أن النبی ﷺ أتی بجنازة...'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۶۷) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۲۷۰، فتح القدیر ۶/ ۳۱۷، الدسوقی ۳/ ۳۳۱، مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۰، المغنی ۴/ ۵۹۳۔

اسباب ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

الف- ٹال مٹول کرنا:

۲۲- جس کے ذمہ میں کوئی دین فوری واجب الاداء ہو، اور وہ خوشحال ہو نیز ادا کرنے پر قادر ہو ادانہ کرنے میں کوئی عذر بھی نہ ہو اور دائن اپنے دین کا مطالبہ کرے، تو مطالبہ کے بعد فوراً ادا کرنا اس پر واجب ہوگا۔

اگر اس پر جو کچھ دین ہے اس کو ادا نہ کرے تو اسے ٹال مٹول کرنے والا سمجھا جائے گا اور وہ ظلم کرنے والا ہوگا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**مطل الغنی ظلم**"(۱) (مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے)، اور وہ اپنے ظلم کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**لی الواجد یحل عرضه وعقوبته**"(۲) (پانے والے کا ٹال مٹول کرنا اس کی آبرو اور سزا کو حلال کر دیتا ہے) اور یہ بالاتفاق ہے(۳)۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان بعض ذرائع کو اختیار کرنا جو خوشحال مدیون کو وفاء (پورا کرنے) پر آمادہ کرے واجب ہے، خواہ یہ اس کا مال بیچ کر ہو یا اس کو قید کر کے ہو یا اس کو مار کر ہو یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ ہو، ان میں سے بعض میں ان کے درمیان اختلاف ہے(۴)۔

تفصیل اصطلاح "مطل" فقرہ/ ۹-۱۶، "حبس" فقرہ/ ۷۹-۸۲، "اعسار" فقرہ/ ۱۵ میں دیکھئے۔

(۱) حدیث: "مطل الغنی ظلم..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۶۶) اور مسلم (۳/ ۱۱۹۷) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "لی الواجد یحل عرضه وعقوبته...." کی روایت احمد (۴/ ۲۲۲) نے حضرت شرید بن سوید سے کی ہے، اور ابن حجر نے فتح الباری (۵/ ۶۴) میں اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

(۳) فتح القدیر شرح الہدایہ ۶/ ۳۰۷، المنظم للحکام بہامش تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۳۲، مغنی المحتاج ۲/ ۱۵۷، کشاف القناع ۳/ ۴۱۸، ۴۱۹۔

(۴) سابقہ مراجع۔

ب- اعسار (تنگ دست ہونا):

۲۳- اگر مدیون تنگ دست ہو اور بینہ سے اس کا تنگ دست ہونا ثابت ہو جائے: اس طور پر کہ دو عادل اس کی گواہی دیں کہ وہ اس کے کسی ظاہر یا پوشیدہ مال کو نہیں جانتے ہیں، اور مدیون اس پر قسم کھالے، تو اس کو رہا کر دیا جائے گا، قاضی اس کو قید نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کو قید کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، نیز وہ مہلت کا مستحق ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَإِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ"(۱) (اور اگر تنگدست ہے، تو اس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے)۔

اسی طرح اگر مدیون تنگ دستی کا دعوی کرے اور اس کا قرض خواہ اس کی تصدیق کر دے تو اسے قید نہیں کیا جائے گا اور اس کو مہلت دینا واجب ہوگا اور اس کے ساتھ لگے رہنا جائز نہیں ہوگا۔

اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جسے اصطلاح "اعسار" فقرہ/ ۱۵ میں دیکھا جائے۔

ج- افلاس:

۲۴- افلاس: یہ ہے کہ آدمی پر جو دین ہو وہ اس کے مال سے زیادہ ہو اور یہ بھی وفاء نہ کرنے کا ایک سبب ہے۔

دین اگر مدیون کے مال کے برابر ہو اور غرماء (قرض دینے والے) اس پر حجر (پابندی) کا مطالبہ کریں تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس کو مفلَّس قرار دینا قاضی پر واجب ہوگا۔

اسی طرح ان کے نزدیک اس کو مجبور کرتے ہوئے حاکم کے لئے

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۸۰۔

اس کے مال کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔

اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جو اصطلاح ''افلاس''، فقرہ/ ٦ اور اس کے بعد کے فقرات میں دیکھی جائے۔

وفاء میں اولویت:

بعض حقوق کو پورا کرنا اولی ہوتا ہے کبھی وہ اللہ تعالی کا حق ہوتا ہے یا بندہ کا حق ہوتا ہے یا جن کا التزام انسان خاص اپنی ذات میں کرتا ہے۔

الف- اللہ کے حقوق:

۲۵- اللہ تعالی کے حقوق میں سے زکوۃ ہے اور زکوۃ کے مصارف وہ آٹھ اصناف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالی کے اس ارشاد میں ہے: ''**إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ**''(۱) (صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں، نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں، اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد) میں یہ سب (فرض) ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے)۔

ان مصارف کے درمیان ترتیب کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

دیکھئے اصطلاح ''زکوۃ''، فقرہ/ ۱۸۴۔

(۱) سورۂ توبہ/ ٦٠۔

ب- ترکہ سے متعلق حقوق:

۲٦- فقہاء نے کہا: ترکہ سے متعلق حقوق ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں سے بعض، بعض پر مقدم ہیں، چنانچہ من حیث الجملہ میت کی تجہیز وتکفین کو مقدم رکھا جائے گا پھر دین کی ادائیگی ہوگی، خواہ اللہ کا دین ہو یا بندوں کا دین ہو، پھر اس کی وصایا نافذ ہوں گی اور باقی ماندہ ورثہ کا ہوگا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ''ترکۃ''، فقرہ/ ۲۱-۳۲۔

ج- صدقہ اور وصایا:

۲۷- انسان جن چیزوں کا التزام کرتا ہے ان میں صدقہ اور وصایا بھی ہیں، صدقہ وہ ہے جس کو انسان قربت کے طور پر اپنے مال سے نکالتا ہے(۱)۔

افضل یہ ہے کہ اپنی حاجت اور نفقہ سے نیز جن کا نفقہ اس پر واجب ہے ان کے اخراجات سے جو بچ جائے اس کو صدقہ کرے اور اولی یہ ہے کہ اپنی کفایت سے نیز جن کا نفقہ دائمی طور پر برداشت کرنا ہے ان کی کفایت سے جو بچ جائے اس کو صدقہ کرے(۲)۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعول**''(۳) (سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو ضرورت سے زائد کا ہو اور شروعات اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو)۔

سرخسی کہتے ہیں: صدقہ کبھی اجنبیوں کو کیا جاتا ہے اور کبھی رشتہ داروں کو، اور افضل یہی ہے اس لئے کہ اس میں صلہ رحمی ہے(۴)، اور

(۱) المفردات فی غریب القرآن للأصفہانی۔

(۲) المغنی ۳/ ۸۳-۸۴۔

(۳) حدیث: ''خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى....'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/ ۲۹۴) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۴) المبسوط ۱۲/ ۴۹۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے: **"أفضل الصدقة علی ذی الرحم الکاشح"**(۱) (سب سے افضل صدقہ اعراض کرنے والے قرابت دار پر ہوتا ہے)۔

شافعیہ نے کہا: جن پر صدقہ کیا جاتا ہے ان میں اولی اقرب پھر اس کے بعد کا اقرب ہے ان میں سخت دشمنی رکھنے والے پر صدقہ کرنا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ افضل ہے اور یہ اس لئے تاکہ اس کا دل مانوس ہو(۲)۔

اس کی تفصیل اصطلاح "صدقۃ" فقرہ/۱۷-۱۸ میں دیکھی جائے۔

وصایا کے بارے میں شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ افضل یہ ہے کہ وصیت میں غیر وارث اقرب کو مقدم کیا جائے اس لئے کہ یہ صدقہ اور صلہ رحمی ہے اور اگر غیر وارث فقراء موجود نہ ہوں تو رضاعت والے کو اولیت دی جائے، شافعیہ نے کہا: پھر سسرالی رشتہ داروں کو، پھر ولاء والے کو، پھر پڑوس والے کو (اولیت دی جائے)۔

حنابلہ کے نزدیک اگر رضاعت کے محارم موجود نہ ہوں تو اس کے اقرب پھر اس کے بعد کے اقرب پڑوسیوں کو (مقدم کیا جائے)(۳)۔

حنفیہ نے کہا: اگر کوئی شخص اپنے اقارب یا ارحام یا انساب کے لئے وصیت کرے تو والدین اور اولاد کے سوی ذی رحم محرم میں سے دو اور اس سے زیادہ سمجھے جائیں گے۔

اقرب فالاقرب کا اعتبار کیا جائے گا تو اگر اس کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کو نصف ملے گا اور دونوں ماموں کو نصف، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اس لئے کہ وصیت میراث ہی کی بہن ہے، لہذا اقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا اور امام ابویوسف وامام محمد فرماتے ہیں: جس چیز کی وصیت کی گئی ہے وہ ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگی(۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر کوئی شخص اقارب یا ارحام یا اہل یا کسی اور کے لئے وصیت کرے تو دوسرے کے مقابلہ میں قرابت میں زیادہ دور والے محتاج کو اس کے فقر کی شدت یا عیال کی زیادتی کے سبب ترجیح دی جائے گی اور یہ ترجیح دوسرے سے اضافہ کرنے میں ہوگی پورا مال دینے میں ترجیح نہیں دی جائے گی تو اقرب محتاج کو ہر حال میں ترجیح دینا بدرجہ اولی معلوم ہوگیا، الا یہ کہ وصیت کرنے والے کا اس کے خلاف بیان ہو، جیسے اقرب فالاقرب کو دو یا فلاں کو دو پھر فلاں کو، تو اسے فضیلت دی جائے گی اگرچہ وہ زیادہ محتاج نہ ہو(۲)۔

اس موضوع میں بہت سی تفصیلات ہیں جن کو اصطلاح "وصیۃ" میں دیکھا جائے۔

---

(۱) حدیث: "أفضل الصدقة علی ذی الرحم الکاشح" کی روایت حاکم (۱/۴۰۶) نے حضرت ام کلثوم سے کی ہے اور فرمایا: صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۱۲۱۔

(۳) اسنی المطالب ۳/۲۹، کشاف القناع ۴/۳۶۰۔

(۱) الاختیار لتعلیل المختار ۵/۷۸-۷۹۔

(۲) جواہر الاکلیل ۲/۳۲۰۔

وقت

تعریف:

۱ - لغت میں وقت: زمانہ کی وہ مقدار ہے جو کسی بھی کام کے لئے مقرر کی گئی ہو یا عمل کے لئے مقرر کردہ زمانہ کا پورا ہوجانا ہے اور ہر وہ چیز جس کے لئے تم نے کوئی زمانہ مقرر کیا تو (گویا) اس کے لئے وقت مقرر کیا، اسی طرح وہ بھی ہے جس کے لئے تم نے کوئی حد مقرر کی ہو، اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی ہے: "فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَّوْقُوْتاً" (۱) (اور پھر جب تمہیں اطمینان حاصل ہوجائے تو نماز کی اقامت کرو بے شک نماز تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے)۔

وقت کی جمع اوقات ہے۔

اور وقت: میقات کبھی استعارہ کے طور پر مکان کے لئے وقت استعمال کیا جاتا ہے اور اسی میں سے احرام کی جگہوں کے لئے مواقیت حج ہیں (۲)۔

اصطلاح میں وقت: (جیسا کہ برکتی نے اس کی تعریف کی ہے) زمانہ کی مقدار اور یہ زیادہ تر ماضی (کے معنی) میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) سورہ نساء / ۱۰۳۔

(۲) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی۔

ایک قول ہے: وہ کسی بھی کام کے لئے اور ایک قول ہے کہ عمل کے لئے مقرر کردہ زمانہ کی مقدار ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف - ساعۃ:

۲ - ساعۃ لغت میں: رات یا دن کا وقت اور عرب اس کو بولتے ہیں اور اس سے زمانہ اور وقت مراد لیتے ہیں اگر چہ وہ کم ہو اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: "لاَ يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" (۲) (وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے)۔

نماز جمعہ میں شرکت کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح في الساعة الأولى فكأنما قرّب بدنة" (۳) (جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کرے پھر ساعت اولی (پہلے وقت) جائے تو گویا اس نے بدنہ کی قربانی کی)۔ فیومی نے کہا: وہ ساعت مراد نہیں ہے جس پر دن زمانی تقسیم کے طور پر منقسم ہوتا ہے بلکہ مراد مطلق وقت یعنی سبقت کرنا ہے، ورنہ اس کا تقاضا یہ ہوتا کہ جو فلکی ساعت کے شروع میں آئے، اور جو اس کے آخر میں آیا دونوں برابر ہوں اس لئے کہ دونوں ایک ہی ساعت میں آئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو اول ساعت میں آئے گا وہ اس سے افضل ہوگا جو آخر میں آئے گا۔

ساعت: رات و دن کے چوبیس حصوں کا ایک حصہ بھی ہے، اس لئے کہ دونوں کا زمانہ چوبیس گھنٹہ (ساعت) ہے۔

(۱) قواعد الفقہ للبرکتی وطلبۃ الطلبہ / ۱۲۲ - ۲۱۸ ط دار النفائس۔

(۲) سورۂ اعراف / ۳۴۔

(۳) حدیث: "من اغتسل يوم الجمعة..." کی روایت مالک نے الموطا (۱ / ۱۰۱) بخاری (فتح الباری ۲ / ۳۶۶) اور مسلم (۲ / ۵۸۲) نے کی ہے الفاظ مالک کے ہیں۔

کہا جاتا ہے: عاملتہ مساوعۃ (میں نے اس سے گھنٹہ کے اعتبار سے معاملہ کیا) جیسے کہا جاتا ہے معاومۃً (سال بھر کا معاملہ کرنا) اور مشاہرۃً (مہینہ بھر کا معاملہ کرنا)۔

ساعت سے قیامت کی تعبیر کی جاتی ہے اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" (۱) (قیامت نزدیک آ پہنچی)۔

اسی طرح اس سے موت کی تعبیر کی جاتی ہے اور اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: **"ما أمدّ طرفي ولا أغضها إلا وأظن أن الساعة قد قامت"** (۲) (میں جب بھی آنکھ کھولتا یا بند کرتا ہوں تو مجھے گمان ہوتا ہے کہ ساعت یعنی موت کھڑی ہے)۔

اور ساعت کو سکون کے معنی میں عربوں کی اس جیسی کہاوت میں استعمال کیا جاتا ہے: **"جاءنا بعد سوع من الليل وسواع"** (۳) (رات کے سکون پانے کے بعد وہ ہمارے پاس آیا)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

وقت وساعۃ کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک زمانہ کی ایک مقدار ہیں۔

ب-دہر:

۳- لغت میں دہر: کا اطلاق ابد پر کیا جاتا ہے، ایک قول ہے کہ وہ زمانہ ہے کم ہو یا زیادہ، ازہری نے کہا: عربوں کے نزدیک دہر کا اطلاق زمانہ پر سال کے موسموں میں سے کسی موسم پر اور اس سے کم پر ہوتا ہے اور دنیا کی پوری مدت پر بھی واقع ہوتا ہے (۱)۔

اس لفظ کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے، اور وقت ودہر کے درمیان نسبت یہ ہے کہ وقت دہر کا ایک جزء ہے (۲)۔

وقت سے متعلق احکام:

وقت سے کچھ احکام متعلق ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

اول-سب سے افضل وقت:

۴- اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ بعض اوقات بعض سے افضل ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان اوقات میں اپنے بندوں کے لئے فضیلت رکھ دی ہے نیز اُن میں اللہ تعالی کی طرف سے بندوں کا اکرام ہوتا ہے ان اوقات اور زمانوں میں پائی جانے والی صفات کے سبب افضل نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ سب دراصل برابر ہیں اور اوقات کو افضل قرار دینے کی بنیاد اللہ کا فضل وکرم ہے جو ان اوقات میں وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے (۳)۔

ابن رجب نے کہا: اللہ تعالی نے بعض مہینوں کو بعض پر فضیلت دی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ"** (۴) (اوران میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں یہی دین مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو)۔

---

(۱) سورۂ قمر/۱۔

(۲) حدیث: "ما أمد طرفي ولا أغضها إلا وأظن أن الساعة قد قامت..." کو اصفہانی نے مفردات (ر ۴۳۵ ط دار القلم) میں نقل کیا ہے اور کسی بھی مرجع کی طرف اس کی نسبت نہیں کی ہے اور اس کی روایت کرنے والے کا پتہ ہمیں نہیں چل سکا ہے۔

(۳) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن للأصفہانی، المعجم الوسیط، مغنی المحتاج ۱/۱۰۹۔

(۱) المصباح المنیر۔

(۲) انیس الفقہاء ر ۳۷، قواعد الفقہ للبرکتی۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۱۳۷، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام للعز بن عبد السلام ۱/۳۸-۳۹، شرح روض الطالب من اسنی المطالب ۳/۳۰۶، روضۃ الطالبین ۸/۱۲۵۔

(۴) سورۂ توبہ/۳۶۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "الحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ" (۱) (حج کے چند مہینے معلوم ہیں)۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ" (۲) (ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا)۔

اسی طرح اللہ نے بعض دنوں اور راتوں کو بعض سے افضل قرار دیا ہے، لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے، دس دنوں کی قسم کھائی ہے جو صحیح قول کے مطابق ذی الحجہ کے دس دن ہیں (۳)۔

افضل اوقات سے متعلق احکام کے بارے میں تفصیل کے لئے افضل ایام اور مہینوں کے ساتھ مختص اصطلاحات نیز (اصطلاح "زمان"، فقرہ/ ۷، "فضائل"، فقرہ/ ۱۰) دیکھی جائے۔

دوم-حیض کا وقت:

الف-وہ عمر جس میں عورت کو حیض آتا ہے:

۵-عورت کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ عمر کے بارے میں جس میں اس کو حیض آتا ہے، فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح "حیض" فقرہ/ ۱۰، "اِیاس" فقرہ/ ٦ میں دیکھئے۔

ب-حیض کا کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ وقت:

٦-حیض کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ وقت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح "حیض"، فقرہ/ ۱۱ میں دیکھئے۔

(۱) سورہ بقرہ/ ۱۹۷۔

(۲) سورہ بقرہ/ ۱۸۵۔

(۳) لطائف المعارف فی مالمواسم العام من الوظائف/ ۴۰۔

ج-طہر کا کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ وقت:

۷-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں ہے البتہ اس کی کم از کم مدت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح "حیض"، فقرہ/ ۲۴ اور "طہر" فقرہ ۴ میں دیکھئے۔

سوم-اذان کا وقت:

۸-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اذان کا وقت وہی ہوتا ہے جو اس فرض نماز کا ہوتا ہے جس کے لئے اذان دی جارہی ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر موذن-سوائے نماز فجر کے-نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اذان دے تو جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ اس میں شبہ میں ڈال دینا ہے، کیوں کہ اذان نماز کے وقت کے داخل ہوجانے کو بتانے کے لئے مشروع کی گئی ہے لہذا وقت سے پہلے شروع نہیں ہوگی تاکہ اس کا مقصود نہ جاتا رہے (۱)۔

اور تفصیل اصطلاح "اذان"، فقرہ/ ۱۷ میں ہے۔

چہارم-نماز کا وقت:

۹-اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز پنجگانہ معلوم اور محدود اوقات کے ساتھ موقت ہیں۔

ان کے اوقات کے بارے میں تفصیل کے لئے "أوقات الصلاۃ" فقرہ/ ۱۵ اور اس کے بعد کے فقرات، "صلاۃ الجمعۃ" فقرہ/ ۱۰، "صلاۃ العیدین" فقرہ/ ٦، صلاۃ الکسوف" فقرہ/ ۳ کی اصطلاحات دیکھی جائیں۔

پنجم-وجوب زکوۃ کا وقت:

۱۰-اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ چوپایوں یعنی اونٹ، گائے اور بکری

(۱) المجموع ۳/ ۸۷-۸۹۔

میں، اثمان یعنی سونا اور چاندی میں اور سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے شرائط میں سے مالک کی ملک میں ان پر سال کا گذرنا بھی ہے اس لئے کہ حدیث ہے: "**ليس في مال زكوة حتى يحول عليه الحول**"(۱) (کسی مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے) نیز اس لئے کہ سال پورا ہونے سے پہلے اس کی نما (بڑھوتری) مکمل نہیں ہوتی۔

اسی طرح اس پر ان کا اتفاق ہے کہ پھلوں اور غلوں کی زکوۃ کے وجوب کا وقت ان کی کٹائی کا وقت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" (۲) (حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو)۔

اسی طرح کانوں اور رکاز میں زکوۃ ان کے حصول کے وقت واجب ہوتی ہے(۳)۔

دیکھئے: "زکوۃ" فقرہ/ ۲۹ اور اس کے بعد کے فقرات۔

صدقہ فطر کے وجوب کے وقت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور اس کی تفصیل زکوۃ الفطر فقرہ/ ۸-۹ میں دیکھی جائے۔

ششم: صوم رمضان کے وجوب کا وقت:

۱۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ صوم رمضان کے وجوب کا وقت ماہ رمضان کا آجانا ہے اور اس کا آنا دو چیزوں میں سے کسی ایک کے حصول سے ہوتا ہے:

اول: تیس شعبان کی رات کو ماہ رمضان کے چاند کی رؤیت، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**"(۱) (تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے)۔

نیز نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "**صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غبّي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين**"(۲) (اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر افطار کرو اگر تم کو نظر نہ آئے تو شعبان کی گنتی تیس پوری کرلو)۔

دوم- شعبان کے مہینہ کے تیس دن مکمل کر لینا ہے۔

روزے کا مشروع وقت طلوع فجر سے غروب شمس تک ہے(۳) اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ**"(۴) (اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں ہوجائے پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا کرو)۔

نیز نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "**إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم**"(۵) (جب رات یہاں سے آجائے اور دن یہاں سے چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ دار افطار کرے)۔

---

(۱) حدیث: "ليس في مال زكوة حتى يحول عليه الحول" کی روایت ابوداؤد (۲/ ۲۳۰) نے بروایت حضرت علی ابن ابی طالب کی ہے اور زیلعی نصب الرایہ ۲/ ۳۲۸، میں فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

(۲) سورہ انعام/ ۱۴۱۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/ ۳۷۸ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی لابن قدامہ ۲/ ۶۲۵۔

---

(۱) سورہ بقرہ/ ۱۸۵۔

(۲) حدیث: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۱۱۹) اور مسلم (۲/ ۷۸۵) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) البدائع ۲/ ۸۰، القوانین الفقہیہ/ ۱۱۵، مغنی المحتاج ۱/ ۴۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی لابن قدامہ ۳/ ۸۶ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۴) سورہ بقرہ/ ۱۸۷۔

(۵) حدیث: "إذا أقبل الليل من ههنا...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۱۹۶) اور مسلم (۲/ ۷۷۲) نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

دیکھئے : ''صوم'' فقرہ ۲۱-۲۴، ''رؤیۃ الہلال'' فقرہ ۲، ''رمضان'' فقرہ ۲۔

ہفتم: اعتکاف کا وقت:

۱۲-مسجد میں ٹھہرنے کے کم سے کم وقت کے بارے میں جو اعتکاف کے لئے کافی ہوجائے اور اس وقت کے بارے میں جس میں اعتکاف صحیح ہوجائے، فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے ''اعتکاف'' فقرہ ۱۶-۱۷ کی اصطلاح دیکھی جائے۔

ہشتم-حج کا وقت:

۱۳- جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ حج کے احرام کا وقت شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ دس ایام ہیں(۱)، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ''(۲) (حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے اصطلاح: ''حج'' فقرہ ۳۴، ''احرام'' فقرہ ۳۳-۳۸، ''أشہر الحج'' فقرہ ۱-۳۔

نہم عمرہ کا وقت:

۱۴- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عمرہ کا زمانی وقت پورا سال ہے چنانچہ وہ اس کے احرام اور اس کے تمام افعال کا وقت ہے۔

ان اوقات کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے جن میں عمرہ مکروہ ہے۔

دیکھے: ''إحرام'' فقرہ ۳۷-۳۸۔

وقت ادا کے اعتبار سے عبادات کی اقسام:

۱۵- اپنے وقت ادا کے اعتبار سے عبادات کی دو قسمیں ہیں، مطلق اور مؤقت، ہر قسم سے متعلق احکام اصطلاح ''أداء'' فقرہ ۶ میں دیکھی جائیں۔

وقت کی تنگی کے وقت عبادت کی ادائیگی:

۱۶- ان چیزوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جن کے ذریعہ وقت تنگ ہونے پر فرض نماز پائی جاسکتی ہے۔

اس کی تفصیل ''أداء'' فقرہ ۸ میں دیکھی جائے۔

کس چیز کی قضاء اس کا وقت فوت ہوجانے کے بعد کی جائے گی اور کس کی نہیں کی جائے گی:

۱۷- عبادات میں سے جن کی قضاء فوت ہونے کے بعد کی جائے گی اور جن کی قضاء نہیں کی جائے گی ان کے بارے میں فقہاء کے نزدیک کچھ تفصیل اور اختلاف ہے۔

ان کو اصطلاح ''قضاء الفوائت'' میں دیکھا جائے۔

خصال فطرت کی توقیت:

۱۸- خصال فطرت کی انجام دہی کے اعتبار سے ان کے لئے وقت کی تحدید کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل ''أظفار'' فقرہ ۲، ''شارب'' فقرہ ۱۲، ''فطرۃ'' فقرہ ۱۰، ''عانۃ'' فقرہ ۴ کی اصطلاحات میں دیکھی جائے۔

---

(۱) مغنی المحتاج ۱/ ۴۷۱، کشاف القناع ۲/ ۴۰۵، البدائع ۲/ ۱۱۹ اور اس کے بعد کے صفحات، القوانین الفقہیہ / ۱۲۹۔

(۲) سورہ بقرہ/ ۱۹۷۔

عقیقہ کا وقت:

۱۹-عقیقہ کے وقت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، تفصیل کے لئے ''عقیقہ'' فقرہ/۹ دیکھا جائے۔

قاعدہ: کسی نئی پیش آنے والی چیز کی نسبت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کرنا:

۲۰-قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نئی چیز پیش آئے اور اس کے وقوع کے زمانہ میں اختلاف ہوجائے تو حال سے قریب ترین وقت کی طرف اس کو منسوب کیا جائے گا جب تک کہ زمانہ بعید سے اس کی نسبت ثابت نہ ہوجائے (۱)۔

اس قاعدہ کی بعض تطبیقات:

الف- اگر بیوی دعوی کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو مرض الموت کے دوران طلاق فار (وراثت سے بچنے کی غرض سے) دی ہے اور وراثت کا مطالبہ کرے اور ورثہ صحت کی حالت میں اس کی طلاق کا اور وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں ہونے کا دعوی کریں تو بیوی کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ جب امر حادث کے زمانہ وقوع میں یہاں اختلاف ہے اور وہ طلاق ہے تو واجب ہوگا کہ اس کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف کی جائے اور وہ مرض الموت ہے جس کا دعوی بیوی کررہی ہے۔ جب تک کہ ورثہ صحت کی حالت میں مورث کی موت پر بینہ نہ قائم کردیں (۲)۔

ب-اگر مجور علیہ (وہ شخص جس پر تصرفات کی پابندی ہو) یا اس کا وصی یہ دعوی کرے کہ جو بیع مجور علیہ نے کی ہے وہ اس پر حجر کا حکم صادر ہونے کے بعد ہوئی ہے اور وہ بیع کے فسخ کا مطالبہ کرے، اور خریدار حجر کی تاریخ سے پہلے بیع کے ہونے کا دعوی کرے تو یہاں مجور علیہ یا اس کے وصی کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ بیع کا حجر کے بعد واقع ہونا اصل ہے اور مشتری جس کا دعوی کررہا ہے اس کے مقابلہ میں باعتبار زمان زیادہ قریب ہے، اور خلاف اصل کو ثابت کرنا خریدار پر لازم ہوگا یعنی حجر کا حکم صادر ہونے سے پہلے بیع ہوئی ہے (۱)۔

ج-اگر خریدار مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع کو ہر اس عیب سے بری کردے جو عقد کے وقت ہو، پھر قبضہ کے بعد عیب کی وجہ سے اس کو لوٹانا چاہے اور بائع کہے: یہ عیب عقد کے وقت موجود تھا لہذا ابراءت میں داخل ہوگیا، اور خریدار کہے: بلکہ وہ عقد کے بعد اس پر میرے قبضہ سے پہلے تمہارے پاس پیدا ہوا ہے تو خریدار کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ حالت عقد سے مقید براءت میں صرف عقد کی حالت میں موجود عیب ہی داخل ہوگا خریدار دونوں وقتوں میں سے قریب ترین وقت میں عیب کا دعوی کررہا ہے اور بائع دونوں میں سے بعید ترین وقت میں عیب کا دعوی کررہا ہے تو ظاہر خریدار کا شاہد ہے اس لئے کہ عیب کا نہ ہونا اصل ہے اور موجود ہونا عارض ہے، لہذا موجود کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف کرنا اصل سے زیادہ قریب ہے اور خریدار اسی کا دعوی کررہا ہے لہذا قول اسی کا معتبر ہوگا (۲)۔

د-اگر باپ اپنے بیٹے کا مال فروخت کردے اور لڑکا اپنے والد کے خلاف دعوی کرے کہ انہوں نے اس کا مال اس کے بلوغ کے بعد بیچا ہے اور اس سبب سے بیع صحیح نہیں ہے اور باپ بلوغ کے بعد اپنی طرف سے بیع کے وقوع کا انکار کردے اور بلوغ سے پہلے اس کے

---

(۱) شرح المجلۃ العدلیہ لعلی حیدر ۱/۲۵، شرح المجلۃ للأتاسی ۱/۲/۳۲، دفعہ ۱۱، غمز عیون البصائر ۱/۲۱۷، المنثور فی القواعد للزرکشی ۱/۱۷۴، الأشباہ والنظائر للسیوطی/۵۹۔

(۲) شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱/۲۵۔

(۱) شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱/۲۵۔

(۲) شرح المجلۃ للأتاسی ۱/۳۳۔

ہونے کا دعوی کرے تو اس وجہ سے کہ بلوغ کا زمانہ قبل بلوغ کے زمانہ کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے لہذا بیٹے کا قول معتبر ہوگا اور خلاف اصل کا اثبات باپ کے ذمہ ہوگا(۱)۔

اس قاعدہ کی جزئیات اور اس کی تطبیقات مختلف فقہی ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں اور قواعد سے تعلق رکھنے والی کتابیں اس کے ایک حصہ پر مشتمل ہیں اور مزید جانکاری کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(۱) شرح المجلہ لعلی حیدر ۱/ ۲۵۔

وقف

تعریف:

۱ - لغت میں وقف کا ایک معنی حبس (روکنا) بھی ہے کہا جاتا ہے: ''وقفت الدار وقفاً''، یعنی اللہ کے راستہ میں روک دینا، ایک معنی منع کرنا بھی ہے، کہا جاتا ہے: **وقفت الرجل عن الشئ وقفاً**، منع کرنا، ایک معنی سکون (ٹھہر جانا) بھی ہے کہا جاتا ہے: ''**وقفت الدابة تقف وقفاً و وقوفاً**: ٹھہر جانا۔

اور مصدر کے ذریعہ نام دیتے ہوئے وقف کا اطلاق وقف کی ہوئی چیز پر بھی کیا جاتا ہے اس کی جمع اوقاف ہے جیسے ثوب کی جمع اثواب ہے(۱)۔

اصطلاح میں فقہاء نے وقف کی مختلف تعریفیں کی ہیں:

چنانچہ حنفیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: عین (کسی شئ) کو اللہ تعالی کی ملک کے حکم پر روک دینا اور اس کی منفعت جہاں چاہے صرف کرنا اور یہ تعریف صاحبین کے یہاں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عین کو وقف کرنے والے کی ملک میں روک دینا اور منفعت کو اگرچہ فی الجملہ ہی ہو صدقہ کر دینا(۲)۔

مالکیہ میں سے ابن عرفہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وقف - مصدر کے طور پر - کسی چیز کے وجود کی مدت تک اس کی منفعت
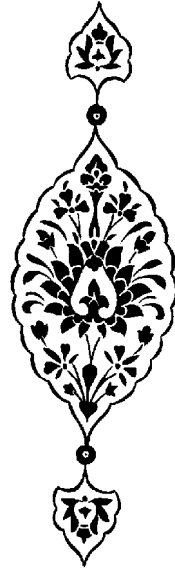
(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔
(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۵۷-۳۵۸، الہدایہ ۳/ ۱۳/ ۱۴۔

کو دیدینا اور اس کو اس دینے والے کی ملک میں لازمی طور پر باقی رکھنا اگر چہ بقاء تقدیراً ہی ہو، وقف-اسم کے طور پر- وہ ہے جس کی منفعت اس کے وجود کے مدت تک کے لئے دیدی گئی ہو(۱)۔

شافعیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: جس مال کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے اس کی ملکیت میں کسی قسم کے تصرف کے بغیر نفع اٹھانا ممکن ہو ایسے مال کو کسی مباح موجود مصرف کے لئے خاص کر دینا(۲)۔

حنابلہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: جو آدمی کسی مال میں مطلق مالکانہ تصرف رکھتا ہو وہ اپنے ایسے قابل انتفاع مال کو اس کی ذات کو باقی رکھنے نیز اس کی ملکیت میں اپنے اور غیر کے تصرف کو ختم کر دینے کے ساتھ ایسا کر دے کہ اس کی آمدنی کو اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی نیکی کی جہت میں صرف کیا جائے(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-تبرع:

۲-تبرع لغت میں برع سے ماخوذ ہے: کہا جاتا ہے: برع الرجل براعة: علم وغیرہ میں فائق ہونا، وتبرع بالأمر: کسی کام کو اس کا عوض طلب کئے بغیر کرنا(۴)۔

تبرع کا اصطلاحی معنی عوض طلب کئے بغیر کسی چیز کو عام طور سے نیکی اور صلہ کے طور پر کرنے سے الگ نہیں ہے(۵)۔

اس بنیاد پر تبرع وقف سے عام ہے۔

(۱) منح الجلیل ۴/۳۴، جواہر الإکلیل ۲/۲۰۵۔
(۲) مغنی المحتاج ۲/۳۷۶۔
(۳) شرح منتہی الارادات ۲/۴۸۹، الإنصاف ۷/۳۔
(۴) الصحاح للجوہری، المصباح المنیر۔
(۵) انیس الفقہاء/۲۵۶۔

ب-صدقہ:

۳-لغت میں صدقہ جو اللہ کی ذات کے لئے دیا جائے یا جس کو اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے دیا جائے، اعزاز واکرام کے طور پر نہ دیا جائے یا جو فقراء پر صدقہ کیا جائے(۱)۔

اصطلاح میں: وہ عوض کے بغیر زندگی میں مالک بنا دینا ہے(۲)۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں: صدقہ وہ ہے جس کو انسان اپنے، مال سے قربت کے طور پر نکالتا ہے جیسے زکوۃ، لیکن صدقہ اصل میں نفل کو اور زکوۃ واجب کو کہا جاتا ہے(۳)۔

فقہاء کے یہاں لفظ صدقہ کا اکثر استعمال نفل صدقہ میں ہے(۴)۔

اس بنیاد پر صدقہ وقف سے عام ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق کبھی وقف پر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: "**إن عمرؓ طلب من النبیﷺ أن یدله علی ما یفعله فیما أصابه من أرض، فقال له النبیﷺ: أن شئت حبست أصلها وتصدقت بها**"(۵) (حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کی رہنمائی فرمائیں کہ جو زمین انہیں ملی ہے وہ اس کو کیا کریں تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر چاہو تو اس کی اصل کو روک لو اور اس کو صدقہ کر دو)۔

کبھی اس کا اطلاق غیر وقف پر بھی ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ہے: "**کل معروف صدقة**"(۶) (ہر بھلائی

(۱) لسان العرب، الصحاح للجوہری، تاج العروس، المعجم الوسیط۔
(۲) المغنی ۵/۶۴۹۔
(۳) المفردات للراغب۔
(۴) مغنی المحتاج ۳/۱۲۰۔
(۵) حدیث ابن عمر: "أن عمر طلب من النبیﷺ أن یدله..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۹۹) اور مسلم (۳/۱۲۵۵) نے کی ہے۔
(۶) حدیث: "کل معروف صدقة" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۴۴۷) نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کی ہے۔

صدقہ ہے)۔

ج- ہبہ:

۴-لغت میں ہبہ: بغیر عوض عطیہ ہے۔

وہی اصطلاحی معنی بھی ہے، ابن قدامہ کہتے ہیں: ہبہ، صدقہ، ہدیہ، اور عطیہ کے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں یہ سب زندگی میں بغیر عوض کے مالک بنانا ہے اور عطیہ کا لفظ سب کو شامل ہے(۱)۔

وقف وہبہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ وقف عین (مال کی ذات) کو اللہ تعالی کی ملک میں باقی رہنے کے ساتھ منفعت کا مالک بنانا ہے، چنانچہ اس میں تصرف جائز نہیں ہوتا ہے۔

ہبہ ذات کا مالک بنانا ہے لہذا موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا جائے) کو اختیار ہوتا ہے کہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

عاریت:

۵-عاریت لغت میں: اعارہ سے اسم ہے اور اس کا اطلاق عاریت پر لی ہوئی چیز پر ہوتا ہے(۲)۔

اصطلاح میں یہ وہ سامان ہے جس کو بلاعوض انتفاع کے لئے مالک سے لیا جائے یا جس چیز سے انتفاع حلال ہو اس کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے انتفاع کو مباح کردینا ہے(۳)۔

اور وقف وعاریت کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں ذات سے انتفاع کو مباح کرنا ہے، البتہ عاریت اس کے مالک کی مملوک ہوتی ہے لہذا اسے واپس کردی جاتی ہے اور وقف میں سامان اللہ تعالی کی ملک پر باقی رہتا ہے۔

(۱) المصباح المنیر، المغنی ۵/ ۶۴۹۔

(۲) تاج العروس۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۲۶۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۳۹۱۔

ہ-وصیت:

۶-وصیت لغت میں: وصیت الشئ بالشئ أصیه سے ماخوذ ہے: ملانا، ووصیت إلی فلان توصیة وأوصیت إلیه إیصاءً: کسی کام کا عہد لینا۔

اور اسم: وصایہ ہے وأوصیت إلیه بمال: مال کی وصیت کرنا وأوصیته بولده: (اپنے بچے کے حق میں نگہداشت کا ذمہ دار بنانا)، وأوصیته بالصلاة: نماز کا حکم دینا(۱)۔

اصطلاح میں حنفیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: موت کے بعد کی طرف نسبت کرکے مالک بنانا وصیت ہے(۲)، شافعیہ نے کہا: یہ ما بعد الموت کے لئے کسی حق کا تبرع ہے اگرچہ ما بعد الموت کی طرف نسبت تقدیراً ہو(۳)۔

وقف ووصیت کے درمیان نسبت یہ ہے کہ دونوں تبرع ہیں، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصیت موت کے بعد کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی عین (مال کی ذات) کی ہوتی ہے، کبھی منفعت کی ہوتی ہے جبکہ وقف زندگی کی حالت میں اور صرف منفعت کا تبرع کرنا ہے۔

وقف کی مشروعیت:

۷-جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ وقف مشروع اور لازم ہے اور اس کا شمار مستحب عبادات میں ہے(۴)، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ سے

(۱) المصباح المنیر۔

(۲) البدائع ۷/ ۳۳۰۔

(۳) مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۔

(۴) المغنی ۵/ ۵۹۷-۵۹۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۸۹، الاختیار ۳/ ۴۰-۴۱، الشرح الکبیر مع حاشیة الدسوقی ۴/ ۷۵، منح الجلیل ۴/ ۳۴-۳۵، الحطاب ۶/ ۱۸، المہذب ۱/ ۴۷۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۶۔

روایت ہے، انہوں نے کہا: أصاب عمرؓ أرضاً بخيبر، فأتى النبیﷺ يستأمره فيها فقال: يا رسول الله، إني أصبت أرضا بخيبر لم أصب مالا قط أنفس عندي منه، فما تأمر به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر أنه لا يباع ولا يوهب ولا يورث، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف، ولا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول، وفي لفظ غير متأثل مالاً"(۱) (حضرت عمرؓ نے خیبر میں ایک زمین پائی تو وہ اس کے بارے میں مشورہ لینے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے خیبر میں ایک ایسی زمین پائی ہے کہ میں نے کوئی ایسا مال کبھی نہیں پایا جو میرے نزدیک اس سے زیادہ نفیس رہا ہوتو آپ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہوتو اس کی اصل کو روک لو اور اس کو صدقہ کردو، راوی نے کہا: چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کردیا کہ اسے نہ بیچا جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور اس کو فقراء، رشتہ داروں، رقاب (غلام آزاد کرنے)، اللہ کے راستہ میں، مسافر اور مہمانوں پر خرچ کیا جائے گا، اور اس کی نگرانی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ مال اکٹھا کئے بغیر معروف طریقہ پر اس میں سے کھائے اور کھلائے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له"(۱) (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: سوائے صدقہ جاریہ کے، یا ایسے علم کے جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا ایسی صالح اولاد کے جو اس کے لئے دعا کرتی رہے)۔

حضرت جابرؓ نے کہا: میرے علم میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس مال ہو اور اس نے مال کو ہمیشہ کے لئے صدقہ کرکے وقف نہ کیا ہو جسے نہ کبھی خریدا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی (۲)۔

ابن قدامہ نے کہا: یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے اجماع ہے، اس لئے کہ ان میں سے جو وقف پر قادر تھا اس نے وقف کیا اور اس کی شہرت ہوگئی اور کسی نے نکیر نہیں کی لہذا یہ اجماع ہوا (۳)۔

ابن رشد نے کہا: احباس (اوقاف) ایک دائمی طریقہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں نے عمل کیا (۴)۔

ابن عابدین نے الاسعاف سے نقل کیا ہے: ہمارے علماء امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک وقف جائز ہے اور "الاصل" میں ہے: امام ابوحنیفہ وقف کی اجازت نہیں دیتے تھے، تو بعض لوگوں نے اس لفظ کے ظاہر کو پکڑ لیا اور انہوں نے کہا: امام صاحب کے نزدیک وقف جائز نہیں ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ سب کے نزدیک جائز ہے، ان کے درمیان اختلاف صرف لازم ہونے یا نہ ہونے میں ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اعارہ کی طرح جائز ہے، چنانچہ

---

(۱) حدیث ابن عمر: "أصاب عمر أرضاً بخيبر...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۵۴-۳۵۵) اور مسلم (۳/ ۱۲۵۵) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) حدیث: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله..." کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۵۵) نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے۔

(۲) اثر جابر: "ما أعلم أحداً..." کی روایت خصاف نے احکام الاوقاف ص ۶ ط دیوان عموم الاوقاف المصریہ میں کی ہے۔

(۳) المغنی ۵/ ۵۹۹۔

(۴) منح الجلیل ۴/ ۳۴۔

واقف کی ملکیت کو باقی رہتے ہوئے مال کی ذات کو باقی رکھنے کے ساتھ اس کی منفعت جہت وقف میں صرف کی جائے گی اور اگر اپنی زندگی میں اس سے رجوع کرلے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا اور اس کی طرف سے اس میں وراثت جاری ہوگی، اور وہ صرف دو چیزوں میں سے کسی ایک سے لازم ہوگا، یا تو قاضی اس کا فیصلہ کردے، یا وہ اس کو وصیت کے طور پر کرے(۱)۔

ابن قدامہ نے حضرت شریح سے نقل کیا ہے کہ وہ وقف کی رائے نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے: اللہ کے فرائض سے کوئی حبس (وقف) جائز نہیں(۲)۔

ماوردی نے کہا: حضرت شریح سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: محمد ﷺ اوقاف کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے (۳)۔

کاسانی نے کہا: شریح سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ موقوف کی بیع کا حکم لے کر آئے، اور یہ شریح کی طرف سے نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ موقوف کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ حبیس موقوف کے معنی میں ہے جو مفعول کے معنی میں فعیل کا صیغہ ہے اس لئے کہ وقف لغت میں حبس ہے تو موقوف محبوس ہے تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اسی سے واضح ہوگیا کہ وقف واقف کی ملکیت سے رقبہ (مال کی ذات کی ملکیت) کے زائل ہونے کا موجب نہیں ہوتا ہے(۴)۔

شرعی حکم:

۸ - وقف میں اصل یہ ہے کہ وہ مستحب عبادات میں سے ہے اور کچھ معین حالات میں کبھی اس کو دوسرے احکام بھی لاحق ہوجاتے ہیں، چنانچہ کبھی وقف فرض ہوجاتا ہے اور یہ نذر مانا ہوا وقف ہے جیسے اگر کہے: اگر میرا لڑکا آجائے گا تو میرے اوپر لازم ہوگا کہ اس گھر کو مسافر کے لئے وقف کردوں(۱) اور کبھی مباح ہوتا ہے جبکہ وہ قربت کی نیت کے بغیر ہو، اسی لئے وہ ذمی کی طرف سے صحیح ہوتا ہے حالانکہ اس کو کوئی ثواب نہیں ملتا اور کبھی قربت ہوتا ہے جبکہ مسلمان کی جانب سے ہو(۲)۔

کبھی وقف حرام ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی مسلمان کسی معصیت پر وقف کرے جیسے کسی گرجا پر اس کا وقف کرنا ہے۔

اس کی مثالوں میں وہ بھی ہے جو بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ وقف کبھی حرام ہوتا ہے اور اس کی مثال جیسے لڑکیوں کو محروم کرکے صرف لڑکوں پر وقف کرنا، اس لئے کہ یہ جاہلیت کے فعل سے مشابہ ہے یعنی لڑکیوں کو ان کے والد کی وراثت سے محروم کرنا، لیکن ان میں بعض نے کراہت کو راجح قرار دیا ہے، تب تو وقف نافذ ہوگا یہ ابن القاسم کی رائے ہے اور اسی پر عمل ہے، اور شیخ ابوالحسن نے صراحت کی ہے کہ المدونہ میں کراہت تنزیہ پر محمول ہے(۳)۔

وقف کے ارکان:

جمہور فقہاء - مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ - کے نزدیک وقف کے ارکان چار ہیں:

صیغہ، واقف، موقوف علیہ، موقوف، حنفیہ کے نزدیک رکن صرف صیغہ ہے(۴)۔

---

(۱) الدر المختار، حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۵۸، البدائع ۶/ ۲۱۸-۲۱۹۔

(۲) المغنی ۵/ ۵۹۸۔

(۳) الحاوی ۹/ ۳۶۹۔

(۴) بدائع الصنائع ۶/ ۲۱۹۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۸-۳۵۹، منح الجلیل ۴/ ۳۴۔

(۲) ابن عابدین ۳/ ۳۵۸-۳۵۹، البحر الرائق ۵/ ۲۰۶۔

(۳) الدسوقی ۴/ ۷۹، حاشیۃ العدوی علی الخرشی ۷/ ۷۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰، کشاف القناع ۴/ ۲۴۶، رد المحتار علی الدر المختار ۳/ ۳۶۰۔

(۴) الدر المختار، حاشیہ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۵۹، الخرشی ۷/ ۷۸، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۸ ط الحلبی، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۶، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۰۔

اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

پہلا رکن: صیغہ:

۹- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقف ایجاب کے بغیر منعقد نہیں ہوگا، اور اس کے انعقاد کے لئے قبول کے مشروط ہونے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

الف- ایجاب کا صیغہ:

۱۰- وقف کے صیغہ میں ایجاب وہ لفظ یا اس کے قائم مقام سمجھ میں آنے والا اشارہ یا تحریر یا فعل ہے جس سے واقف کا ارادہ معلوم ہو سکے۔

لفظ کی دو قسمیں ہیں صریح، و کنایہ، الفاظ کے صریح اور کنایہ سمجھنے کے اعتبار سے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ لفظ ''وقفت صریح الفاظ میں سے ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے، اس لئے کہ وہی لغۃً اور عرفاً مشہور ہے (۱)۔

اسی طرح لفظ ''حبست'' حنابلہ کے نزدیک نیز مالکیہ کے یہاں قول مشہور اور شافعیہ کے یہاں صحیح قول میں صریح ہے، اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ میں سے ہر ایک کے یہاں صحیح مذہب کے مطابق ''سبلت'' صریح ہے۔

واقف جب ان تینوں الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرے اور کہے: میں نے اس کو اس پر وقف کیا یا کہے: میری زمین اس پر وقف ہے یا حبست یا سبلت بولے، تو کسی امر زائد کے ملے بغیر وہ وقف ہو جائے گا اس لئے کہ لوگوں کے درمیان ان الفاظ کے استعمال کا عرف ثابت ہے اور اس کے ساتھ شریعت کا عرف بھی مل گیا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا: "إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها" (۱) (اگر چاہو تو اس کی اصل کو حبس (وقف) کردو اور اس کو صدقہ کردو)۔

شافعیہ کے یہاں صحیح کے مقابل قول یہ ہے کہ ''حبست وسبّلت'' کے الفاظ کنایات میں سے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں وقف کی طرح مشہور نہیں ہیں اور حنابلہ میں سے حارثی کے نزدیک لفظ ''سبّلت'' کا حکم یہی ہے۔

شافعیہ نے کہا: اگر اس نے کہا: میں نے اس کو صدقہ محرمہ یا صدقہ موقوفہ یا ایسا صدقہ کیا ہے جس کی نہ بیع کی جائے گی نہ ہبہ کیا جائے گا تو اصح قول کے مطابق جس کی وضاحت الام میں ہے صریح ہوگا، اس لئے کہ ان قرائن کے ساتھ تصدق کا لفظ سوائے وقف کے کسی اور چیز کا احتمال نہیں رکھتا، اور یہ صریح بغیرہ (دوسرے سے مل کر صریح) ہے اور اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ وہ تملیک محض کے احتمال کے سبب کنایہ ہے (۲)۔

الفاظ کنایہ، میں سے لفظ تصدقت (میں نے صدقہ کیا) ہے، اور یہ مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک ہے۔ اگر وہ مجرد ہو تو (یعنی اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ نہ ہو)، شافعیہ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ صرف لفظ تصدقت (میں نے صدقہ کیا) صریح نہیں ہے اگرچہ وہ وقف کرنے کی نیت کرے، اس لئے کہ اس لفظ میں فرض ونفلی

---

(۱) الدر المختار مع حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۵۹، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۹ طبع الحلبی، الزرقانی ۷/ ۸۲، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۲، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۰، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۴۰۔

(۱) حدیث: "إن شئت حبست أصلها..." کی روایت (فقرہ/ ۳) پر گذر چکی ہے۔

(۲) الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۹، الزرقانی ۷/ ۸۲، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۲، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۵۰، المہذب ۱/ ۴۴۹، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۰، المغنی ۵/ ۶۰۲، الانصاف ۷/ ۵۔

صدقہ اور وقف کردہ صدقہ کا احتمال ہے، الا یہ کہ اس کی نسبت جہت عام جیسے فقراء کی طرف کرے اور وقف کی نیت کرے، شربینی خطیب نے کہا: تو اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اس وقت صریح ہوجائے گا اور رافعی کا ظاہر کلام ان کی کتابوں میں اور نووی کا الروضہ میں ظاہر کلام صریح نہ ہونے کا ہے، جہت عام کی طرف اس کی نسبت نے تو صرف اس کو کنایہ بنادیا ہے تاکہ اس میں نیت عمل کرے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ زرکشی نے کہا ہے، اس لئے کہ صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی ہے(۱)۔

کنایہ کے الفاظ میں سے: حرمت (میں نے حرام کرلیا) اور أبدت (میں نے ہمیشہ کے لئے کردیا) بھی ہے، اور یہ حنابلہ کے یہاں ہے اور شافعیہ کے یہاں بھی اصح ہے، انہوں نے کہا: اس لئے کہ لفظ صدقہ اور تحریم مشترک ہیں، چنانچہ صدقہ کا استعمال زکوۃ اور ہبات میں ہوتا ہے، اور تحریم کو ظہار اور ایمان میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ اپنے اور دوسرے پر تحریم ہوتی ہے، تابید میں تحریم کی تابید کا بھی احتمال رہتا ہے اور وقف کی تابید کا بھی، ان الفاظ کے لئے استعمال کا عرف ثابت نہیں ہے، لہذا محض ان سے وقف نہیں ہوگا البتہ اگر ان الفاظ سے تین چیزوں میں سے کوئی چیز مل جائے تو ان سے وقف ہوجائے گا:

اول: ان پانچ الفاظ میں سے ایک مل جائے، اور وہ تین صریح الفاظ اور کنایات ہیں وہ کہے: **تصدقت صدقة موقوفة** (میں نے وقف صدقہ کیا، یا **تصدقت صدقة محبسة** (میں نے روک دینے والا صدقہ کیا) یا **تصدقت صدقة مؤبدة** (میں نے تابیدی صدقہ کیا) یا **تصدقت صدقة مسبلة** (میں نے اللہ کے راستہ میں کیا ہوا صدقہ کیا) یا **تصدقت صدقة محرمة** (میں نے حرام صدقہ کیا)۔

دوم: اسے وقف کی صفات سے متصف کردے اور کہے: ایسا صدقہ جس کی نہ بیع ہوگی نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ یہ قرینہ اشتراک کو زائل کردیتا ہے۔

سوم: وقف کی نیت کرے، تو وہ نیت کے مطابق ہوگا، البتہ نیت اس کو باطن میں وقف بنائے گی ظاہر میں نہیں اس لئے کہ جو دلوں میں ہے اس پر اطلاع نہیں ہوسکتی ہے اور اگر جو کچھ اس نے نیت کی ہے اس کا اعتراف کرے تو وہ ظاہر ہوجانے کی وجہ سے حکم میں لازم ہوجائے گا اور اگر کہے: میں نے وقف کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اسی کا قول معتبر ہوگا اس لئے کہ اپنی نیت کو وہی زیادہ جانتا ہے۔

شافعیہ کے یہاں اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ "حرمت" (میں نے حرام کرلیا) اور "أبدت" (میں نے ہمیشہ کے لئے کردیا) صریح الفاظ میں سے ہیں اس لئے کہ وہ تسبیل (اللہ کے راستہ میں کردینے) کی طرح غرض کا فائدہ دیتے ہیں، نیز اس لئے کہ ابضاع (عورتوں کی شرمگاہوں کے معاملات) کے علاوہ بقیہ اشیاء میں تحریم اور تابید وقف کے بغیر نہیں ہوتی ہے لہذا اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا(۱)۔

حنفیہ نے بعض صیغوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا ہے کہ ان میں کون صریح ہے اور کون کنایہ ہے اگرچہ ان کی گفتگو اپنے مضمون میں جمہور نے جو کچھ بیان کیا ہے اسی کے قریب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وقف پر دلالت کرنے والے الفاظ:

۱۱ - جہاں تک اس کے رکن کا تعلق ہے تو وہ اس پر دلالت کرنے والے مخصوص الفاظ ہیں جو یہ ہیں:

---

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۲، منتہی الارادات ۲/ ۴۹۰، الانصاف ۷/ ۵۔

(۱) المغنی ۵/ ۶۰۲-۶۰۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۱، الانصاف ۷/ ۵، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۴۳، المہذب ۱/ ۴۴۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۲، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۵۰۔

اول: میری یہ زمین ہمیشہ کے لئے مساکین پر وقف صدقہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوم: صدقہ موقوفہ ہے، تو ہلال اور امام ابو یوسف وغیرہ کے نزدیک یہ صحیح ہے اس لئے کہ اس نے جب صدقہ کا ذکر کیا تو اس کا مصرف معلوم ہوگیا، اور اس کے قول موقوفہ سے اس کے نذر ہونے کا احتمال ختم ہوگیا۔ سوم: حبس صدقہ، چہارم: صدقہ محرمہ، یہ دونوں دوسرے کی طرح ہیں۔پنجم: صرف موقوفہ یہ صرف امام ابو یوسف کے یہاں صحیح ہوگا، اس لئے کہ وہ صرف اس لفظ کے ذریعہ اس کو فقراء پر وقف کردہ قرار دیتے ہیں اور جب وہ مخصوص مصرف یعنی فقراء کے لئے مفید ہوگا تو اس کا تابیدی ہونا لازم ہوگا اس لئے کہ فقراء کی جہت میں انقطاع نہیں ہوتا، صدر شہید نے کہا: مشائخ بلخ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہیں اور ہم بھی عرف ہونے کی وجہ سے انہیں کے قول پر فتوی دیتے ہیں اسی سے ہلال کا امام ابو یوسف کے قول کو اس بات کے ذریعہ رد کرنے کا دفاع ہوجاتا ہے کہ وقف، غنی اور فقراء دونوں پر ہوتا ہے، اور اس نے اس کو بیان نہیں کیا لہذا باطل ہوجائے گا، اس لئے کہ عرف جب اس کو فقراء کی طرف پھیر رہا ہو تو یہ ان کی صراحت کرنے کی طرح ہوگا۔ ششم: فقراء پر وقف ہے، یہ بھی ہلال کے نزدیک صحیح ہے اس لئے کہ فقراء کی صراحت کی وجہ سے احتمال زائل ہوگیا ہے۔ہفتم: محبوسہ، ہشتم: حبس، اور یہ دونوں باطل ہیں، اور اگر حبس میں اس عرف جیسا عرف ہو تو واجب ہوگا کہ وہ اس کے قول موقوفہ کی طرح ہو، نہم: اگر کہے: ''یہ سبیل'' کے لئے ہے تو اگر لوگوں میں فقراء کے لئے وقف مؤبد کے طور پر متعارف ہو تو وہ اسی طرح ہوگا ورنہ پوچھا جائے گا، چنانچہ اگر وہ کہے: میں نے وقف کی نیت کی ہے تو وہ وقف ہوجائے گا اس لئے کہ اس کے لفظ میں اس کا احتمال ہے یا کہے: میں نے صدقہ کے معنی کی نیت کی ہے تو وہ نذر ہے لہذا اس کو یا اس کی قیمت کو صدقہ

کردیا جائے گا، اور اگر نیت نہ کرے تو وہ میراث ہوگا، اس کو النوازل میں بیان کیا ہے، دہم: میں نے اس کو فقراء کے لئے کردیا تو اگر وہ اس کو وقف کے طور پر جانتے ہوں تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ پوچھا جائے گا، اگر اس نے وقف کی نیت کی ہے تو وہ وقف ہے یا صدقہ کی نیت کی ہے تو وہ نذر ہے اور یہ نیت نہ ہونے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ یہی ادنی ہے تو احتمال کے وقت اس کو ثابت کرنا بدرجہ اولی ہوگا۔ یازدہم: محرمہ، دوازدہم: وقف یہ اہل حجاز کے یہاں صحیح اور معروف ہے، سیزدہم: موقوفہ حبس، اور یہ موقوفہ پر اکتفاء کرنے کی طرح ہے، چہاردہم: میں نے انگور کے باغ کی آمدنی وقف کردی، یہ وقف ہوجائے گا اس میں پھل ہوں یا نہ ہوں، پانزدہم: میں نے اس کی آمدنی کو وقف کردیا، یہ اسی طرح ہے، شانزدہم: اللہ کے لئے وقف ہے، یہ صدقہ موقوفہ کے درجہ میں ہے، یہ پوری تفصیل ''فتح القدیر'' میں ہے۔ اور بزازیہ میں اس کے قول وقف یا موقوفہ کے ذریعہ وقف کے صحیح ہونے پر جزم کیا ہے، سیزدہم: صرف صدقہ، یہ صدقہ ہوگا تو اگر صدقہ نہ کرے یہاں تک کہ مرجائے تو میراث ہوگا، الخصاف میں اسی طرح ہے، ہژدہم: یہ خیر کے طور پر یا نیکی کے طور پر وقف ہے، یہ فقراء پر وقف ہوگا، نوزدہم: میری طرف سے حج اور میری طرف سے عمرہ میں صدقہ موقوفہ ہے، یہ وقف صحیح ہوگا، اور اگر میری طرف سے نہیں کہے گا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، بستم: ایسا صدقہ ہے، جسے بیچا نہیں جائے گا، یہ صدقہ کی نذر ہوگی وقف نہیں ہوگا اور اگر یہ اضافہ کیا: ''نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی'' تو یہ مساکین پر وقف ہوگا اور یہ تینوں، الاسعاف میں ہیں: بست ویکم: میرے اس گھر کی آمدنی سے ہر مہینہ دس درہم سے روٹی خریدو اور مساکین میں تقسیم کردو، یہ گھر وقف ہوجائے گا، بست ودوم: میری وفات کے بعد یہ صدقہ ہے خود اسی کو صدقہ کردیا جائے گا یا اسے بیچ دیا جائے گا اور اس

کے ثمن کو صدقہ کر دیا جائے گا ان دونوں کا ذکر الذخیرہ میں ہے: بست وسوم: اپنے تہائی مال کو وقف کرنے کی وصیت کرے، یہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، اور یہ فقراء کے لئے ہوگا اور طرفین کے نزدیک جائز نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ کہے: ہمیشہ کے لئے اللہ کے لئے ہے، التتارخانیہ میں اسی طرح ہے، بست وچہارم: یہ دوکان میری موت کے بعد وقف اور مسبّل (اللہ کے راستے میں کی ہوئی) ہے اور کوئی مصرف متعین نہ کرے، یہ صحیح نہیں ہوگا، بست وپنجم: میرا یہ گھر میری موت کے بعد مسجد کے لئے مسبل (اللہ کے راستہ میں کیا ہوا) ہے اگر تہائی میں سے نکل آئے اور مسجد کی تعیین کر دے تو یہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں، بست وششم: میں نے اس گھر کو اپنی نمازوں اور روزوں کی جہت سے اس مسجد کے امام کی جہت میں مسبل (فی سبیل اللہ) کیا، یہ وقف ہوجائے گا اگر چہ نمازوں اور روزوں کی طرف سے نہ ہوگا اور یہ تین القنیہ میں ہیں، بست وہفتم: میں نے اپنا حجرہ مسجد کے چراغ کے تیل کے لئے کر دیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے: تو اس کے قول کے مطابق حجرہ مسجد پر وقف ہوجائے گا اور متولی کو اختیار نہیں ہوگا کہ وہ تیل کے علاوہ میں صرف کرے، المحیط میں اسی طرح ہے، بست وہشتم: قاضی خان نے کتاب الوصایا سے نقل کیا ہے، کوئی شخص کہے: میرا تہائی مال وقف ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو ابونصر نے کہا: اگر اس کا مال نقدی کی شکل میں ہو تو یہ قول باطل ہوگا، یہ دراہم وقف ہیں کے کہنے کے درجہ میں ہوگا اور اگر اس کا مال جائیداد کی شکل میں ہو تو وہ فقراء پر وقف ہوجائے گا(۱)۔

لفظ کا قائم مقام:

۱۲- جس طرح لفظ سے وقف صحیح ہوجاتا ہے تو اسی طرح درج ذیل

(۱) البحر الرائق ۵/۲۰۵-۲۰۶۔

چیزیں لفظ کے قائم مقام ہوجاتی ہیں:

الف- گونگے کی طرف سے سمجھ میں آنے والا اشارہ(۱)۔

ب- تحریر، چاہے وہ گونگے کی طرف سے ہو یا ناطق کی طرف سے، جیسے مدارس اور مسافر خانوں کے دروازوں پر اور کتابوں پر تحریر، لیکن مالکیہ نے کہا: اگر کسی کتاب پر لکھا ہوا پائے: یہ اللہ کے لئے فلاں مدرسہ کے طلباء علم پر وقف ہے، تو اگر وہ مدرسہ کتابوں سے مشہور ہو تو اس کا وقف ہونا ثابت ہوجائے گا اور اگر اس سے مشہور نہ ہو تو اس کا وقف ہونا ثابت نہیں ہوگا، شافعیہ نے کہا: بولنے والے کی تحریر سے اس کی نیت کے ساتھ وقف صحیح ہوجائے گا(۲)۔

ج- فعل، جیسے کوئی شخص کوئی مسجد یا مسافر خانہ یا مدرسہ تعمیر کرے اور اس میں سے جو تیار کیا ہے اسے لوگوں کے حوالہ کر دے تو وہ وقف ہوجائے گا اگر چہ منہ سے کچھ نہ بولے، اور جیسے کوئی شخص اپنی زمین کو قبرستان بنا دے اور لوگوں کو اس میں دفن کرنے کی عام اجازت دے دے، یہ حنفیہ، مالکیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کے یہاں ہے، شافعیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ وقف لفظ، اشارہ، یا تحریر کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے، البتہ انہوں نے اس صورت کو لفظ کی شرط لگانے سے مستثنیٰ کیا ہے، جب کوئی شخص غیر آباد زمین میں کوئی مسجد تعمیر کرے اور اس کو مسجد قرار دینے کی نیت کرے تو وہ مسجد ہوجائے گی اور لفظ کی حاجت نہیں ہوگی اس لئے کہ یہاں نیت کے ساتھ عمل قول سے مستغنی کر رہا ہے اور سبکی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ موات (غیر آباد) اس شخص کی ملک میں داخل نہیں ہے جس نے مسجد کی شکل میں اس کا احیاء (آباد) کیا ہے(۳)۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/۳۸۱، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۰، معونۃ اولی النہی ۵/۷۴۰۔

(۲) الشرح الصغیر ۲/۲۹۹، الدسوقی ۴/۸۵، مغنی المحتاج ۲/۳۸۱۔

(۳) الشرح الصغیر ۲/۲۹۹، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۰، الإنصاف ۷/۳-۴، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۹-۳۷۰، مغنی المحتاج ۲/۳۸۱۔

اسنوی نے کہا: اس کا تقاضا ہے کہ مسجد کے علاوہ مدارس اور مسافر خانہ وغیرہ میں بھی وہ کافی ہو(۱)۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنی ملک میں مسجد بنائے تو وہ قول کے بغیر وقف نہیں ہوگی، شیرازی نے المہذب میں کہا: وقف قول کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے اگر مسجد بنائے اور اس میں نماز پڑھے یا لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو وہ وقف نہیں ہوگی اس لئے کہ وقف قربت کے طور پر ملک کا ازالہ کرنا ہے لہذا قدرت کے رہتے ہوئے بغیر قول کے صحیح نہیں ہوگا جیسے آزاد کرنا ہے(۲)۔

رملی نے کہا: اگر کہے: میں نے اس میں اعتکاف کی اجازت دی تو وہ اس سے مسجد ہوجائے گی، اس لئے کہ نماز کے برخلاف اعتکاف مسجد کے علاوہ میں صحیح نہیں ہوتا ہے(۳)۔

حنابلہ کے یہاں دوسری روایت: وقف صرف قول ہی کے ذریعہ صحیح ہوتا ہے(۴)۔

ب-قبول کرنا:

۱۳- موقوف علیہ (جس پر وقف کیا گیا ہو) کی جانب سے قبول کرنے کی شرط لگانے یا شرط نہ لگانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان مندرجہ ذیل اختلاف ہے۔

اگر موقوف علیہ ایسی جہت ہو جس کی طرف سے قبول کرنے کا تصور نہ ہو، جیسے مساجد اور پل یا موقوف علیہ غیر محدود جہت ہو جیسے فقراء اور مساکین تو وقف کو قبول کی حاجت نہیں ہوگی اور اس کے منعقد ہونے کے لئے ایجاب کافی ہوگا یہ حنفیہ، مالکیہ، اور شافعیہ کا مذہب ہے اور یہی حنابلہ کے یہاں راجح مذہب ہے اور ایک احتمال میں جس کا ذکر حنابلہ میں سے ناظم نے کیا ہے یہ ہے کہ غیر معین پر وقف کردہ میں قبول کرنا شرط ہے اور اس کو امام کا نائب قبول کرے گا(۱)۔

اگر موقوف علیہ معین ہو جیسے مثلاً زید ہو تو اس کے قبول کرنے کی شرط لگانے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اور اصح قول میں شافعیہ کے نزدیک اور ایک قول میں حنابلہ کے نزدیک معین موقوف علیہ اگر اہل قبول میں سے ہو تو اس کا قبول کرنا شرط ہے اور اگر مثلاً موقوف علیہ، مجور ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی قبول کرے گا۔

حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب اور شافعیہ کے یہاں اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ معین موقوف علیہ کا قبول کرنا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ منفعت کا استحقاق اس طرح ہے جیسے اعتاق کی وجہ سے آزاد ہونے والے غلام کا اپنے نفس کی منفعت کا استحقاق ہے، نیز وقف ملک کا ازالہ ہے، جو بیع ہبہ اور میراث سے مانع ہوتا ہے لہذا اس میں قبول کرنا معتبر نہیں ہوگا(۲)۔

شافعیہ نے معین موقوف علیہ کی جانب سے قبول کے مشروط ہونے کے قول کے مطابق جیسا کہ اصح قول میں ہے، یہ شرط لگائی ہے کہ اگر موقوف علیہ یا اس کا ولی موجود ہے تو ایجاب کے بعد فوراً قبول کرنا ہوگا اور اگر وہ غائب ہو تو ایجاب کے بعد فوراً قبول کرنا شرط نہیں ہوگا، بلکہ اس تک خبر پہنچنے کے فوراً بعد قبول کرنا شرط ہوگا اگر چہ زمانہ

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۱-۳۸۲۔
(۲) المہذب ۱/ ۴۹۹۔
(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۲۔
(۴) الانصاف ۷/ ۳-۴۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، الاسعاف ۱/۷، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۰۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۳، الروضۃ ۵/ ۳۲۴، الانصاف ۷/ ۲۶، الفروع ۴/ ۵۸۹، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۸۰۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، الاسعاف ۱/۷، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۰۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۳، الروضۃ ۵/ ۳۲۴، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۵۱، المغنی ۵/ ۶۰۰-۶۰۱، الانصاف ۷/ ۲۷، کشاف القناع ۴/ ۲۵۲، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۸۰-۷۸۱۔

طویل ہوجائے گا، شبرا ملسی نے کہا: اگر وقف کرنے والا مرجائے تو اس کی موت کے بعد کیا موقوف علیہ کا قبول کرنا کافی ہوگا یا کافی نہ ہوگا؟ یہ محل نظر ہے اور ظاہر قبول کا صحیح نہ ہونا ہے اس لئے کہ وہ حضرات وقف کو وصیت کے بجائے عقود سے ملحق کرتے ہیں (۱)۔

حنابلہ میں سے حارثی نے کہا: قبول کا ایجاب سے متصل ہونا شرط ہے لہذا اگر اس سے موخر ہوجائے گا تو باطل ہوجائے گا جیسا کہ بیع اور ہبہ میں باطل ہوجاتا ہے لیکن شیخ تقی الدین نے کہا: اگر معین موقوف علیہ پر قبول کی شرط ہو تو مجلس کی شرط نہ ہونا چاہئے، بلکہ وہ وصیت اور وکالت کے ساتھ ملحق ہوگا اور قول وفعل دونوں سے معجلاً ومؤجلاً صحیح ہوگا، چنانچہ اس کی آمدنی کا لینا قبول کرنا ہے اور معین موقوف علیہ کا تصرف کرنا قول کے ذریعہ قبول کرنے کے قائم مقام ہوگا (۲)۔

موقوف کو رد کردینا:

۱۴ - رد کا تصور معین موقوف علیہ کے علاوہ کی طرف سے نہیں ہوسکتا ہے لہذا اگر جو چیز اس پر وقف کی گئی ہے اسے رد کردے اور قبول نہ کرے تو حنفیہ نے کہا: اگر وقف کسی معین شخص کے لئے ہو، اور اس کا آخر فقراء کے لئے ہو تو اگر وہ قبول کرلے تو آمدنی اس کی ہوگی اور اگر رد کردے تو فقراء کی ہوجائے گی، اور اس طرح ہوگا کہ گویا وہ مرگیا ہے اگر کوئی شخص اپنے اوپر وقف کردہ شئ کو قبول کرے تو اسے اس کے بعد رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اور جو پہلی بار رد کردے، اسے اس کے بعد قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا (۳)۔

مالکیہ کے نزدیک اگر معین موقوف علیہ رد کردے تو اس مسئلہ میں جیسا کہ ابن شاس، ابن الحاجب، ابن عرفہ اور متعدد کتابوں میں ہے دو قول منقول ہیں۔

ایک قول امام مالک کا ہے اور وہی راجح ہے: وہ حاکم کے اجتہاد سے رد کرنے والے کے علاوہ پر وقف ہوگا، اور یہ اس وقت ہے جبکہ واقف نے اس کو مطلق وقف قرار دیا ہو، لیکن اگر واقف نے خاص طور سے معین کا قصد کیا ہو اور وہ رد کردے تو واقف کی ملک میں لوٹ آئے گا۔

دوسرا قول مطرف کا ہے کہ واقف یا اس کے ورثہ کی ملکیت واپس آجائے گی (۱)۔

شافعیہ نے کہا: اگر معین موقوف علیہ وقف کی ہوئی چیز کو رد کردے تو اس کا حق باطل ہوجائے گا چاہے معین کی طرف سے قبول کی شرط ہو یا نہ ہو، اور اگر رد کے بعد رجوع کرے تو وہ اس کے لئے واپس نہیں ہوگا، لیکن رویانی نے کہا: اگر حاکم کی طرف سے دوسرے کی طرف اس کو لوٹانے کا حکم دینے سے پہلے رجوع کرلے تو وہ اس کا ہوجائے گا اور اگر دوسرے کے لئے اس کا حکم کردے تو اس کا حق باطل ہوجائے گا اور یہ بطن اول میں ہے بطن ثانی اور ثالث کے قبول کرنے کے بارے میں تو امام اور غزالی نے نقل کیا ہے کہ اس کا قبول قطعی طور پر شرط نہیں ہے اس لئے کہ ان کا استحقاق ایجاب سے متصل نہیں ہوگا اور ان کے رد کرنے سے رد ہونے کے بارے میں ان دونوں نے دو صورتیں نقل کی ہیں (۲)۔

حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب یہ ہے کہ وقف میں قبول کرنا مطلقاً شرط نہیں ہے خواہ وہ معین پر ہو یا غیر معین پر، اس بنیاد پر معین پر کیا ہوا وقف اس کے رد کرنے سے باطل نہیں ہوگا بلکہ اس کا قبول کرنا اور رد کرنا یکساں ہوگا، ابو المعالی نے کہا: اس کے رد کرنے سے اس کا رد

---

(۱) نہایۃ المحتاج وحاشیۃ الشبرا ملسی ۵/ ۳۶۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۳۔

(۲) الانصاف ۷/ ۲۸، الاختیارات الفقہیہ/ ۱۷۳۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، الاسعاف/ ۱۷۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۰۔

(۲) روضۃ الطالبین ۵/ ۳۲۴-۳۲۵، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۳۔

ہوجائے گا جیسے وکیل اگر وکالت کورد کردے اگر چہ قبول کرنا اس کے لئے شرط نہ ہو، قبول کی شرط لگانے کے قول کے مطابق اگر موقوف علیہ اس کورد کردے تو اس کے حق میں وقف باطل ہوجائے گا اس کے بعد والوں کے حق میں باطل نہ ہوگا (۱)۔

ابن قدامہ نے کہا: اگر ہم کہیں کہ اسے قبول کی حاجت ہوتی ہے اور جس پر وقف کیا گیا وہ اسے رد کردے تو اس کے حق میں باطل ہوجائے گا اور یہ اس وقف کی طرح ہوجائے گا جس کی ابتدا میں انقطاع ہو اور اس کے علاوہ کے حق میں صحت و بطلان کی رو سے تفریق صفقہ کی بنیاد پر دو وجہیں ہوں گی اگر ہم کہیں کہ وہ صحیح ہے تو کیا وہ اس کے بعد والے کی طرف فی الحال ہی منتقل ہوجائے گا، یا فی الحال اسے وقف منقطع کے مصرف میں صرف کیا جائے گا، تا آنکہ اس کورد کرنے والے کی موت ہوجائے، پھر اس کے بعد والے کی طرف منتقل ہوجائے گا اس میں دو اقوال ہیں (۲)۔

وقف کا لازم ہونا:

۱۵ - وقف کے لازم ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ جمہور فقہاء، مالکیہ، شافعیہ، راجح مذہب میں حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا مذہب ہے کہ اگر وقف اپنے مکمل شرائط کے ساتھ اس شخص کی طرف سے صادر ہو جو تصرف کا اہل ہو تو لازم ہوجائے گا، اور وقف کئے ہوئے سامان میں واقف کا کسی ایسے تصرف کا حق ختم ہوجائے گا جو وقف کے مقصود میں مخل ہو لہذا نہ اسے بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب سے فرمایا: **"تصدق بأصله ولا يباع ولا يوهب ولا يورث"** (۱) اس کی اصل کو صدقہ کردو جسے نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے، نہ اس میں وراثت جاری ہو) نیز اس لئے کہ وقف ایسا تصرف ہے جو بیع ہبہ اور میراث سے مانع ہے لہذا عتق کی طرح واقف کی طرف سے صرف صیغہ کے صادر ہونے سے لازم ہوجائے گا، اور ہبہ سے جدا ہے اس لئے کہ وہ مطلق تملیک ہے اور وقف اصل کو روک دینا اور منفعت کو فی سبیل اللہ کرنا ہے لہذا وہ عتق سے زیادہ مشابہ ہے، لہذا اس کو اس کے ساتھ لاحق کرنا اولی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جیسا کہ گذر چکا ہے وقف جائز یعنی غیر لازم ہے اور واقف کے لئے اپنی زندگی میں کراہت کے ساتھ رجوع کا حق ہوگا اور اس سے وراثت جاری ہوگی، ان کے نزدیک دو معاملوں میں سے کسی ایک سے وقف لازم ہوجاتا ہے، قاضی اس کا فیصلہ کردے یا وہ اس کو وصیت کے طور پر کرے، لیکن حنفیہ کے نزدیک فتوی امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے یعنی لازم ہے، ابن عابدین نے الفتح سے نقل کرتے ہوئے کہا: حق اس کے لزوم کے متعلق عام علماء کے قول کو ترجیح دینا ہے، اس لئے کہ اس مسئلہ پر احادیث اور آثار ایک دوسرے کے مؤید ہیں اور صحابہ تابعین نیز ان کے بعد والوں کا اس پر مسلسل عمل رہا ہے، لہذا صاحبین کا قول راجح قرار پائے گا۔

امام احمد سے ایک روایت میں ہے کہ وقف واقف کا اپنے قبضہ سے اس کو نکال دینے اور موقوف کے قبضہ کر لینے کے بغیر لازم نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مال کا تبرع ہے جس نے اس کو مالیت سے نہیں نکالا ہے لہذا ہبہ اور وصیت کی طرح محض لفظ سے لازم نہیں ہوگا (۲)۔

---

(۱) الانصاف ۷/ ۲۷-۲۸، کشاف القناع ۴/ ۲۵۲، المغنی ۵/ ۶۰۱، معونۃ اولی النہی ۵/ ۸۰۷۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۰۱۔

(۱) حدیث: "تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث" کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۹۲) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۸-۳۶۷، الاسعاف ص/ ۳-۴، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۵، حاشیۃ العدوی بہامش الخرشی ۷/ ۸۴، روضۃ

موقوف پر قبضہ کرنا:

۱۶- وقف کے مکمل اور لازم ہونے کے لئے موقوف پر قبضہ کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ جمہور فقہاء: شافعیہ، راجح مذہب میں حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا مذہب ہے کہ وقف کے مکمل اور لازم ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے اس لئے کہ وقف تملیک نہیں ہے، وہ محض اس کو اپنی ملکیت سے وقف کی طرف نکالنا ہے لہذا وہ اعتاق سے مشابہ ہے۔

مالکیہ نیز حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت میں قبضہ کے بغیر وقف پورا نہیں ہوگا جیسے کہ صدقہ میں حوالگی ضروری ہے، مالکیہ قبضہ کی تعبیر حوز سے کرتے ہیں، خرشی نے کہا: اگر وقف بالغ پر ہو اور وہ واقف کی موت سے پہلے یا اس کے افلاس سے پہلے یا اس کے اس مرض سے پہلے جس میں اس کی موت ہوگئی ہے اس پر قبضہ نہ کرے تو حبس (وقف) باطل ہوجائے گا اور اگر موقوف علیہ نابالغ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی قبضہ کرے گا اور حوز یعنی قبضہ یا حسی ہوگا، اور یہ وقف پر موقوف علیہ کے قبضہ کرنے سے ہوتا ہے، یا حکمی ہوگا اور یہ واقف کی طرف سے وقف کو الگ کردینے اور اس سے اپنا قبضہ اٹھالینے سے ہوتا ہے اور یہ مسجد، پل، کنواں اور اس کے مشابہ چیز میں ہوتا ہے(۱)۔

مانع یعنی موت، افلاس، یا مرض الموت پیش آنے کی صورت میں قبضہ سے پہلے وقف اس صورت میں باطل ہوجاتا ہے جب مانع پیش آنے کے بعد ہی وقف کی اطلاع ہو اسی لئے عدوی نے کہا: اگر مرض افلاس یا موت پیش آنے سے پہلے اس کی اطلاع ہوجائے تو اس کو قبضہ دینے اور تخلیہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر وقفیت سے رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف قول سے لازم ہوجاتا ہے(۱)۔

خرشی نے کہا: بطلان سے مکمل نہ ہونا مراد ہے نہ کہ حقیقت بطلان (۲)۔

امام محمد کے قول کے مطابق حنفیہ قبضہ کی تعبیر تسلیم (حوالگی) سے کرتے ہیں اور ہر چیز کی حوالگی اسی سے ہوگی جو اس کے مناسب ہو، چنانچہ مسجد میں علاحدہ کرنے اور اس میں نماز پڑھنے سے ہوگی، اور قبرستان میں کسی ایک یا زیادہ کو دفن کرنے سے ہوگی، سقایہ (پیاؤ) میں کسی ایک کے پینے سے، اور سرائے میں کسی ایک مسافر کے اترنے سے ہوگی، لیکن وہ سقایہ جس میں پانی ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ سرائے جس میں مکہ میں حاجی اور سرحد پر غازی اترتے ہیں ان دونوں میں متولی کے سپرد کرنا ضروری ہوگا اس لئے کہ ان کا اترنا سال میں ایک بار ہوگا، لہذا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو اس کے مصالح کو انجام دے اور جو اس میں پانی ڈالے(۳)۔

وقف میں رجوع کرنا:

۱۷- فقہاء کا مذہب ہے کہ وقف اگر لازم ہوجائے تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے نہ تو اس کو بیچا جائے گا نہ رہن رکھا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

لیکن فقہاء کے درمیان اس میں اختلاف ہے جب کہ وہ وقف کے وقت شرط لگادے کہ اسے اس میں رجوع کا حق ہوگا یا یہ شرط

= الطالبین ۵/ ۳۴۲، المہذب ۱/ ۴۴۹، کشاف القناع ۴/ ۲۵۴-۲۹۲، المغنی ۵/ ۶۰۰، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۷۷۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۴، الاسعاف/ ۱۵، الخرشی ۷/ ۸۴، الروضہ ۵/ ۳۴۲، کشاف القناع ۴/ ۲۵۴، شرح المنتہی ۲/ ۵۱۴، معونۃ اولی النہی ۵/ ۷۷۷۔

(۱) حاشیۃ العدوی بہامش الخرشی ۷/ ۸۴۔

(۲) الخرشی ۷/ ۸۴۔

(۳) الدر المختار، حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۶۴۔

لگادے کہ اسے خیار حاصل ہوگا، چنانچہ حنابلہ اور صحیح مذہب میں شافعیہ کا مذہب ہے کہ نہ شرط صحیح ہوگی نہ وقف، چنانچہ وقف باطل ہوگا، حنفیہ وشافعیہ کے یہاں ایک احتمال میں جس کا ذکر ابن سریج نے کیا ہے وقف صحیح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی۔

نووی نے کہا: اگر خیار کی شرط کے ساتھ وقف کرے یا کہے: میں نے اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ میں جب چاہوں گا اس کو بیچ دوں گا یا رجوع کرلوں گا تو باطل ہوگا اور اس کے لئے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وقف عتق کی طرح اللہ تعالی کے لئے یا بیع اور ہبہ کی طرح موقوف علیہ کے لئے ازالہ ملک کا نام ہے اور دونوں صورتوں میں یہ ایک فاسد کرنے والی شرط ہے، لیکن فتاوی القفال میں ہے: عتق اس شرط سے فاسد نہیں ہوتا ہے اور دونوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ عتق غلبہ اور تاثیر پر مبنی ہوتا ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: اگر واقف شرط لگائے کہ وہ موقوف کو جب چاہے گا بیچ دے گا یا ہبہ کردے گا یا اس میں رجوع کرلے گا تو نہ شرط صحیح ہوگی نہ ہبہ، اس لئے کہ وہ وقف کے مقتضی کے منافی ہے، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ بیع میں فاسد شرطوں پر بنا رکھتے ہوئے شرط فاسد ہوجائے اور وقف صحیح ہوجائے اور اگر وقف میں خیار کی شرط لگائے تو فاسد ہوجائے گا، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے اس لئے کہ وہ ایسی شرط ہے جو عقد کے مقتضی کے منافی ہے لہذا صحیح نہیں ہوگی، نیز وہ اللہ کے لئے ازالۂ ملک ہے، لہذا عقد کی طرح ہی اس میں خیار کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے(۱)۔

اگر واقف وقف کے وقت اپنے لئے خیار کی شرط لگالے تو اس کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، اگر خیار کی مدت معلوم ہو جیسے وہ کہے: میں نے اپنا یہ گھر اس چیز پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ مجھے تین دن تک خیار رہے گا تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اور شرط دونوں جائز ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک قبضہ کا پورا ہونا شرط نہیں ہے لہذا خیار کی شرط جائز ہوگی۔

امام محمد نے کہا: وقف باطل ہوگا اس لئے کہ ان کے نزدیک قبضہ کا پورا ہونا شرط ہے تاکہ واقف کا حق ختم ہوجائے اور خیار کی شرط لگانے سے یہ شرط فوت ہوجاتی ہے اور ہلال نے امام محمد کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

امام ابو یوسف سے ایک دوسری روایت میں ہے: وقف جائز ہوگا اور شرط باطل ہوجائے گی، یہی یوسف بن خالد سمتی کا بھی قول ہے اس لئے کہ وقف اس بات میں اعتاق کی طرح ہوتا ہے کہ اس میں کسی کو مالک بنائے بغیر ملک کو زائل کردینا ہے اور اگر اس شرط پر آزاد کرے کہ اسے خیار ہوگا تو وہ آزاد ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی تو اسی طرح یہ بھی واجب ہوجائے گا۔

اگر خیار کی مدت مجہول ہو بایں طور کہ وہ مدت خیار کی تحدید کئے بغیر اس شرط پر وقف کرے کہ اسے خیار ہوگا تو وقف اور شرط دونوں بالاتفاق باطل ہیں، کمال ابن ہمام نے فتح القدیر میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن طرابلسی نے الاسعاف میں لکھا ہے کہ یوسف بن خالد سمتی نے فرمایا: ہر حال میں وقف جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی(۱)۔

اگر واقف وقف کے وقت کہے: اس شرط پر (وقف کیا) کہ مجھے اس کو باطل کرنے، بیچنے یا رہن رکھنے کا اختیار ہوگا یا اس شرط پر کہ فلاں کو یا میرے ورثہ کو اختیار ہوگا کہ اس کو باطل کردیں یا بیچ دیں وغیرہ تو خصاف اور ہلال کے قول کے مطابق وقف باطل ہوگا، اور یوسف بن خالد سمتی کے قول کے مطابق وقف جائز ہوگا اس لئے کہ انہوں نے

---

(۱) الروضۃ ۵/ ۳۲۸-۳۲۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵، المغنی ۵/ ۶۰۶، الانصاف ۷/ ۲۵۔

(۱) فتح القدیر ۶/ ۲۲۹، ۲۳۰، الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، الاسعاف/ ۲۸۔

وقف کو عتق سے ملحق کر کے شرط کو باطل قرار دیا ہے(۱)۔

وقف کے وقت خیار یا بیع یا ہبہ اور اس جیسی چیز کی شرط کے بارے میں حنفیہ کے یہاں جو اختلاف گذرا ہے یہ مسجد کے وقف کے علاوہ میں ہے، مسجد کے وقف میں اگر شرط لگائے کہ اسے خیار ہوگا یا اس کو باطل کرنے یا بیع کرنے کی شرط لگائے تو بالاتفاق وقف صحیح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی (۲)۔

مالکیہ کے نزدیک دسوقی نے کہا: وقف لازم ہوجائے گا اگر چہ قبضہ نہ دلائے اور اگر واقف وقف میں رجوع کا قصد کرے گا تو اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اگر اس پر قبضہ نہ دلائے تو اس کو موقوف علیہ کے لئے اپنے قبضہ سے نکالنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر انہوں نے کہا: جان لو کہ وہ لازم ہوگا، اگر چہ واقف کہے: کہ مجھے خیار حاصل ہوگا جیسا کہ ابن الحاجب نے کہا ہے اور اس کے بارے میں ابن عبد السلام نے یہ بحث کی ہے کہ چاہئے کہ اس کی شرط پوری کی جائے، جیسا کہ انہوں نے کہا: اس کی شرط اس صورت میں پوری کی جائے گی جب کہ وہ یہ شرط لگائے کہ اگر اس پر کوئی قاضی زیادتی کرے گا تو وہ رجوع کرے گا نیز یہ کہ جن پر وقف کیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی محتاج ہوجائے گا تو بیچ لے گا (۳)۔

دردیر نے کہا: اگر واقف اپنے لئے حاجت ہونے کی صورت میں رجوع یا بیع کی شرط لگالے تو اسے اس کا اختیار ہوگا (۴)۔

صیغہ کی شرطیں:

پہلی شرط: تنجیز (غیر معلق رکھنا):

۱۸- صیغہ میں تنجیز کی شرط لگانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ جمہور فقہاء، حنفیہ، شافعیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے کہ وقف کے صیغہ کا منجز ہونا شرط ہے، لہذا زندگی میں کسی غیر موجود شرط پر معلق ہونا جائز نہ ہوگا اس لئے اگر واقف کہے: جب زید آجائے گا تو میری طرف سے یہ اس پر وقف ہوجائے گا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اور یہ اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جو فی الحال ملکیت منتقل کرنے کا متقاضی ہوتا ہے اور تغلیب اور تاثیر پر مبنی نہیں ہوتا ہے لہذا بیع اور ہبہ کی طرح ہی اس کا کسی شرط پر معلق کرنا ناجائز ہے لیکن فی الحال موجود شرط پر یعنی ایسے معاملہ پر جس کا وجود متحقق ہوگیا ہے اس کو معلق کرنا جائز ہے، حنفیہ کے یہاں ابن عابدین نے کہا: اگر وہ کہے: اگر یہ زمین میری ملکیت ہو تو یہ صدقہ موقوفہ ہے تو اگر بولتے وقت وہ اس کی ملکیت میں ہو تو وقف صحیح ہوجائے گا ورنہ نہیں اس لئے کہ موجود شرط پر معلق کرنا تنجیز ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک موت پر معلق وقف مستثنی ہے جیسے اگر کہے: اگر میں مرجاؤں تو میری یہ زمین فقراء پر وقف ہے تو یہ وقف صحیح ہوجائے گا اس لئے کہ وہ موت پر مشروط تبرع ہے اور اسے وقف کی وصیت سمجھا جائے گا اور اس وقت تمام وصیتوں کی طرح تہائی سے معتبر مانتے ہوئے اس پر وصیت کا حکم جاری ہوگا، وقف کو موت پر معلق کرنے کے صحیح ہونے اور اس کو وصیت ماننے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے وصیت کی، تو ان کی وصیت میں تھا: ''یہ وہ ہے جس کی وصیت اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر نے کی ہے کہ اگر موت کا واقعہ اس کو پیش آجائے تو ثمغ صدقہ ہے (۱) اور ان کا یہ وقف نبی کریم ﷺ کے حکم سے تھا اور صحابہ میں مشہور ہوا اور اس کی نکیر نہیں کی گئی لہذا یہ

(۱) الاسعاف ۲۹، الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، الاسعاف ۲۸۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۵، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۰۸۔

(۴) الشرح الکبیر ۴/ ۸۲۔

(۱) ثمغ فتحہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں حضرت عمر کی ایک زمین تھی جس کو انہوں نے وقف کردیا تھا (القاموس المحیط) اور حضرت عمر کی وصیت کے بیان میں ان کے اثر کی روایت ابوداؤد (۳/ ۲۹۹-۳۰۰) نے کی ہے اور ابن حجر نے التلخیص (۳/ ۱۶۲ ط العلمیہ) میں اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

اجماع ہوا(۱)۔

مالکیہ اور ایک قول میں حنابلہ کی رائے ہے کہ وقف کا صیغہ قابل تعلیق ہے، وقف صحیح ہونے کے لئے تنجیز شرط نہیں ہے لہذا اگر واقف کہے: اگر زید آ جائے تو میرا یہ گھر اس چیز پر وقف ہے تو اگر زید آ جائے تو وقف صحیح اور لازم ہو جائے گا(۲)۔

دوسری شرط: تابید (دوام):

۱۹- وقف کی تابید کی شرط لگانے کے بارے میں فقہاء کی دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: حنفیہ، شافعیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے تابید شرط ہے اس لئے کہ وقف کسی کو مالک بنائے بغیر ملکیت کو ختم کرنا ہے اس میں توقیت کا احتمال نہیں رہے گا، جیسے اعتاق اور گھر کو مسجد بنانا ہے۔

البتہ لفظوں میں تابید کو ذکر کرنے کی شرط لگانے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

صحیح قول میں حنفیہ اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ تابید کا ذکر کرنا شرط نہیں ہے لہذا وقف صحیح ہو جائے گا خواہ لفظاً تابید کا ذکر کرے یا معنیً کرے بایں طور پر کہ اس کو ایسی جہت پر وقف کیا جو منقطع نہیں ہوگی جیسے فقراء اور مساکین، اس لئے کہ وقف کرنا نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے ثابت ہے، اور ان سے بطور ذکر اور تسمیہ یہ شرط ثابت نہیں ہے نیز واقف کی یہ نیت ہے کہ اس کا آخر فقراء کے لئے ہو اگر چہ ان کا نام نہ لیا ہو لیکن اس کی حالت سے یہی ظاہر ہے تو اس شرط کا تذکرہ دلالۃً ثابت ہوگا اور دلالۃً ثابت ہونے والی چیز صراحتاً ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب ہے کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے تابید کی صراحت کرنا شرط ہے۔

ان فقہاء کا ایسے وقف کے صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جس کو واقف نے مثلاً ایک مہینہ یا ایک سال سے مؤقت کیا ہو اور اس پر اضافہ نہ کیا ہو۔

حنفیہ اور ایک قول میں حنابلہ کا قول ہے کہ وقف تابیدی طور پر منعقد ہو جائے گا اور توقیت لغو ہو جائے گی۔

شافعیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کا مذہب ہے کہ وقف صحیح نہیں ہوگا۔

دوسری رائے: مالکیہ اور ایک وجہ میں حنابلہ اس طرف گئے ہیں کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے تابید مشروط نہیں ہے لہذا مدت معینہ کے لئے وقف صحیح ہوگا(۱)۔

دوسرا رکن: واقف:

واقف میں کیا شرط ہے:

پہلی شرط: واقف کے لئے تبرع کا اہل ہونا:

۲۰- وقف تبرعات میں سے ہے اسی لئے واقف میں یہ شرط ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو(۲)۔

---

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۰-۳۶۲، الاسعاف ص ۳۵، مغنی المحتاج ۲/۳۸۵، المہذب ۱/۴۴۸، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۶، کشاف القناع ۴/۲۵۰-۲۵۱، الإنصاف ۷/۲۳۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/۸۷، شرح الخرشی علی مختصر خلیل ۷/۹۱، الانصاف ۷/۲۳۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۲/۳۵۶، بدائع الصنائع ۶/۲۲۰، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۵-۳۶۷، مغنی المحتاج ۲/۳۸۲-۳۸۳، تحفۃ المحتاج ۶/۲۵۲-۲۵۳، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۷، الکافی لابن قدامہ ۲/۴۴۹-۴۵۰، الانصاف ۷/۳۵، الفروع ۴/۵۸۸، معونۃ اولی النہی ۵/۸۳۷، حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۷، الخرشی ۷/۹۱، جواہر الاکلیل ۲/۲۰۸۔

(۲) البدائع ۶/۲۱۹، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۵۹، حاشیۃ الدسوقی ۴/۷۷، مغنی المحتاج ۲/۳۷۷، کشاف القناع ۴/۲۵۱۔

تبرع کی اہلیت مندرجہ ذیل امور سے متحقق ہوگی:

الف- واقف مکلّف ہو یعنی وہ عاقل بالغ ہو، لہذا بچہ اور مجنون کی طرف سے وقف صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ وقف ان تصرفات میں سے ہے جو ملک کو بغیر عوض زائل کردیتے ہیں اور بچہ اور مجنون ان تصرفات کے اہل نہیں (۱)۔

ب- آزاد ہو، لہذا غلام کی طرف سے وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف ملک کا ازالہ ہے اور غلام ملک کا اہل نہیں ہے (۲)۔

ج- بااختیار ہو، چنانچہ مکرہ (جس پر دباؤ ڈالا گیا ہو) کا وقف صحیح نہیں ہوگا (۳)۔

د- سفاہت (بدعقلی) یا افلاس کے سبب مجور (پابند) نہ ہو، اس لئے کہ وقف ایک تبرع ہے اور جس پر حجر ہو وہ تبرع کا اہل نہیں ہے، اور یہ مسئلہ فی الجملہ بالاتفاق ہے، ابن عابدین نے الفتح سے نقل کیا ہے: جو سفاہت کی وجہ سے مجور علیہ ہو اگر وہ اپنے اوپر اور اس کے بعد منقطع نہ ہونے والی جہت پر وقف کرے تو اسے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جو کہ محققین کے نزدیک قول صحیح بھی ہے، صحیح ہونا چاہئے، اور سب کے نزدیک اس شرط کے ساتھ (صحیح ہونا چاہئے) جب کہ کوئی حاکم اس کا فیصلہ کرے۔

اظہر کے مقابل قول میں شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ مفلس پر حجر کرنے کے بعد اس کا وقف کرنا اس صورت میں صحیح ہوگا جب وہ دین سے فاضل ہو (۴)۔

(۱) البدائع ۶/ ۲۱۹، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۸، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۵۶، کشاف القناع ۴/ ۲۴۰۔

(۲) البدائع ۶/ ۲۱۹، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، کشاف القناع ۴/ ۲۴۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۰۔

(۳) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۹، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۸، مغنی المحتاج ۲/ ۱۴۸، المغنی ۴/ ۴۸۶۔

مدیون پر حجر سے پہلے اس کے وقف کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب جیسا کہ الدر المختار میں ہے یہ ہے: جس مدیون پر حجر نہیں لگایا گیا ہو اس کا وقف صحیح ہوجائے گا اگرچہ دین اس کے مال کے برابر ہو بشرطیکہ وقف صحت کی حالت میں ہوا ہو، ابن عابدین نے کہا: اگرچہ اس نے ٹال مٹول ہی کا قصد کیا ہو، اس لئے کہ یہ وقف اس کی ملک میں ہوا ہے جیسا کہ انفع المسائل میں ذخیرہ کے حوالہ سے ہے، الفتح میں ہے: وہ لازم ہوگا جس کو اصحاب دیون اس صورت میں بالاتفاق ختم نہیں کرپائیں گے جب وہ حجر سے پہلے ہو، اس لئے کہ اس کی صحت کی حالت میں ان کا حق عین سے متعلق نہیں ہوا ہے اور الخیریہ میں اسی پر فتوی ہے اور لکھا ہے کہ اسی کے مطابق ابن نجیم نے فتوی دیا ہے۔

''الدر المختار'' میں ہے: جس مدیون پر حجر نہ ہو اگر وہ اپنے اوپر وقف کرے اور اس کی آمدنی سے دین ادا کرنے کی شرط لگادے تو صحیح ہوگا، اور اگر شرط نہ لگائے تو اس کو اسراف کے بغیر اس کے خرچ سے بچ جانے والی رقم سے ادا کیا جائے گا، ابن عابدین نے کہا: یعنی اگر وقف کی آمدنی میں سے کوئی چیز اس کی خوراک سے بچ جائے تو غرماء کو حق ہوگا کہ اس کو اس سے لے لیں، اس لئے کہ آمدنی اس کی ملک میں باقی ہے اور اگر دوسرے پر وقف کرے تو اس کی آمدنی خاص طور سے اس کی ہوگی جس کے لئے وقف کرے گا۔

بعض حنفیہ کا مذہب ہے کہ وقف صحیح نہ ہوگا، چنانچہ صاحب الدر المختار نے معروضات المفتی ابو سعود سے نقل کیا ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی اولاد پر وقف کردیا اور دیون سے فرار اختیار کیا، کیا، یہ صحیح ہوگا؟ تو جواب دیا: نہ صحیح ہوگا نہ لازم ہوگا اور قاضی حضرات کو دین میں مشغول مقدار کے وقف پر حکم لگانے اور وقف کا رجسٹریشن کرنے کی ممانعت ہوگی (۱)۔

(۱) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۹۵، فتح القدیر ۶/ ۲۰۸۔

مالکیہ دین کے بعد یا اس سے پہلے وقف کے ہونے کے درمیان اور موقوف پر قبضہ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان فرق کرتے ہیں، اگر دین وقف سے پہلے ہو تو وقف باطل ہوگا، اور واجب کو تبرع پر مقدم رکھتے ہوئے دین ادا کرنے کے لئے اس کو بیچ دیا جائے گا۔

اگر وقف دین سے پہلے ہو، اور جس پر وقف کیا گیا ہے وہ دین ہونے سے پہلے وقف پر قبضہ کرلے تو وقف صحیح ہوجائے گا، اور دین واقف کے ذمہ سے متعلق ہوجائے گا اور اگر جس پر وقف کیا گیا ہے اس نے وقف پر قبضہ نہ کیا ہو یہاں تک کہ دین ہو گیا تو غریم کو حق ہوگا وقف کو باطل کردے یعنی اس کو مکمل نہ ہونے دے اور اپنے دین میں اس کو لے لے یا اسے نافذ کردے چنانچہ اسے اختیار دیا جائے گا اس لئے کہ حق اسی کا ہے۔

اگر دونوں میں سے کسی ایک کا پہلے ہونا معلوم نہ ہو یعنی وقف کا دین سے پہلے یا دین کا وقف سے پہلے ہونا معلوم نہ ہو، تو اگر موقوف واقف کے قبضہ سے نکل گیا ہو اور جس پر وقف کیا گیا ہے اس نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو وقف باطل ہوجائے گا اور اسے دین کو ادا کرنے کے لئے بیچ دیا جائے گا، اگر کوئی شخص اپنے مجور پر وقف کرے اور وقف کرنے کے بعد دین ہوجائے اور دین ہونے سے پہلے باپ اپنے مجور کے لئے اس پر قبضہ کرلے یعنی موقوف مسلسل واقف کے قبضہ میں رہے تو وقف صحیح ہوگا، لیکن چار شرطوں کے ساتھ: واقف وقف پر گواہ بنائے، آمدنی موقوف علیہ پر خرچ کرے، موقوف ایسا گھر نہ ہو جس میں واقف رہتا ہو اور واقف نے اپنے مجور پر جو کچھ وقف کیا ہے وہ مشترک نہ ہو نہ اس نے اس کے حصہ کو اس میں معین کیا ہو۔

اگر یہ شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے تو وقف باطل ہوجائے گا۔

لیکن اگر وہ اپنے مجور پر وقف کرے اور دین کا وقف سے پہلے یا وقف کا دین سے پہلے ہونا معلوم نہ ہو اور سب شرطیں موجود ہوں یعنی گواہ بنانا، آمدنی موقوف علیہ پر صرف کرنا موقوف کا اس کی سکونت کا گھر نہ ہونا، تو وقف اس صورت میں باطل ہوگا جب باپ اپنے مجور کے لئے قبضہ کرے'' اور قبضہ کے ضعف کے سبب واجب کو تبرع پر مقدم کرتے ہوئے اسے دین ادا کرنے کے لئے بیچ دیا جائے گا، البتہ اگر باپ کی صحت کے زمانہ میں اس کی اجازت سے مجور علیہ کے لئے کوئی اجنبی اس پر قبضہ کرلے تو وقف صحیح ہوجائے گا(۱)۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس مدیون کا وقف صحیح ہوجائے گا جس پر حجر نہیں ہے، ابن قدامہ نے کہا: مفلس اپنے اوپر حاکم کے حجر لگانے سے پہلے جو کچھ کرے گا وہ جائز اور نافذ ہوگا اس لئے کہ وہ رشید (سمجھ دار) ہے اس پر حجر نہیں ہے لہذا دوسرے کی طرح اس کا تصرف بھی نافذ ہوگا(۲)۔

بہوتی نے کہا: مفلس کا اپنے مال میں اپنے اوپر حجر ہونے سے پہلے تصرف کرنا صراحت کے ساتھ صحیح ہے، اگر چہ اس کا دین اس کے پورے مال کے برابر ہو اس لئے کہ وہ رشید (سمجھ دار) ہے اور اس پر حجر نہیں ہے، نیز ممانعت کا سبب حجر ہے لہذا ممانعت اپنے سبب سے مقدم نہیں ہوگی اور اگر اپنے غریم کو ضرر پہنچائے گا تو حرام ہوگا اس کو آمدی بغدادی نے ذکر کیا ہے(۳)۔

مرض الموت میں مبتلا مریض کا وقف کرنا:

۲۱ - مرض الموت کا وقف تہائی سے نافذ ہونے میں وصیت کی طرح ہوگا اور وہ یا تو غیر وارث پر ہوگا یا وارث پر ہوگا۔

اگر غیر وارث پر ہو، جیسے کہ فقراء پر وقف کرے تو جو کچھ وقف کیا

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۰-۸۲۔

(۲) المغنی ۴/ ۴۸۵-۴۸۶، مغنی المحتاج ۲/ ۱۴۷-۱۴۸۔

(۳) شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۷۸۔

ہے اگر وہ ترکہ کے تہائی سے زائد نہ ہوتو وقف لازم ہوجائے گا اور تہائی مال سے اس کے معتبر ہونے میں وصیت کے حکم میں مانا جائے گا، اس لئے کہ وہ مرض الموت میں تبرع کرنا ہے اگر وہ تہائی سے نکل آئے تو ورثہ کی رضامندی کے بغیر جائز ہوگا، اگر موقوف واقف کے تہائی مال سے زائد ہوتو اس کا لازم ہونا ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، تو اگر وہ اجازت دیدیں تو وقف نافذ ہوجائے گا اور اگر ورثہ اس کی اجازت نہ دیں تو صرف تہائی میں نافذ ہوگا اور تہائی سے زائد میں باطل ہوجائے گا اس لئے کہ مرض الموت کی وجہ سے ورثہ کا حق مال سے متعلق ہوگیا ہے لہذا وہ تہائی سے زیادہ کے تبرع سے مانع ہوگا، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے (۱)۔

اگر وقف ورثہ پر ہو، تو اگر ان میں سے بعض پر ہو، اور موقوف ترکہ کا تہائی یا اس سے کم ہوتو وقف صحیح ہوجائے گا، خواہ بقیہ ورثہ اجازت دیں یا نہ دیں، اور اگر موقوف تہائی ترکہ سے زیادہ ہوتو تہائی سے زائد بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور تمام ترکہ کو تمام ورثہ پر وقف کرنا جائز ہوگا، اور ان میں سے جو رد کردے گا اسے فرض (شریعت کے ضابطہ کے مطابق) کے طور پر اپنے حصہ کی مقدار کا وارث مانا جائے گا، یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے (۲) اس کے بعد آمدنی کی تقسیم میں ان کے یہاں کچھ تفصیل ہے اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

حنفیہ نے کہا: کوئی عورت اپنے مرض (کے زمانہ) میں اپنی بیٹیوں پر پھر ان کے بعد ان کی اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر ہمیشہ جب تک ان کی نسل چلے، پھر جب وہ ختم ہوجائیں تو فقراء کے لئے وقف کرے، پھر اس کا اپنے مرض سے انتقال ہوجائے، اور وہ دولڑکیاں اور ایک علاتی بہن چھوڑے اور جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے بہن راضی نہ ہو اور گھر کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہوتو وقف تہائی میں جائز ہوگا دو تہائی میں جائز نہیں ہوگا، تو دو تہائی ورثہ میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا، اور ایک تہائی وقف ہوگا اور اس کی جو آمدنی ہوگی اس کو دونوں لڑکیوں کی زندگی کے زمانہ میں ورثہ کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا، پھر جب دونوں مرجائیں گی تو آمدنی دونوں کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد پر صرف کی جائے گی جیسا کہ وقف کرنے والی نے شرط لگائی ہے اس میں ورثہ کا کوئی حق نہیں ہوگا (۱)۔

ابن نجیم نے کہا: خلاصہ یہ ہے کہ مریض اگر اپنے بعض ورثہ پر پھر ان کے بعد ان کی اولاد پر، پھر فقراء پر وقف کرے تو اگر دوسرا وارث اجازت دے دے تو پورا کا پورا وقف ہوگا اور شرط مانی جائے گی ورنہ (یعنی اگر دوسرا وارث اجازت نہ دے) تو دو تہائی ورثہ کی ملکیت ہوگی اور ایک تہائی وقف ہوگی باوجودیکہ بعض کے لئے وصیت کسی بھی چیز میں نافذ نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ وقف صرف وارث کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کے بعد غیر وارث کے لئے ہے تو تہائی کی طرف دیکھتے ہوئے غیر کا اعتبار کیا گیا ہے اور وقف شدہ تہائی کی اس آمدنی کی طرف دیکھتے ہوئے وارث کا اعتبار کیا گیا ہے، چنانچہ جب تک وارث زندہ رہے گا شرط کی پیروی نہیں کی جائے گی اور اس تہائی کی آمدنی کو اللہ تعالی کے فرائض کے مطابق ورثہ پر تقسیم کردیا جائے گا پھر جب وہ وارث ختم ہوجائے جس پر وقف کیا گیا ہے تو تہائی کی آمدنی میں اس کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا (۲)۔

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۱۱، الإسعاف/ ۳۵، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۸ - ۸۲ - ۹۱، المغنی ۵/ ۶۲۲، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، ۳/ ۴۷ - ۵۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۲۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۳ - ۳۹۴، البحر الرائق ۵/ ۲۱۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۲۵۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۲، البحر الرائق ۵/ ۲۱۰۔

(۲) البحر الرائق ۵/ ۲۱۰، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۳۔

اگر کوئی شخص اپنے مرض میں اپنا گھر اپنی تین لڑکیوں پر وقف کرے اور ان کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں ہو تو گھر کی تہائی وقف ہوگی اور دو تہائی مطلق ہوگی ان میں وہ جو چاہیں کریں گی، فقیہ ابواللیث نے کہا: یہ اس وقت ہے جب وہ اجازت نہ دیں اگر اجازت دیدیں گی تو سب کا سب ان پر وقف ہوگا(۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر کوئی شخص ایسا گھر جس کے علاوہ کا وہ مالک نہ ہو اپنے بیٹے اور بیٹی پر برابر برابر وقف کرے اور دونوں رد کردیں تو اس کی تہائی دونوں کے درمیان برابر برابر وقف ہوگی اور کسی اجازت کی حاجت نہیں ہوگی اور دو تہائی میراث ہوگی اور اگر صرف بیٹا رد کرے تو اس کو دو تہائی کی دو تہائی بطور ارث ملے گی اور بیٹی کو دو تہائی ایک تہائی بطور وقف ملے گی اور اگر صرف بیٹی رد کرے تو اس کو دو تہائی کی ایک تہائی بطور میراث ملے گی اور بیٹے کو ان دونوں کا نصف بطور وقف کے ان دونوں کا چھٹا حصہ بطور میراث ملے گا، اس لئے کہ موقوف علیہ نے رد کردیا ہے(۲)۔

اگر اس کی تہائی کو بعض ورثہ پر وقف کرنے کی وصیت کرے تو وہ مطلقاً صحیح ہوگی، خواہ باقی ورثہ اس کی اجازت دیں یا صراحتاً صحت میں یا مرض میں اس کو رد کردیں اس لئے کہ نہ اس کی بیع کی جائے گی نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور آنے والی بطون (اولاد) کا حق اس سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس پر مکمل ملکیت حاصل نہیں ہوگی اسی طرح اگر تہائی سے زائد کا وقف کرے تو اگر بقیہ ورثہ اجازت دیدیں تو نافذ ہوجائے گا اور اگر اجازت نہ دیں تو تہائی سے زائد نافذ نہ ہوگا اگر چہ وارث ایک ہو اور تہائی سے زائد کا وقف اسی پر ہو، اس لئے کہ اگر وہ اس کے علاوہ پر ہو تو وہ اس کو رد کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو اسی طرح اس کو حق ہوگا جب خود اسی پر ہو(۱)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے وارث پر وقف کرے تو باطل ہوجائے گا اگر چہ تہائی کے اندر ہو اور اگر چہ موقوف علیہ اس پر قبضہ کرلے، اس لئے کہ وہ وصیت کی طرح ہے، اور وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہوتی ہے الا یہ کہ بقیہ ورثہ اس کی اجازت دیدیں لہذا اگر وہ اس کی اجازت دیدیں تو باطل نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ ان کی جانب سے ابتداءً وقف ہے(۲)۔

مالکیہ نے وارث پر وقف کے عدم جواز کی اپنی اصل سے ایک مسئلہ کا استثناء کیا ہے جو مسئلہ ولد الاعیان (کے نام) سے معروف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرض الموت میں اپنی صلبی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کے بعد والوں پر وقف کرے تو یہ وقف صحیح ہوگا لیکن جو کچھ وارث کے لئے مخصوص ہوگا اس کو تقسیم میں میراث کی طرح سمجھا جائے گا مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے مثل حق ہوگا۔ حقیقی میراث نہیں ہوگی لہذا وہ اس ملک میں مالکانہ کوئی تصرف یعنی بیع، ہبہ وغیرہ نہیں کریں گے اس لئے کہ وہ ان کے قبضہ میں وقف ہے ملک نہیں ہے تو اگر اس مثال میں اس کی تین صلبی اولادیں ہوں، اور چار اولاد کی اولاد ہو اور اس کے ساتھ ہی وہ ماں اور ایک بیوی بھی چھوڑے اور وقف میں ان کا ذکر نہ کرے تو وقف کو سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اس لئے کہ وقف اس کی تین اولاد اور اولاد کی چار اولاد پر ہے، اس کی تین اولاد کے لئے تین حصے مخصوص ہوں گے اور ماں بیوی اور ان دونوں کے علاوہ ورثہ ان میں ان کے شریک ہوں گے تو ماں کو چھٹا اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور یہ اس کی تین اولاد کے حصہ میں سے ہوگا، اور بقیہ ان کا ہوگا، پھر اولاد کی اولاد کے

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۱۰۔
(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۲۵۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۴۱۔
(۲) الشرح الکبیر و حاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۲۔

چار حصے ہوں گے جنہیں ان کے درمیان واقف کی شرط کے مطابق تفاضل (کمی بیشی) اور برابری سے تقسیم کیا جائے گا اور جو اس کی تین اولاد کے لئے مخصوص ہوگا وہ ان کے درمیان میراث کی طرح مرد کے لئے عورتوں کے دو حصہ کے مثل ہوگا، اگرچہ واقف نے اس کے خلاف شرط لگائی ہو، اور ان کے ساتھ ان کے حصہ میں ورثہ میں سے وہ بھی داخل ہوگا جس کا کوئی حصہ ہو اور چونکہ وہ آخر میں وقف ہے اس لئے جو اولاد کو ملا وہ باطل نہ ہوگا کیونکہ اس سے غیر اولاد کا حق متعلق ہے اور چونکہ مرض میں ان پر وقف صحیح نہیں ہوتا ہے لہذا ورثہ میں سے دوسرے ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔

اگر تمام ورثہ پر ان کی اولاد کی اولاد پر اور ان کے بعد والوں پر وقف کرے تو وقف کو ابتداءً تمام افراد پر تقسیم کیا جائے گا پھر جو ورثہ کے حصہ میں آئے گا اسے اللہ کے فرائض کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا اور جو اولاد کی اولاد کے حصہ میں آئے گا اسے واقف کی شرط کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور اگر واقف عقب (بعد والے) کا ذکر نہ کرے، مثلاً کہے: میری اولاد پر اور میری اولاد کی اولاد پر وقف ہے تو اولاد پر وقف باطل ہو جائے گا اور اولاد کی اولاد پر صحیح ہوگا، تو تعقیب (بعد والے کا ذکر) اس مسئلہ میں شرط ہے وقف کردہ شئ اولاد اور اولاد کی اولاد کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی اور جو اولاد کے اولاد کے حصہ میں آئے گی اس کی ذات وراثت ہوگی اور جو اولاد کے حصہ میں آئے وہ وقف ہوگی (۱)۔

مدیون مریض کا وقف کرنا:

۲۲ - فقہاء کا مذہب ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا مریض جو ایسے

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۲-۸۳۔

دین کا مدیون ہے جو اس کے مال کے برابر ہو، وقف کرے تو وقف ختم کر دیا جائے گا اور اس کے دین میں بیچ دیا جائے گا، ابن عابدین نے الفواکہ البدریہ سے نقل کیا ہے کہ ترکہ کے برابر دین قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر مرض الموت میں کئے ہوئے وقف کے نافذ ہونے سے مانع ہوتا ہے لیکن اگر دین اس کے مال کے برابر نہ ہو تو اگر ورثہ ہوں اور وہ اجازت نہ دیں تو وقف اداء دین کے بعد باقی ماندہ کی تہائی میں جائز ہوگا، اگر اس کے ورثہ نہ ہوں یا ورثہ ہوں اور وہ اجازت دیدیں تو اداء دین کے بعد کل باقی ماندہ میں وقف جائز ہوگا۔

ابن تیمیہ نے کہا: اگر کوئی شخص مستقل وقف کرے، پھر اس پر کوئی دین ظاہر ہو اور وقف میں کچھ کو بیچے بغیر دین اداء کرنا ممکن نہ ہو اور واقف مرض الموت میں ہو تو اسے بیچ دیا جائے گا، اس پر علماء کا اتفاق ہے (۱)۔

ذمی کا وقف کرنا:

۲۳ - فقہاء کا کہنا ہے کہ واقف کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہذا ذمی کی طرف سے وقف کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ وقف اس طرح تعبد کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے کہ وہ سرے سے کافر سے صحیح ہی نہ ہو، بلکہ اس کے ذریعہ تقرب قربت کی نیت پر موقوف ہے تو وہ اس کے بغیر مباح ہوگا یہاں تک کہ کافر کی طرف سے بھی صحیح ہوگا جیسے آزاد کرنا ہے، اور یہ بالاتفاق ہے (۲)۔

البتہ ذمی کی طرف سے کس چیز کا وقف کرنا صحیح ہوگا کس کا صحیح نہیں ہوگا اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور اس کی

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۹۵، الإسعاف / ۳، الاختیارات الفقہیہ لابن تیمیہ/ ۱۷۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۴، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۳۶، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۱-۸۲۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۹۶، فتح القدیر ۶/ ۲۰۰، ۲۰۱، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۶-۳۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲۔

وضاحت عنقریب موقوف سے متعلق گفتگو میں آئے گی۔

مرتد کا وقف کرنا:

۲۴- اگر مرتد اپنے ارتداد کی حالت میں وقف کرے تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مرتد اگر اپنے ارتداد کی حالت میں وقف کرے تو اس کا وقف موقوف رہے گا، اگر لوٹ آئے اور اسلام لے آئے تو اس کا وقف صحیح ہوجائے گا ورنہ اگر وہ مرجائے یا اپنے ارتداد پر قتل کردیا جائے تو اس کا وقف باطل ہوجائے گا اور یہی ابوبکر کے علاوہ حنابلہ کی عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے کہا: مرتد کی ملک کے زائل ہونے کا حکم صرف اس کے ارتداد کی وجہ سے نہیں لگایا جائے گا۔

حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن نے کہا: مرتد سے وہ چیزیں جائز ہوں گی جو اس قوم سے جائز ہوں گی جن کا دین اس نے اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مرتد عورت کا وقف صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ اس کو قتل نہیں کیا جاتا ہے، الا یہ کہ وقف حج یا عمرہ وغیرہ پر ہو تو جائز نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ میں سے ابوبکر نے کہا: مرتد کا وقف باطل ہے۔

لیکن اگر وقف مسلمان سے صادر ہو پھر وہ مرتد ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا وقف باطل ہوجائے گا یہاں تک کہ اگرچہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے، مالکیہ میں سے شیخ علیش نے ظاہر اس کو قرار دیا ہے کہ اس کا وقف صحیح ہے، باطل نہیں ہوگا (۱)۔

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰-۳۹۶، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۰۷، منح الجلیل ۴/ ۳۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵، ۴/ ۱۴۳، اسنی المطالب ۴/ ۱۲۳، المغنی ۸/ ۱۲۹۔

دوسری شرط: واقف شیٔ موقوف کا مالک ہو:

یہ شرط ہے کہ واقف وقف کے وقت شیٔ موقوف کا قطعی طور سے مالک ہو اور یہ بالاتفاق ہے اور اسی پر فضولی کے وقف اور حاکم کے وقف کے بارے میں حکم کا بیان متفرع ہوتا ہے اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

اول: فضولی کا وقف کرنا:

۲۵- فضولی کے وقف کے صحیح ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ، بعض مالکیہ کے نزدیک، شافعیہ کے یہاں قدیم قول میں اور ایک روایت میں، امام احمد کے نزدیک فضولی کا وقف مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا تو اگر وہ اس کی اجازت دیدے تو جائز ہوجائے گا اس لئے کہ مالک جب فضولی کے فعل کو جائز قرار دیتا ہے تو یہ فعل درحقیقت اس سے صادر ہوتا ہے اگر مالک اس کی اجازت نہ دے تو جائز نہیں ہوگا۔

راجح مذہب میں حنابلہ کے نزدیک اور -مشہور قول میں- مالکیہ کے نزدیک، اور جدید قول میں شافعیہ کے نزدیک فضولی کا وقف صحیح نہیں ہے اگرچہ مالک اس کی اجازت دیدے، اس لئے کہ وہ نہ مالک ہے نہ ولی اور نہ وکیل (۱)۔

مالکیہ نے اس حکم کی علت یہ بیان کی ہے کہ موقوف بغیر عوض ملکیت سے نکلتا ہے مبیع اس کے برخلاف ہے، اسی لئے بیع صحیح ہوگی، اس لئے کہ بیع بالعوض ہوتی ہے۔

دیکھئے: ''فضولی'' فقرہ/ ۱۱۔

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۰۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۶، الخرشی ۷/ ۷۹، مغنی المحتاج ۲/ ۱۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۳، الفروع ۴/ ۳۶، نیل المآرب ۲/ ۱۱۔

دوم- حاکم کا وقف کرنا:

۲۶- فی الجملہ فقہاء کا مذہب ہے کہ حاکم کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ بیت المال سے بھلائیوں اور مسلمانوں کے مصالح پر وقف کرے، البتہ فقہاء کے یہاں کچھ قیود اور تفصیل ہے، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

حنفیہ نے کہا جیسا کہ الدر المختار اور حاشیہ ابن عابدین میں ہے: اگر سلطان بیت المال سے کسی عام مصلحت کے لئے وقف کرے جیسے مسجد پر وقف کرے تو وہ جائز ہوگا، اگر وقف کسی معین شخص اور اس کی اولاد پر ہو تو وہ صحیح نہیں ہوگا، اگرچہ اس کا آخر فقراء کے لئے کردے، اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے لئے ہے تو اگر اس کے شرعی مصرف پر ہمیشہ کے لئے کردے گا تو اسے ثواب ملے گا، خاص طور سے جب کہ ان ظالم حکمراں سے اندیشہ ہو جو اس کو غیر شرعی مصرف پر صرف کریں گے تو یہ ایسا ہوگا کہ اس نے امراء میں سے ان لوگوں کو روک دیا جو بعد میں آکر اس طرح کا تصرف کریں (۱)۔

مالکیہ نے کہا: سلطان جو بھلائیوں پر وقف کرتے ہیں وہ صحیح ہے حالانکہ جس کو انہوں نے وقف کیا ہے اس پر ان کی ملکیت نہیں ہے اس لئے کہ سلطان مسلمانوں کی طرف سے وکیل ہے، لہذا وہ واقف کے وکیل کی طرح ہوگا اور اس کا وقف صحیح ہوگا جیسا کہ ابن عرفہ نے محمد بن خالد کے سماع کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن قرافی نے الفروق میں اس کی تاویل اس طرح کی ہے بشرطیکہ بادشاہ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے وقف کریں کہ وہ مالکوں کے وکیل ہیں، اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے اس کو وقف کریں کہ وہ ان کی ملک ہے تو ان کا وقف کرنا باطل ہوگا، عبدوسی نے اسی کا فتوی دیا ہے اور اسی کو ابن غازی نے نقل کیا ہے (۲)۔

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۹۳۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۶، الفروق للقرافی ۳/ ۷۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ امام کی طرف سے بیت المال کی کسی چیز کو وقف کرنا صحیح ہے، ابوسعید بن عصرون نے بھی سلطان نور الدین شہید کو اسی کا فتوی دیا اور حضرت عمرؓ کی طرف سے عراق کے سواد (کھیت اور باغ وغیرہ) کو وقف کردینے سے استدلال کیا یہ وقف خواہ کسی معین شخص پر ہو یا عام لوگوں پر ہو۔

نووی نے کہا: اگر امام غنیمت کی زمین کو وقف کرنے میں مصلحت سمجھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا تو یہ جائز ہوگا بشرطیکہ غنیمت حاصل کرنے والوں کو عوض دے کر یا بغیر عوض کے اس سے دست برداری پر راضی کرلے۔

بیت المال سے امام کے وقف کرنے کے بارے میں سبکی نے توقف کیا ہے خواہ وہ کسی معین شخص پر ہو یا عام لوگوں پر (۱)۔

حنابلہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ امام غنیمت میں حاصل کی ہوئی زمین کو وقف کرے اور بیت المال سے وقف کرے، بہوتی نے کہا: جو اوقاف بیت المال سے ہوں جیسے بادشاہوں کے اوقاف تو جس کو بیت المال سے لینے کا اختیار ہوتا ہے اس کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا اگرچہ وہ شروط کو انجام نہ دے (۲)۔

وقف کرنے والوں کی شرطیں:

۲۷- وقف ایک اختیاری قربت ہے جس کو وقف کرنے والا جس میں چاہتا ہے اپنے پسندیدہ طریقہ کے مطابق کرتا ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وقف کرتے وقت ایسی شرطیں لگائے جو حکم شریعت کے مخالف نہ ہوں، واقف جو شرطیں لگائے گا ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا ان کی مخالفت جائز نہ ہوگی بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں یا وقف کے مقتضی کے خلاف نہ ہوں کیونکہ جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، اسنی المطالب ۲/ ۴۵۷۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۱۸-۱۱۹، ۵۱۳۔

واقف کی شرط نص شرعی کی طرح ہوتی ہے۔

چنانچہ حاشیہ ابن عابدین میں ہے: واقف کی شرطیں اگر شرع کے مخالف نہ ہوں تو ان کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ مالک ہے لہذا اسے اختیار ہوگا کہ اپنے مال کو جہاں چاہے لگائے جب تک کہ وہ معصیت نہ ہو اور اسے اختیار ہوگا کہ فقراء کی کوئی صنف مخصوص کرلے، اگرچہ تمام فقراء میں صرف کرنا قربت ہے (۱) اور دردیر کی الشرح الکبیر میں ہے: اگر واقف کی شرط شرعاً جائز ہو تو اس کی پیروی کرنا واجب ہے اور اگر جائز نہ ہو تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی (۲)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اصل یہ ہے کہ واقف کی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا جب تک کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو وقف کے منافی ہو (۳)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے جیسا کہ شیخ تقی الدین بن تیمیہ نے کہا: شرائط کا پورا کرنا اس صورت میں لازم ہوگا جب وہ مقصود شرعی میں خلل ڈالنے کا سبب نہ ہوں اور مقصود شرعی کے فوت ہونے کے ساتھ ان میں سے بعض کی محافظت جائز نہیں ہوگی (۴)۔

ابن القیم نے وقف کرنے والوں کی شرطوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے: شریعت میں حرام کردہ شرطیں: اللہ تعالی اور اس کے رسول علیہ السلام کی ناپسندیدہ شرطیں، ایسی شرطیں جو اس چیز کے ترک کو متضمن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے یہاں زیادہ پسندیدہ ہیں اور ایسی شرطیں جو ایسا کام کرنے کو متضمن ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے یہاں زیادہ پسندیدہ ہیں، تو پہلی تین قسموں کا نہ کوئی احترام ہوگا نہ اعتبار، اور چوتھی قسم ہی ایسی شرط ہے جس کی پیروی کی جائے گی اور

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۱-۴۱۶۔

(۲) الشرح الکبیر، حاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۸۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۶۔

(۴) کشاف القناع ۴/ ۲۶۳، الإنصاف ۷/ ۵۶، الفروع ۴/ ۶۰۱۔

جس کا اعتبار کرنا واجب ہوگا (۱)۔

۲۸ - جو شرطیں جائز ہوں گی اور ان پر عمل واجب ہوگا اور جو شرطیں شریعت کے مخالف ہوں گی یا وقف کے مقتضی کے مخالف ہوں گی ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور فقہاء نے جن شرائط کا ذکر کیا ہے ان کے تتبع کے ذریعہ ان کو تین قسموں میں تقسیم کرنا ممکن ہے:

الف- باطل شرطیں جو وقف کو باطل کرنے والی اور اس کے انعقاد سے مانع ہوں، اس لئے کہ وہ وقف کے لزوم کے منافی ہیں۔

ب- ایسی باطل شرطیں کہ اگر واقف ان کی شرط لگائے تو وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

ج- ایسی صحیح شرطیں جن میں وقف اور شرط دونوں صحیح ہوں گے اور یہ شرطیں اپنی تمام انواع کے ساتھ ہر مذہب میں الگ الگ ہیں۔

چنانچہ کبھی کوئی شرط کسی مذہب میں صحیح اور دوسرے مذہب میں باطل ہوتی ہے بلکہ کبھی ایک ہی مذہب کے فقہاء کے درمیان ایک ہی مثال میں اختلاف ہوتا ہے، بعض اس کو باطل قرار دیتے ہیں اور دوسرے اس کو صحیح ٹھہراتے ہیں۔

اس کی وضاحت ذیل میں ہے:

۲۹ - پہلی قسم: باطل شرطیں جو وقف کو باطل کرنے والی اور اس کے انعقاد سے مانع ہوں، یہ وہ شرطیں ہیں جو وقف کے لزوم کے منافی ہوں اور اس کے مقتضی کے بھی منافی ہوں۔

بعض فقہاء کے نزدیک اس قسم کی ایک مثال: واقف وقف کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ اسے خیار ہوگا یعنی وقف کو باقی رکھنے اور جب چاہے اس میں رجوع کرنے کا یا وہ یہ شرط لگائے کہ اسے اس کو فروخت کرنے، ہبہ کرنے، یا رہن رکھنے کا حق ہوگا۔

(۱) اعلام الموقعین ۳/ ۹۷ طبع مکتبۃ الکلیات الازہریہ۔

اصح قول میں شافعیہ کے نزدیک اور محمد بن الحنفیہ کے نزدیک وقف کو فاسد اور باطل کرنے والی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وقف کرنے والا وقف سے اپنے دین کی ادائیگی یا اس سے انتفاع کی شرط لگائے۔ حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف کی رائے جس پر فتوی بھی ہے اور اصح کے مقابل قول میں شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے کہ واقف یہ شرط لگائے کہ وہ وقف میں سے اپنے اوپر خرچ کرے گا(۱)۔

اسی میں سے حنابلہ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر واقف یہ شرط لگائے کہ جس پر وقف کیا گیا ہے وہ وقف سے فائدہ نہ اٹھائے، یا یہ شرط لگائے کہ جن پر وقف کیا گیا ہے ان میں سے جس کو چاہے گا نکال دے گا یا جن پر وقف نہیں کیا گیا ہے ان میں سے جس کو چاہے گا داخل کرے گا تو وقف صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ وقف کے مقتضی کے منافی شرطیں ہیں لہذا اس کو فاسد کردیں گی (۲)۔

۳۰- دوسری قسم: ایسی باطل شرطیں جن کو اگر وقف کرنے والا لگائے گا تو وقف صحیح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی اور اس قسم میں مثالیں ہر مذہب میں الگ الگ ہیں:

اسی میں سے وہ ہے جس کو حنفیہ اور مالکیہ نے لکھا ہے کہ کتابوں کو وقف کرنے والا اگر اپنے وقف میں یہ شرط لگائے کہ کتابیں رہن کے بغیر عاریت پر نہیں دی جائیں گی تو شرط باطل ہوگی اس لئے کہ عاریت پر دی ہوئی چیز عاریت لینے والے کے پاس امانت ہوتی ہے اور وہ قابل ضمان نہیں ہوتی ہے (۳)۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۳۶۴/۵، مغنی المحتاج ۳۸۰/۲، المغنی ۶۰۴/۵-۶۰۵، الدر المختار ۳۸۷/۳۔

(۲) کشاف القناع ۲۶۱/۴، الانصاف ۵۷/۷۔

(۳) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳۶۷/۳، الحطاب ۳۶/۶۔

حنفیہ کے نزدیک اس کی کچھ مثالیں:

الف- اگر وقف کرنے والا یہ شرط لگائے کہ اس کی اولاد میں سے وقف چلانے کا جو متولی ہوگا اس کو عزل ونصب اور تمام تصرفات کا اختیار ہوگا کوئی قاضی یا کوئی امیر ان سے کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا اور اگر وہ ان سے دخل اندازی کریں تو ان پر اللہ کی لعنت ہو تو یہ شرط شریعت کے مخالف ہے اور اس میں جن پر وقف کیا گیا ہے ان کے مفاد کو فوت کردینا اور وقف کو معطل کردینا ہے لہذا اسے قبول نہیں کیا جائے گا نیز شریعت کی مخالف شرطیں لغو اور باطل ہیں (۱)۔

ب- اگر وقف کرنے والا شرط لگائے کہ قاضی یا سلطان وقف کے متولی کو معزول نہ کرے گا تو قاضی کے لئے جائز ہوگا کہ اگر وہ خائن ہو تو اس کو معزول کردے اس لئے کہ وہ حکم شریعت کی مخالف شرط ہے لہذا باطل ہوگی (۲)۔

ج- اگر وقف کرنے والا شرط لگائے کہ قاضی یا سلطان کو وقف کے بارے میں بات کرنے کا اختیار نہیں ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور قاضی کو کلام کا حق ہوگا اس لئے کہ اس کی نگاہ بلند ہے اور یہ ایک ایسی شرط ہے جس میں وقف کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی مصلحت لہذا اسے قبول نہیں کیا جائے گا (۳)۔

مالکیہ کے نزدیک اس کی کچھ مثالیں:

الف- اگر وقف کرنے والا وقف کے مستحق پر اس کے اصلاح کی شرط لگائے تو شرط لغو ہوجائے گی اور وقف صحیح ہوجائے گا اور اس کی اصلاح اس کی آمدنی سے کی جائے گی، جیسے وہ زمین جس پر ٹیکس ہو یعنی اس پر کسی ظالم حاکم کا کوئی جرمانہ ہو اور اس کو وقف کرنے والا

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳۹۰/۳۔

(۲) البحر الرائق ۲۶۵/۵، فتح القدیر ۲۳۲/۶۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳۸۸/۳، البحر الرائق ۲۴۱/۵۔

شرط لگادے کہ جرمانہ کی ادائیگی اس کی آمدنی سے ہوگی (۱)۔

ب- اگر وقف کرنے والا اس صورت میں موقوف کی اصلاح سے شروعات نہ کرنے کی شرط لگائے جبکہ اس کی اصلاح کی حاجت ہے جیسے وہ عمارت جس کو مرمت کی ضرورت ہو تو اس کی شرط کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے کہ یہ سرے سے وقف کو باطل کردینے کا سبب بن جائے گا بلکہ پہلے اس کی مرمت کی جائے گی تاکہ اس کا عین باقی رہے۔

ج- اگر موقوف حیوان ہو جس پر خرچ کرنے کی حاجت ہو، اور وقف کرنے والے نے اس پر پہلے خرچ نہ کرنے کی شرط لگائی ہو تو اس کی شرط باطل ہوگی اور اس کی آمدنی سے اس پر خرچ کیا جائے گا (۲)۔

حنابلہ نے کہا: شرطوں کو پورا کرنا صرف اس صورت میں لازم ہوتا ہے جب کہ وہ مقصود شرعی میں خلل ڈالنے کا سبب نہ بنیں اور ان کے ذریعہ مقصود شرعی کے فوت ہونے کے ساتھ ان کے بعض کی محافظت جائز نہیں ہوگی اس بنیاد پر اگر کوئی شخص نیک کاموں میں یہ شرط لگائے کہ اس میں مفضول صنف کو مقدم کیا جائے گا تو اس نے اللہ کی شرط کے خلاف شرط لگائی ہے جیسے امامت میں اس کا غیر اعلم (فائق فی العلم) کو مقدم کرنے کی شرط لگانا (۳)۔

اگر وقف کرنے والا صراحت کرے کہ ناظر مطلقاً جو چاہے یا مطلقاً جو کچھ مناسب سمجھے اس کے کرنے کا اختیار اسے ہوگا تو یہ صحیح اور مشہور قول کے مطابق شریعت کی مخالفت کے سبب باطل شرط ہے اور ناظر پر بیان مصلحت یعنی جستجو اور غور وفکر ضروری ہوگی تو وہ اس پر عمل کرے گا جس کے بارے میں ظاہر ہوگا کہ اس میں مصلحت ہے۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۸۹/۴۔
(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۹۰/۴۔
(۳) کشاف القناع ۲۶۳/۴۔

اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی کے استحقاق میں غیر شادی شدہ ہونے کی شرط لگائے تو شادی شدہ غیر شادی شدہ کے مقابلہ میں اس صورت میں زیادہ حقدار ہوگا جب کہ دوسری صفات میں دونوں برابر ہوں (۱)۔

۳۱- تیسری قسم: وہ صحیح شرطیں جن کی پیروی ضروری ہوتی ہے اس لئے کہ وقف کرنے والے کی شرط اگر شریعت کے مخالف نہ ہو اور اس میں نہ وقف کو کوئی نقصان ہو اور نہ مستحقین کو تو اس کی پیروی ضروری ہوگی نیز اس لئے کہ وقف کرنے والا مالک ہے تو اسے اختیار ہوگا کہ اپنے مال کو جہاں چاہے کردے بشرطیکہ معصیت نہ ہو (۲)۔

یہ شرطیں زیادہ تر وہی ہوتی ہیں جو وقف کی آمدنی کی تقسیم مستحقین، ان کی صفات، استحقاق کا زمان اور جو کچھ دیتا ہے اس کی مقدار کے بیان وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں، اور حضرت عمرؓ نے وقف کیا اور اپنے وقف میں کچھ شرطیں لگائیں اور اگر ان کی شرط کی پیروی واجب نہ ہوتی تو ان کے شرط لگانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، اور حضرت زبیر بن العوامؓ نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور اپنی طلاق یافتہ بیٹی کے لئے شرط لگائی کہ وہ اس حال میں رہیں کہ نہ ضرر پہنچائیں نہ ان کو ضرر پہنچایا جائے پھر جب وہ شوہر کے ذریعہ بے نیاز ہو جائیں تو ان کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا، نیز اس لئے کہ وقف اسی کی جہت سے حاصل ہوا ہے لہذا اس کی شرط کی اتباع کی گئی اور اس کی نص شارع کی نص کی طرح ہوگئی (۳)۔

ذیل میں ان شرائط کی بعض مثالوں کا ذکر ہے:

(۱) کشاف القناع ۲۶۱/۴-۲۶۲۔
(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳۶۱/۳، معونۃ اولی النہی ۹۸/۵-۹۷۔
(۳) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۴۲۷/۳، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۸۸/۴-۸۹، روضۃ الطالبین ۳۳۸/۵-۳۳۹، المہذب ۴۵۰/۱، المغنی ۶۱۷/۵-۶۱۸، کشاف القناع ۲۵۸/۴۔

الف- شخص معین سے شروعات کرنا یا اس کو مقدم کرنا یا اس کے لئے کسی معین چیز کو مخصوص کرنا:

۳۲- حنفیہ نے کہا: اگر واقف شرط لگائے کہ آمدنی صرف کرنے کی ابتدا میرے رشتہ دار فقراء میں سے اقرب فالاقرب سے کی جائے تو اس کو آمدنی میں سے اتنا دیا جائے گا جو اس کو بے نیاز کردے، ان میں سے اقرب کو دوسو درہم دیئے جائیں گے (جو کہ مقدار نصاب ہے) پھر اس سے قریب والے کو اسی طرح آخر بطون تک(۱)۔

اگر وقف کرنے والا کہے: میری یہ زمین اللہ تعالی کے لئے ہمیشہ کے لئے جب تک زید وعمرو زندہ رہیں ان پر اور ان کے بعد مساکین پر وقف ہے اس شرط پر کہ زید سے شروعات کی جائے اور اس صدقہ کی آمدنی سے ہر سال اس کو ایک ہزار درہم دیئے جائیں اور عمرو کو ایک سال کا گزارہ دیا جائے گا تو وقف جائز ہوگا اور زید سے شروعات کی جائے گی اور اسے ایک ہزار دیئے جائیں گے پھر عمرو کو اس کا ایک سال کا گزارہ دیا جائے گا اور جو کچھ بچ جائے دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اس لئے کہ اس نے دونوں کو پہلے اپنے قول ''زید وعمرو پر'' میں اکٹھا کرلیا تھا اور اگر اس پر اضافہ نہ کرتا تو پورا ہی دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوتا، تو جب اس نے کچھ تفصیل کردی تو اس میں اسی پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس نے جو کچھ کہا ہے آمدنی اس کے لئے کافی نہ ہو تو زید کو مقدم کیا جائے گا پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اسے عمرو کو دے دیا جائے گا ورنہ اس کے لئے کچھ نہ ہوگا(۲)۔

مالکیہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی سے فلاں کے ساتھ اتنے سے شروعات کرنے یا ہر مہینہ اتنا یا ہر سال اتنا دینے کی شرط لگائے تو اسے دوسرے سے پہلے اتنا دیا جائے گا اور اگر پہلے سال حاصل ہونے والی آمدنی اس کے اس حق کو پورا نہ کرے جس کو واقف نے متعین کیا تھا تو اس کی تکمیل دوسرے سال کی آمدنی سے کی جائے گی۔

اگر وقف کرنے والا کہے: ہر سال کی آمدنی سے اس کو اتنا دو اور کوئی سال ایسا آئے جس میں کچھ پیدا نہ ہو تو اسے ماضی کا حصہ مستقبل کی آمدنی سے نہیں دیا جائے گا، جب کہ وہ اس کے حق کو پورا نہ کرے اس لئے کہ اس نے آمدنی کی نسبت ہر سال کی طرف کی ہے(۱)۔

شافعیہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا پہلے سال کی آمدنی کسی قوم پر اور دوسرے سال کی آمدنی دوسرے لوگوں پر صرف کرنے کی شرط لگا دے اور اسی طرح جو باقی رہیں تو اس کی شرط کی پیروی کی جائے گی(۲)۔

حنابلہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا جن پر وقف کیا گیا ہے ان میں بعض کو مقدم کرنے کی شرط لگائے جیسے بعض کو چھوڑ کر بعض اہل وقف سے ابتدا کرنے کی (شرط لگائے) جیسے: میں نے زید عمرو اور بکر پر وقف کیا دینے کی ابتدا زید سے کی جائے گی یا میں نے فلاں جماعت پر وقف کیا اور ابتدا اصلح یا افقہ سے کی جائے گی تو اس کا لحاظ کیا جائے گا(۳)۔

ب- جن پر وقف کیا گیا ان میں سے بعض کو ترجیح دینا یا ان کے درمیان برابری کرنا:

۳۳- واقف کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے وقف میں جن پر وقف کیا گیا ہے ان کے درمیان استحقاق میں برابری کرنے یا بعض کو بعض پر

---

(۱) الإسعاف ۱۱۸۔

(۲) الاسعاف ۱۲۲-۱۲۳۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۸۹/۴۔

(۲) روضۃ الطالبین ۳۳۹/۵۔

(۳) کشاف القناع ۲۶۰/۴، الإنصاف ۵۳/۷، معونۃ اولی النہی ۸۰۳/۵۔

ترجیح دینے کی شرط لگائے لہذا اگر وقف کرنے والا کہے: میری یہ زمین فلاں کے بیٹوں پر صدقہ موقوفہ ہے اس شرط کے ساتھ کہ میں ان میں سے جس کو چاہوں ترجیح دوں، اوران میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے سے پہلے مرجائے تو آمدنی ان کے درمیان برابری کے ساتھ ہوگی اس لئے کہ ان میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی گئی ہے، اگر کہے: میں نے فلاں کو ترجیح دی ہے اوراس کے لئے تمام آمدنی کردی ہے تو صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ تخصیص ہے ترجیح نہیں ہے، یہ ضروری ہے کہ ہرایک کو کچھ دے، پھر جس کو چاہے کم یا زیادہ مطلقاً یا مدت معینہ تک کے لئے بڑھادے، اگراضافہ کردے اور کہے: فلاں کے بیٹوں پر اوران کی نسل پر پھران میں سے کسی ایک کو اس کے بیٹے اوراس کی نسل کو جب تک ان کی نسل چلے ترجیح دیدے تو جائز ہوگا اور یہ اس کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اس کی نسل کے لئے ہوگا، اس کو اس میں رجوع کا حق نہیں ہوگا اس لئے کہ اصل وقف میں ترجیح کی شرط لگانے کے سبب وہ اصل وقف سے ملحق ہوجائے گی، اگر کسی کو مثال کے طور پر کسی سال کی نصف آمدنی سے ترجیح دے تو جائز ہوگا اوراس سال کے بعد ہونے والی آمدنی میں وہ اپنے شرکاء کے برابر ہوگا اور اگر کہے: میں نے فلاں کو اس کے بھائیوں پر نصف آمدنی سے ترجیح دی اور وہ تین ہوں تو ترجیح والا آدمی دوتہائی کا اوراس کے بھائی ایک تہائی کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ آدھا اس کو ترجیح کی وجہ سے ہوجائے گا اور دوسرا نصف ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا اس لئے کہ وہ اس میں ان کے مساوی ہے تو ہرایک کو چھٹا حصہ ملے گا اورنصف چھٹے کے ساتھ مل کر دوتہائی ہوجائے گا (۱)۔

اگر کہے: میری یہ زمین فلاں کے بیٹوں پراس شرط پر صدقہ موقوفہ ہے کہ میں اس کی آمدنی ان میں سے جس کو چاہوں گا دوں گا پھر وہ ان میں سے ایک کے لئے اس کا کل یا بعض مطلقاً یا مدت معینہ کے لئے کردے یا اس کے بارے میں ایک کے بعد ایک کو ترتیب وار کردے، یا ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے تو جائز ہوگا، اوراگر اس کو ان میں سے کسی کے لئے ایک مدت کے لئے کردے اور یہ مدت گذرجائے یا مطلقاً کرے اور وہ مرجائے تو اس کی مشیت باطل ہوجائے گی اور وہ ان کے درمیان برابری کے ساتھ ہوگی (۱)۔

اسی طرح اگر واقف مستحقین کے درمیان برابری کرے تو اس کی شرط پر عمل کیا جائے گا جیسے وہ کہے: مردوعورت برابر ہوں گے یا مرد کو عورت پر یا عورت کو مرد پر ترجیح دے دے (۲)۔

یا کہے: اس شرط پر کہ بڑے کو چھوٹے سے دوگنا ہوگا یا عالم کو جاہل سے دوگنا ہوگا یا محتاج کو مالدار سے دوگنا ملے گا یا اس کے برعکس کرے اس لئے کہ وقف کی ابتدا اسی کا حق ہے تو اسی طرح اس کی ترجیح اورترتیب بھی ہوگی (۳)۔

ج - آمدنی کو معین مذہب والوں کے لئے مخصوص کرنا:

۳۴ - فقہاء کی رائے ہے کہ اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی کو کسی معین مذہب یا کسی معین جہت والوں کے لئے مخصوص کردے تو اس کی شرط معتبر ہوگی، اورفقہاء کے یہاں کچھ تفصیل ہے:

چنانچہ حنفیہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا مذہب کو معین کردے اور یہ شرط لگائے کہ جو اس سے منتقل ہوگا خارج ہوجائے گا تو اس کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا، اگر اپنی اولاد پر وقف کرے اور شرط لگائے کہ جو معتزلہ کا مذہب اختیار کرلے گا وہ خارج ہوجائے گا پھر ان میں سے

(۱) الإسعاف/۱۲۶۔

(۱) الإسعاف/۱۲۸۔

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۷، الروضہ ۵/۳۳۸-۳۳۹، المہذب ۱/۴۵۰، کشاف القناع ۴/۲۶۰، الإنصاف ۷/۵۳۔

(۳) المغنی ۵/۶۱۷-۶۱۸۔

ایک آدمی اس کو اختیار کرلے تو وہ خارج ہوجائے گا، اسی طرح اگر وقف کرنے والا معتزلہ میں سے ہو اور وہ شرط لگائے کہ جو اہل سنت کے مذہب کی طرف منتقل ہوجائے گا وہ باہر ہوجائے گا تو اس کی شرط معتبر ہوگی، اگر یہ شرط لگائے کہ جو اہل سنت کے مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے گا اور وہ خارجی یا رافضی ہوجائے تو وہ باہر ہوجائے گا (۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر کوئی شخص کسی معین مذہب والوں کو ان پر اپنے وقف کی آمدنی صرف کرنے کے لئے یا اپنے مدرسہ میں تدریس کے لئے مخصوص کرے تو ان کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف عدول کرنا جائز نہیں ہوگا (۲)۔

شافعیہ نے کہا: اگر علماء پر اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ وہ فلاں کے مذہب پر ہوں تو اس کی شرط کی رعایت کی جائے گی اسی طرح اگر کسی مدرسہ یا رباط میں کسی جماعت کو مخصوص کرے تو ان سے مخصوص ہوجائے گا (۳)۔

حنابلہ نے کہا: وقف کرنے والا مدرسہ کو کسی مذہب والوں کے ساتھ جیسے حنابلہ یا شافعیہ کے ساتھ مخصوص کرے تو مخصوص ہوجائے گا اسی طرح رباط، خانقاہ اور مقبرہ ہیں اگر ان کو کسی مذہب، شہر، یا قبیلہ والوں کے ساتھ مخصوص کردے تو شرط کو عمل دلاتے ہوئے مخصوص ہوجائے گا، اگر کسی مسجد یا رباط یا مدرسہ میں امامت کو کسی مذہب کے ساتھ مخصوص کردے تو وہ اس کے ساتھ خاص ہوجائے گی جب تک کہ وہ شخص جس کے لئے امامت کی شرط لگائی جارہی ہے نماز کے کسی حکم میں صریح سنت یا ظاہر سنت کے مخالف نہ ہو۔

حنابلہ اور اصح کے مقابل قول میں شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۶۶، الإسعاف/ ۱۰۶۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۸، الخرشی ۷/ ۹۲۔

(۳) روضۃ الطالبین ۵/ ۳۳۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵۔

اگر مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو کسی مذہب کے ساتھ خاص کردے تو وہ ان کے لئے خاص نہیں ہوگی اس لئے کہ مسجدیت کا اثبات عدم اختصاص کا تقاضا کرتا ہے لہذا مخصوص کرنے کی شرط اس کے منافی ہوگی۔

اصح قول میں شافعیہ اور حنابلہ میں سے صاحب التلخیص کا مذہب ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں کسی جماعت سے اس کے مخصوص ہونے کی شرط لگادے تو ان کے ساتھ خاص ہوجائے گی، صاحب التلخیص نے کہا: قول اشبہ کے مطابق ان سے خاص ہوجائے گی اس لئے کہ نماز کے احکام میں مذاہب میں اختلاف ہوتا ہے (۱)۔

د- ادخال اور اخراج کی شرط:

۳۵ - فقہاء کا قول ہے کہ وقف کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے وقف میں ادخال اور اخراج کی شرط لگائے (۲)۔

ادخال سے مقصود: جن پر وقف کیا گیا ہے ان کے بعض کے استحقاق کا کسی صفت پر مترتب ہونا اور اخراج سے مقصود: جن پر وقف کیا گیا ہے ان میں سے بعض کے عدم استحقاق کا کسی صفت پر مترتب ہونا، چنانچہ وہ جس پر وقف کیا گیا ہے اس کو وقف سے نکالنا نہیں ہے وہ محض استحقاق کا کسی صفت پر معلق کردینا ہے تو گویا وقف کرنے والے نے وقف میں اس کا حق اس شرط کے ساتھ قرار دیا ہے کہ جب وہ اس وصف سے متصف ہوگا تو وہ اس کو دے گا اور یہ صفت جب اس میں نہیں ہوگی تو اس کے لئے کوئی حق نہیں قرار دیا ہے۔

صفت پر استحقاق اور عدم استحقاق کے مرتب ہونے کی قید کی صراحت مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کی ہے۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۶۲ - ۲۶۳، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۱، الدسوقی ۴/ ۸۷ - ۹۸، المہذب ۱/ ۴۵۰، الروضہ ۵/ ۳۳۹، کشاف القناع ۴/ ۲۶۱، المغنی ۵/ ۶۱۸۔

مالکیہ نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص فقراء یا طلبہ علم یا نوجوانوں یا بچوں یا نوعمروں پر وقف کرے، پھر اس کی صفت ختم ہوجائے تو وہ باہر ہوجائے گا، اس لئے کہ استحقاق کو ایک وصف پر معلق کیا گیا ہے لہذا اگر وصف زائل ہوجائے گا تو اس کے زوال سے استحقاق بھی زائل ہوجائے گا(۱)۔

شافعیہ نے کسی صفت کے سبب اخراج کی مثال دی ہے کہ وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی اولاد پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ میری جو بیٹی شادی کرلے گی اس کا کوئی حق نہیں ہوگا یا اس شرط پر کہ میری اولاد میں سے جو مستغنی ہوجائے گا تو اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

کسی صفت کے سبب ادخال یہ ہے کہ کہے: میری جو بیٹی شادی کرے گی اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا، اگر اس کو طلاق ہوجائے گی یا اس کا شوہر اس کو چھوڑ کر مرجائے گا تو اس کی طرف اس کا حق لوٹ آئے گا(۲)۔

حنابلہ نے اس کی مثال دی ہے کہ وہ اپنی اولاد پر ان کے فقراء یا صلحاء ہونے کی شرط کے ساتھ وقف کرے یا وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور ان میں سے جو فاسق ہوجائے گا یا مستغنی ہوجائے گا تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا یا جو قرآن حفظ کرلے گا اس کا حق ہوگا اور جو قرآن بھول جائے گا تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

اصح قول کے مطابق شافعیہ اور حنابلہ نے ایک دوسری قید کی بھی صراحت کی ہے وہ یہ کہ اخراج اور ادخال اہل وقف کی طرف سے ہو نہ کہ دوسروں کی طرف سے، اسی لئے اگر اس میں غیر اہل وقف میں سے جو چاہے اس کے ادخال کی شرط لگادے تو وقف صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ وقف کے مقتضی کے منافی شرط ہے لہذا اس کو فاسد کردے گی(۱)۔

حنفیہ نے ادخال اور اخراج کو کسی قید سے مقید نہیں کیا ہے، الاسعاف میں ہے: اگر واقف اپنے وقف میں یہ شرط لگائے کہ وہ اہل وقف میں سے جس کے وظیفہ میں اضافہ کرنا مناسب سمجھے گا کردے گا اور جس کے وظیفہ میں کمی کرنا مناسب سمجھے گا کمی کردے گا اور ان کے ساتھ جس کو داخل کرنا مناسب سمجھے گا داخل کردے گا اور ان میں سے جس کو نکالنا مناسب سمجھے گا اس کو خارج کردے گا تو یہ جائز ہوگا، پھر جب کسی کے لئے ایک مرتبہ اضافہ کردے گا یا کمی کردے گا یا کسی کو داخل کردے گا یا کسی کو خارج کردے گا تو اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ اس کے بعد اس کو بدل دے، اس لئے کہ اس کی شرط اس فعل پر واقع ہوئی ہے جس کو وہ مناسب سمجھتا ہے، پھر جب اس نے اس کو مناسب سمجھا اور اس کو نافذ کردیا تو جس کو اس نے مناسب سمجھا تھا وہ پورا ہوگیا اور اگر اس کا ارادہ یہ ہو کہ یہ چیز اس کو جب تک وہ زندہ رہے ہمیشہ حاصل رہے تو کہے: اس شرط کے ساتھ کہ فلاں بن فلاں کو یہ حق ہوگا کہ جس کے وظیفہ میں اضافہ کرنا مناسب سمجھے گا اضافہ کردے گا، اور جس کے وظیفہ میں کمی کرنا مناسب سمجھے گا کمی کردے گا اور ان میں سے جس کا بڑھایا ہے اس میں کمی کردے گا اور جس کا گھٹایا ہے اس میں اضافہ کردے گا جس کو ان کے ساتھ داخل کرنا مناسب سمجھے گا داخل کردے گا اور ان میں سے جس کو نکالنا مناسب سمجھے گا جب چاہے گا نکال دے گا، اور بار بار کی رائے اور مشیت کے بعد بار بار ایسا کرے گا جب تک وہ زندہ رہے گا، پھر جب وہ اس میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز کرے گا جس کی شرط اس نے اپنے لئے لگائی ہے یا اس سے پہلے مرجائے گا تو وقف کا معاملہ اسی حالت پر برقرار رہے گا جس پر وہ اس کی موت

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۹۷۔
(۲) المہذب ۱/ ۴۵۰، الروضہ ۵/ ۳۳۹۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۶۱، المغنی ۵/ ۶۱۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵۔

کے دن تھا اور جو اس کے بعد اس وقف کا متولی ہوگا اس کو اس میں سے کسی چیز کا حق نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ اس کے لئے اصل وقف میں اس کی شرط لگادے(۱)۔

اگر واقف کہے: اس شرط پر کہ مجھے اختیار ہوگا کہ میں ان میں سے جس کو چاہوں گا محروم اور باہر کردوں گا پھر اس سے پہلے وہ مرجائے تو آمدنی ان سب کے درمیان ہوگی، اگر ان میں سے کسی ایک کو باہر کردے یا سوائے ایک کے سب کو باہر کردے، مطلقاً یا مدت معلومہ کے لئے تو صحیح ہوگا، قیاس کے مطابق اسے سب کو محروم کردینے کا اختیار نہیں ہوگا، اگر ان میں سے باقی رہ جانے والا مرجائے یا وہ ان سب کو نکال دے تو استحسان پر بناء کرتے ہوئے آمدنی مساکین کے لئے ہوگی، اسے اختیار نہیں ہوگا کہ ان کے پاس اس کو لوٹادے، اس لئے کہ جب وہ ان کو اس کی آمدنی سے ہمیشہ کے لئے محروم کردے گا تو آمدنی ان کے لئے ہونے سے خارج ہوجائے گی، اور اس کے بارے میں اس کی مشیت ختم ہوجائے گی اور وہ مساکین کی ہوجائے گی (۲)۔

صحیح شرط کی مخالفت کا حکم:

۳۶- حنفیہ نے مصلحت کی وجہ سے واقف کی شرط کی مخالفت کی اجازت دی ہے، اور یہ چند مسائل میں ہے اور ان میں سے کچھ یہ ہیں:

الف- اگر وقف کرنے والا عدم استبدال کی شرط لگائے، تو قاضی کو مصلحت کی وجہ سے استبدال کا اختیار ہوگا۔

ب- اگر شرط لگائے کہ قاضی ناظر کو معزول نہیں کرے گا تو اسے نااہل کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۱) الإسعاف ر ۳۴-۳۵، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۱۔

(۲) الإسعاف ر ۱۲۷۔

ج- اگر شرط لگائے کہ اس کے وقف کو ایک سال سے زیادہ کے لئے کرایہ پر نہیں دیا جائے گا اور لوگوں کو ایک سال کے لئے کرایہ پر لینے کی رغبت نہ ہو یا زیادہ کرنے میں فقراء کا نفع ہو تو قاضی کو مخالفت کا حق ہوگا ناظر کو حق نہ ہوگا۔

د- اگر واقف شرط لگائے کے فاضل آمدنی فلاں مسجد میں مانگنے والے پر صدقہ کیا جائے تو نگراں کو اختیار ہوگا کہ اس مسجد کے علاوہ یا مسجد کے باہر مانگنے والے پر یا نہ مانگنے والے پر صدقہ کرے۔

ہ- اگر وقف کرنے والا مستحقین کے لئے روزانہ متعین روٹی اور گوشت کی شرط لگائے، تو نگراں کو نقد سے قیمت دینے کا اختیار ہوگا اور راجح یہ ہے کہ متعین روٹی اور گوشت لینے یا قیمت لینے میں خیار مستحقین کو ہوگا۔

و- قاضی کی طرف سے امام کے متعین وظیفہ میں اضافہ کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ وہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور وہ متقی عالم ہو۔

ز- سلطان کے لئے شرائط کی مخالفت کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ اصل وقف بیت المال کے لئے ہو(۱)۔

تیسرا رکن: موقوف علیہ (جس پر وقف کیا گیا ہو):

۳۷- موقوف علیہ وہ جہت ہے جو شی موقوف سے فائدہ اٹھائے، خواہ جہت متعین ہو جیسے کوئی معین شخص یا غیر معین ہو، جیسے فقراء اور مساکین۔

اور اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں:

پہلی شرط: موقوف علیہ کی نیکی اور قربت (طاعت وعبادت) کی جہت ہونا:

۳۸- یہ شرط ہے کہ موقوف علیہ نیکی اور قربت کی جہت ہو خواہ

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۹۔

موقوف علیہ مسلمان ہو یا ذمی ہو، اس لئے کہ ذمی بھی محل قربت ہے اسی لئے اس پر صدقہ کرنا جائز ہے(۱) اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ صفیہ بنت حیی نے اپنے ایک یہودی بھائی پر وقف کیا(۲)۔

چونکہ موقوف علیہ میں اصل یہ ہے کہ وہ جہت قربت ہو، البتہ مالکیہ اور اصح قول میں شافعیہ نے موقوف علیہ میں قربت کے ظاہر ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے انہوں نے کہا: اس لئے کہ وقف اپنی ذات میں قربت ہے اسی لئے ان کے یہاں مالداروں پر وقف کرنا جائز ہے، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے جو صرف مالداروں پر وقف کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں اس لئے کہ ان کی نظر میں اس کو قربت نہیں سمجھا جاتا ہے، حنفیہ نے کہا: الا یہ کہ اغنیاء کے بعد وقف کو فقراء پر کردے تو جائز ہوگا، اسی طرح حنابلہ کے نزدیک مالداروں کی جماعت پر وقف صحیح نہیں ہوگا، اور شافعیہ کے یہاں اصح کے مقابل قول میں قصد قربت کے ظہور کی شرط لگانے کے پیش نظر مالداروں پر وقف جائز نہیں ہوگا(۳)۔

موقوف علیہ کے جہت قربت ہونے کی شرط لگانے کے پیش نظر موقوف علیہ کا معصیت کی جہت ہونا جائز نہیں ہوگا لہذا اگر جا گھروں (یہودی عبادت گاہوں اور آتش کدوں) پر وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا اگرچہ ذمی کی طرف سے ہو، اس لئے کہ یہ معصیت اور کفر کے اظہار میں ان کا تعاون کرنا ہے، کیوں کہ قربت اس وقت ہوگی جب کہ شریعت کی نظر میں وہ قربت ہو اور وقف کرنے والے کی نظر میں قربت ہو جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، ابن عابدین نے کہا: ذمی کے وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک اور ان کے نزدیک قربت ہو، جیسے فقراء پر وقف کرنا یہودی عبادت گاہ پر وقف کرنا اس کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ صرف ان کے نزدیک قربت ہے یا حج یا عمرہ پر وقف کرنا اس لئے کہ وہ صرف ہمارے نزدیک قربت ہے، مالکیہ نے گرجا گھر پر ذمی کے وقف کے صحیح نہ ہونے کی علت یہ بتائی ہے کہ راجح مذہب یہ ہے کہ وہ شریعت کی فروع کے مخاطب ہیں اور جیسا کہ گرجا گھروں پر وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا اسی طرح اس کی مرمت یا چٹائیوں اور قندیلوں پر بھی وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا یہ شافعیہ وحنابلہ کا مذہب ہے اور مالکیہ کے یہاں معتمد یہی ہے۔

مالکیہ میں سے عیاض نے کہا: گرجا گھر پر وقف کرنا مطلقاً صحیح غیر لازم ہے خواہ وہ اس وقف پر گواہ بنائیں یا نہ بنائیں، اور خواہ وہ واقف کے قبضہ سے نکلے یا نہیں، اور وقف کرنے والا جب چاہے اس میں رجوع کرسکتا ہے، مالکیہ میں سے ابن رشد نے تفصیل کی اور کہا: گرجا گھر کے پجاریوں پر کافر کا وقف کرنا باطل ہے اس لئے کہ وہ معصیت ہے، لیکن اس کی مرمت پر یا زخمیوں پر یا ان مریضوں پر جو اس میں ہیں وقف کرنا صحیح ہوگا اور اس پر عمل ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک عبادت کے علاوہ کے لئے گرجا کی تعمیر جیسے گزرنے والوں کے اترنے کے لئے گرجا پر وقف کرنا صحیح ہے جیسا کہ زرکشی اور ابن الرفعہ وغیرہ نے کہا ہے اور حنابلہ کے نزدیک جو مسلمان یا ذمی گرجا سے گذرے، اس پر وقف کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ گذرنے والوں پر صدقہ کرنا جائز ہے اور ان میں قربت کی صلاحیت

---

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰، ۳۶۱، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۹، ۳۸۰، المہذب ۱/ ۴۴۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲، ۴۹۳، المغنی ۵/ ۶۴۴، ۶۴۶۔

(۲) اثر: ''أن صفیة وقفت علی أخ لها یهودی'' کی روایت عبدالرزاق نے المصنف (۶/ ۳۳) میں اس لفظ سے کی ہے: ''عن ابن عمر أن صفیة ابنة حیی أوصت لابن أخ لها یهودی'' (حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی نے اپنے ایک یہودی بھائی کے لئے وصیت کی)۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۷، الدسوقی مع الشرح الکبیر ۴/ ۷۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۱، کشاف القناع ۴/ ۲۴۷۔

ہے، اگر گذرنے والے ذمی کو وقف کے ساتھ مخصوص کرے تو صحیح نہیں ہوگا(۱)۔

حربیوں اور مرتدوں پر وقف یا ناجائز جنگ یا ڈاکوؤں کے لئے ہتھیار کا وقف یا توریت اور انجیل کے لکھنے پر وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ توریت وغیرہ منسوخ اور محرف ہے(۲)، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے جب حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ ایک صحیفہ دیکھا جس میں توریت میں سے کچھ تھا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''**أمتهوكون فيها يا ابن الخطاب؟ لقد جئتم بها بيضاء نقية،... والذي نفسي بيده لو أن أخي موسى كان حيا ما وسعه إلا أن يتبعني**'' (۳) (اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ اس کے بارے میں مضطرب ہو؟ حالانکہ میں اس کو تمہارے پاس روشن اور صاف صاف لایا ہوں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرے بھائی موسی زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہ ہوتی)۔

دوسری شرط: موقوف علیہ کا ان لوگوں میں سے ہونا جن کا مالک ہونا صحیح ہو:

۳۹- فقہاء یہ شرط لگاتے ہیں کہ جس پر وقف کیا جارہا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا مالک بننا صحیح ہوتا ہے، یعنی وہ مالک ہونے کا حقیقۃً اہل ہو جیسے زید اور فقراء یا حکماً ہو جیسے مسجد رباط اور سبیل(۱)، نیز اس لئے کہ مساجد وغیرہ پر وقف کو مسلمانوں پر وقف سمجھا جاتا ہے البتہ اس کی تعیین ان کے ایک خاص نفع میں کردی گئی ہے(۲)۔

لیکن فقہاء کے درمیان تطبیق میں اختلاف ہے اور اس شرط کے تحت درج ذیل مسائل داخل ہیں:

الف-عنقریب وجود میں آنے والے پر وقف کرنا:

۴۰- حنفیہ اور مالکیہ نے اس پر وقف کی اجازت دی ہے جو عنقریب وجود میں آئے گا، اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے کہ وقف کے وقت موقوف علیہ موجود ہو لہذا اگر اپنے لڑکے پر وقف کرے اور اس کا کوئی لڑکا نہ ہو تو وقف صحیح ہوگا لیکن ان کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ موقوف علیہ کے وجود میں آنے تک موقوف کہاں خرچ کیا جائے گا۔

حنفیہ نے کہا: اگر زید کی اولاد پر وقف کرے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو یا اس جگہ پر وقف کرے جس کو اس نے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے لئے تیار کیا ہے تو اصح قول میں اس کا وقف صحیح ہوگا اور آمدنی زید کی اولاد ہونے یا مسجد کی تعمیر ہونے تک فقراء کے لئے صرف کی جائے گی اور جو آمدنی اس کے بعد ہوگی، اس لڑکے یا مسجد پر صرف کی جائے گی(۳)۔

موقوف کس پر خرچ کیا جائے گا اس کے بارے میں مالکیہ کے تین اقوال ہیں:

اول: امام مالک کا قول ہے انہوں نے کہا: اپنے لڑکے پر وقف کرنا حالانکہ اس کا کوئی لڑکا نہ ہو صحیح ہے، البتہ وہ لازم نہیں ہوگا لہذا وقف کرنے والے کو موقوف علیہ کی ولادت سے پہلے اس کو فروخت

---

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۳/۳۶۰-۳۶۱، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۷، مغنی المحتاج ۲/۳۸۰، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۳۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۰، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/۷۷، مغنی المحتاج ۲/۳۸۰، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۲۔

(۳) حدیث: ''**أمتهوكون فيها يا ابن الخطاب...**'' کی روایت احمد (۳/۳۸۷) نے کی ہے اور ہیثمی نے اس کو مجمع الزوائد (۱/۱۷۴) میں نقل کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس میں ایک راوی ہیں جن کو احمد اور یحیی بن سعید وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/۷۷، مغنی المحتاج ۲/۳۷۹۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۵، المغنی ۵/۶۴۶۔

(۳) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۰، ۴۱۴، ۴۳۸۔

کرنے کا اختیار ہوگا اگر چہ اس کو بچہ سے مایوسی نہ ہوئی ہو، اگر وہ اس سے غافل رہے یہاں تک کہ اس کو لڑکا پیدا ہوجائے تو وقف مکمل ہوجائے گا۔

دوم: ابن القاسم کا قول ہے: انہوں نے کہا: وقف محض اس کے عقد سے لازم ہوجائے گا، اور وہ وقف کرنے والے کی ملک نہیں ہوگا الا یہ کہ لڑکے سے مایوسی ہوجائے تو اس وقف کا معاملہ مایوسی پر موقوف رہے گا، چنانچہ جب وہ لڑکے سے مایوس ہوجائے گا تو اسے اس کے بیچنے کا حق ہوگا۔

سوم: ابن ماجشون کا قول ہے: انہوں نے کہا: اس کے وقف ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور کسی ثقہ کے قبضہ میں رکھ دیا جائے گا تا کہ اس کا قبضہ صحیح ہوجائے اور اس کی آمدنی روک لی جائے گی، اگر اس کو بچہ ہوجائے تو وقف اور آمدنی اس کی ہوجائے گی اور اگر بچہ نہ ہو تو وہ وقف کرنے والے کے سب سے قریبی رشتہ دار کے لئے ہوگا۔

دسوقی نے کہا: اختلاف کا محل وہ صورت ہے جب پہلے اس کے یہاں ولادت نہ ہوئی ہو اور اگر اس کے یہاں ولادت ہوئی ہو تو کسی نزاع کے بغیر اس کا انتظار کیا جائے گا شیخ احمد زرقانی نے یہی فرمایا ہے(۱)۔

شافعیہ اور حنابلہ وقف کے وقت موقوف علیہ کے موجود ہونے کی شرط لگاتے ہیں لہذا اگر اپنے لڑکے پر وقف کرے اور اس کا کوئی لڑکا نہ ہو یا اپنی اولاد میں سے فقیر پر کرے اور ان میں سے کوئی فقیر نہ ہو تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور اسے باطل سمجھا جائے گا اس لئے کہ جو لڑکا ابھی تک پیدا نہیں ہوا ہے وہ مالک نہیں ہوگا تو اس پر وقف کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا، لیکن غیر موجود پر تبعاً وقف کرنا صحیح ہوگا اصالۃً نہیں جیسے واقف کہے: میں نے اپنی اولاد پر اور جب تک تناسل ہو اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کیا(۱)۔

ب- حمل پر وقف کرنا:

۱۴۱ - شوافع اور راجح مذہب میں حنابلہ کا قول ہے کہ ابتداءً حمل پر وقف کرنا جائز نہیں ہے، حنابلہ میں سے ابن عقیل نے ابتداءً حمل پر وقف کرنے کے جائز ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، اور حارثی نے اسی کو مختار قرار دیا ہے، لیکن اگر حمل پر وقف تبعاً ہو تو شافعیہ اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، انہوں نے کہا: جنین پر وقف صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا مالک بننا صحیح نہیں ہے، خواہ وہ مقصود ہو یا تابع ہو یہاں تک کہ اگر کہے: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا، اور اس کو اولاد ہو اور وقف کے وقت جنین بھی ہو تو وہ داخل نہیں ہوگا ہاں اگر علاحدہ ہوجائے تو ان کے ساتھ داخل ہوجائے گا، الا یہ کہ وقف کرنے والا موجودین کا نام لے لے یا ان کی تعداد ذکر کردے تو جیسا کہ اذرعی نے کہا ہے وہ داخل نہیں ہوگا اس کے برخلاف اگر ذریت نسل اور عقب پر وقف کرے تو وقف میں نیا حمل داخل ہوجائے گا۔

اگر حمل پر وقف تبعاً ہو، تو حنابلہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ اس عورت کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس وقت وہ تملیک ہے اور وہ مالک نہیں ہوتا، اور تبعاً حمل پر وقف صحیح ہوگا جیسے وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی اولاد پر اس کو وقف کیا اور ان میں حمل بھی ہو تو وہ اس میں داخل ہوگا(۲)۔

مالکیہ کے نزدیک ابن عرفہ نے متیطی سے نقل کرتے ہوئے کہا

---

(۱) الدسوقی ۴/ ۸۹، منح الجلیل ۴/ ۶۶۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۹ - ۳۸۶، المہذب ۱/ ۴۴۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۵ - ۴۹۶، تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۶/ ۲۴۲۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۹، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۵ - ۴۹۶، الإنصاف ۷/ ۲۲۔

ہے کہ مشہور اور معمول علیہ حمل پر وقف کا صحیح ہونا ہے، ابن ہندی نے کہا: ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ حمل پر وقف جائز نہیں ہوگا حالانکہ روایات عنقریب پیدا ہونے والے پر اس کے صحیح ہونے کو واضح کرتی ہیں(۱)۔

حنفیہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حمل پر وقف کرنا جائز ہوگا اس لئے کہ انہوں نے کہا: اگر کوئی آدمی اپنی زمین اپنی اولاد پر اور اس کے بعد مساکین پر صحیح طور سے وقف کرے، تو آمدنی کے وجود کے دن موجود اولاد وقف میں داخل ہوگی خواہ وہ وقف کے دن موجود ہو یا اس کے بعد وجود میں آئے، یہ ہلال رحمہ اللہ کا قول ہے اور مشائخ بلخ رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی مختار ہے، اسی طرح اگر وہ کہے: میری اولاد پر نیز میری جو اولاد پیدا ہو اس پر اور جب وہ ختم ہوجائیں تو مساکین پر اور اگر کہے: میری یہ زمین میری جو اولاد پیدا ہو اس پر صدقہ موقوفہ ہے، حالانکہ اس کو کوئی اولاد نہ ہو تو یہ وقف صحیح ہوگا، پھر اگر آمدنی تیار ہوجائے گی تو اسے فقراء پر تقسیم کردیا جائے گا اور اگر تقسیم کے بعد اس کو اولاد پیدا ہوجائے تو جو آمدنی اس کے بعد پائی جائے گی اسے اس لڑکے پر جب تک یہ لڑکا باقی رہے گا صرف کیا جائے گا اور اگر اس کو کوئی اولاد باقی نہ رہے تو آمدنی فقراء پر خرچ کی جائے گی(۲)۔

ابن عابدین نے الفتح سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: پھر وقف علی الاولاد میں اولاد میں سے مستحق وہ لڑکا ہوگا جو آمدنی کی پیداوار کے وقت اپنی ماں کے پیٹ میں حمل کی حالت میں پایا جائے یہاں تک کہ اگر چھ مہینے سے کم مدت میں پیدا ہوجائے اگرچہ آمدنی کی پیداوار کے بعد ہو تو وہ مستحق ہوگا، اور جو چھ مہینے یا اس سے زیادہ پورا ہوجانے پر پیدا ہو وہ مستحق نہیں ہوگا اس لئے کہ آمدنی کی پیداوار کے وقت ہمیں پیٹ میں پہلے کی موجودگی کا یقین ہے لہذا وہ مستحق ہوگا، اگر

(۱) الحطاب ۶/ ۲۲، منح الجلیل ۴/ ۳۸۔

(۲) الفتاوی الہندیہ ۲/ ۳۷۱۔

تقسیم سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثہ کا ہوگا یہ بیوی کی اولاد کے بارے میں ہے، اگر بائنہ عورت جدائی کے وقت سے دو سال سے کم میں جنے تو وہ مستحق ہوجائے گا اس لئے کہ اس عورت سے وطی کے حلال ہونے کے بغیر اس لڑکے کا نسب ثابت ہوگا(۱)۔

تیسری شرط: وقف واقف پر نہ لوٹے:

یہ دو حالتوں پر مشتمل ہے: اول: خود اپنی ذات پر وقف کرے، دوم: اپنے لئے آمدنی کی شرط لگائے۔

الف- خود اپنی ذات پر وقف کرنا:

۴۲- انسان کا خود اپنی ذات پر وقف کے صحیح ہونے کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں: اول: خود اپنی ذات پر وقف صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ انسان کا اپنی ہی ملکیت کا اپنے آپ کو مالک بنانا ناممکن ہے، اس لئے کہ وہ حاصل ہی ہے اور تحصیل حاصل محال ہے، یہ جمہور فقہاء: مالکیہ، اصح قول میں شافعیہ اور اکثر حنابلہ کا مذہب ہے اور یہی ان کے نزدیک راجح مذہب ہے، نیز حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن کا مذہب ہے۔

لیکن شافعیہ اور حنابلہ نے کہا: اگر اپنی ذات پر وقف کرے اور کوئی حاکم اس کا فیصلہ کردے تو اس کا حکم نافذ ہوجائے گا اور اس کو توڑا نہیں جائے گا اس لئے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

دوم: انسان کا اپنی ذات پر وقف کرنا صحیح ہے، یہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور مذہب میں معتمد یہی ہے اور اصح کے مقابل میں شافعیہ کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: اس لئے کہ کسی چیز کا وقف کے طور پر مستحق ہونا ملک کے طور پر مستحق ہونے سے مختلف ہے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۸۔

اور یہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے جس کو ان کی ایک جماعت نے مختار قرار دیا ہے(۱)۔

ب- اپنے لئے آمدنی کی شرط لگالینا:

۴۳- واقف کا اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانے یا اس میں سے کھانے کی شرط لگالینے کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: واقف کا اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانا جائز ہے، یہ حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف کا مذہب ہے، ان کے یہاں اسی پر فتوی بھی ہے اور اصح کے مقابل قول میں شافعیہ کا مذہب ہے، اور یہ ابن ابولیلی، ابن شبرمہ، اور زہری کا بھی قول ہے، تاکہ لوگوں کو وقف کی رغبت ہو، المنتہی اور اس کی شرح میں ہے اگر کوئی شخص کوئی چیز دوسرے پر وقف کرے، اور اس کی کل آمدنی یا بعض آمدنی کو اپنے لئے تاحیات یا مدت معینہ کے لئے مستثنی کرلے تو صحیح ہوگا یا اس کی آمدنی یا بعض کو اسی طرح اپنے بیٹے کے لئے مستثنی کرلے تب بھی صحیح ہوگا، یا اس میں سے کھانے کو یا اپنے یا اپنے گھر والوں کے لئے انتفاع کو مستثنی کرلے یا یہ شرط لگائے کہ اپنے دوست کو اس میں سے اپنی زندگی بھر یا مدت معینہ تک کھلائے گا تو وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں۔

حنابلہ و امام ابویوسف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت حجر مدری سے مروی ہے: **"إن في صدقة رسول الله ﷺ أن يأكل أهله منها بالمعروف غير المنكر"**(۲) (رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں یہ تھا کہ آپ کے گھر والے اس میں سے معروف کے مطابق نہ کہ غیر معروف انداز میں کھائیں گے)، اور اس کے لئے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۷، الدسوقی ۴/ ۸۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۴، الإنصاف ۷/ ۱۷۔

(۲) حدیث حجر المدری: "إن في صدقة رسول الله ﷺ ...." کی روایت اثرم نے کی ہے جیسا کہ المغنی لابن قدامہ (۸/ ۱۹۱ ط ہجر) میں ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب کا قول بھی دلیل ہے جب انہوں نے وقف کیا تھا: **"لا جناح على من وليها أن يأكل منها أو يطعم صديقاً غير متمول فيه"**(۱) (جو اس کا متولی ہو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ مال جمع نہ کرتے ہوئے اس میں سے کھائے یا اپنے دوست کو کھلائے) اور وقف انہیں کے قبضہ میں رہا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھر ان کی بیٹی حفصہؓ، پھر ان کے بیٹے عبداللہؓ کے ہاتھ میں آیا، حنابلہ نے کہا: نیز اس لئے کہ اگر وہ وقف عام کرے جیسے مساجد، پل اور مقابر پر کرے تو اس کو اس سے انتفاع کا حق رہتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

امام ابویوسف نے اس طرح بھی استدلال کیا ہے کہ وقف ملک کو قربت کے طور اللہ تعالی کی طرف ازالہ کردینے کا نام ہے تو جب بعض یا کل کی شرط اپنے لئے کرے گا تو جو چیز اللہ تعالی کی مملوک ہوگی اس کو وہ اپنے لئے کرے گا، یہ نہیں کہ اس نے اپنی ملک کو اپنے لئے کرلیا ہے اور یہ جائز ہوگا جیسے اگر وہ کوئی سرائے یا حوض تعمیر کرے یا اپنی زمین کو قبرستان بنادے اور یہ شرط لگادے کہ وہ اس میں اترے گا، یا اس سے پیئے گا یا اس میں دفن کرے گا، نیز اس کا مقصود قربت ہے اور اپنے اوپر صرف کرنے میں اسی طرح ہے(۲) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **"ما أنفق الرجل على نفسه وأهله وولده وخادمه فهو صدقة"**(۳) (آدمی جو کچھ اپنے اوپر، اپنے اہل پر اولاد پر اور خادم پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے)۔

(۱) اثر عمر لما وقف: "لا جناح على من وليها..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۹۲) اور مسلم (۳/ ۱۲۵۵) نے کی ہے۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۷، فتح القدیر ۶/ ۲۲۵-۲۲۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۴-۴۹۵، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰۔

(۳) حدیث: "ما أنفق الرجل على نفسه...." کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۲۳) نے بروایت حضرت مقداد بن معدیکرب کی ہے اور بوصیری نے مصباح الزجاجہ (۲/ ۵ ط دار الجنان) میں اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

لیکن حنابلہ وامام ابو یوسف نے کہا: وقف کی آمدنی سے واقف کا انتفاع شرط کے ذریعہ ہونا ضروری ہے، چنانچہ موقوف سے کھانا تبھی حلال ہوگا جب اس کی شرط لگائی جائے۔

لیکن حنابلہ کے یہاں یہ اس وقت ہے جب وہ عام وقف نہ ہو، لیکن اگر مسلمانوں کے لئے کوئی چیز وقف کرے تو وہ بغیر شرط کے ان میں شامل ہوجائے گا، جیسے کوئی مسجد وقف کرے تو اسے اس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہوگا، یا قبرستان وقف کرے تو اسے اس میں دفن کرنے کا اختیار ہوگا یا مسلمانوں کے لئے کوئی کنواں وقف کرے تو اسے اس سے پینے کا اختیار ہوگا، یا سقایہ یا مسلمانوں پر عام ہونے والی کسی چیز کا وقف کرے تو وہ ان میں سے ایک فرد کی طرح ہوگا (۱)۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بئر رومہ وقف کیا اور اس میں ان کا ڈول مسلمانوں کے ڈولوں کی طرح تھا (۲)۔

دوسرا قول: وقف کرنے والے کا دوسرے پر وقف کی گئی شی کی آمدنی کو اپنے لئے ہونے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہوگا، شافعیہ کے یہاں یہی اصح ہے، اور یہی محمد بن الحسن کے قول کا قیاس ہے، اور عدم صحت، اس صورت سے مقید ہے جب کہ وقف کی آمدنی سے انتفاع کی شرط لگائے، شیرازی نے کہا: اس لئے کہ وقف عین کو روکنے اور منفعت کا مالک بنا دینے کا تقاضا کرتا ہے اور عین اسی پر روک دیا گیا ہے اور منفعت اسی کی ملکیت میں ہے تو وقف کے کوئی معنی نہیں رہے، شربینی خطیب نے کہا: اگر فقراء پر وقف کرے اور یہ شرط لگائے کہ وقف کی آمدنی میں سے ان کے ساتھ وہ بھی لے گا تو شرط کے فاسد ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگا۔

مالکیہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا یہ شرط لگائے کہ اگر وہ وقف کا محتاج ہوجائے گا تو وہ بیچ دے گا تو اسے اس کو بیچنے کا حق ہوگا، حاجت کو ثابت کرنا اور اس پر قسم کھانا ضروری ہوگا، الا یہ کہ وقف کرنے والا شرط لگا دے کہ یمین کے بغیر اس کی تصدیق کی جائے گی (۱)۔

شافعیہ کچھ مسائل کا استثناء کرتے ہیں، جن میں وقف کرنے والے کے لئے موقوف سے انتفاع جائز ہوتا ہے اور اسی میں سے یہ ہے کہ اگر وہ علماء اور ان جیسے لوگوں، جیسے فقراء پر وقف کرے، اور ان کی صفت سے وہ بھی متصف ہو، یا فقراء پر وقف کرے پھر وہ بھی فقیر ہوجائے، یا مسلمانوں پر وقف کرے مثلاً مطالعہ وغیرہ کے لئے کوئی کتاب یا پکانے کے لئے ہانڈی یا پینے کے لئے کوزے وغیرہ وقف کرے تو ان کے ساتھ اسے بھی انتفاع کا حق ہوگا اس لئے کہ اس نے خود اپنی نیت نہیں کی ہے (۲)۔

چوتھی شرط: جس جہت پر وقف کیا گیا ہے اس کا غیر منقطع ہونا:

۴۴- کسی منقطع نہ ہونے والی جہت جیسے فقراء اور مساجد پر وقف کرنا صحیح ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (۳)۔

لیکن اس صورت میں ان کے درمیان اختلاف ہے، جب وقف ایسی چیز پر ہو جو ابتداء، درمیان یا انتہاء میں ختم ہوجانے والی ہو۔

اس کی وضاحت ذیل میں ہے:

اول: جب کہ موقوف علیہ ابتدا یا انتہاء میں منقطع ہو:

۴۵- جیسے کوئی اپنی اولاد پر وقف کرے حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہ

(۱) فتح القدیر ۶/ ۲۲۶، المغنی ۵/ ۶۰۴۔

(۲) اثر عثمان بن عفان: "أنه سبل بئر رومة" کی روایت ترمذی (۵/ ۶۲۷) نے کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰، المہذب ۱/ ۴۴۸، الدسوقی ۴/ ۸۹، الخرشی ۷/ ۹۳۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰۔

(۳) ابن عابدین ۳/ ۳۶۵، المہذب ۱/ ۴۴۸، المغنی ۵/ ۶۲۲- ۶۲۳، الدسوقی ۴/ ۸۴۔

ہوتو یہ وقف حنابلہ اور راجح مذہب میں شافعیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا، حنفیہ کے نزدیک صحیح ہوجائے گا، اور آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی پھر جب اولاد ہوجائے گی تو اس پر صرف کی جائے گی اور مالکیہ کے تین اقوال ہیں (۱)۔

اس کا بیان ''عنقریب وجود میں آنے والے پر وقف'' سے متعلق گفتگو کے وقت گذر چکا ہے (فقرہ/۴۰)۔

دوم: جب کہ موقوف علیہ ابتدا میں منقطع اور انتہاء میں متصل ہو:

۴۶- جیسے کوئی شخص اپنی ذات پر (جو اپنی ذات پر وقف کو ناجائز نہیں قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک) یا کسی غلام پر پھر فقراء پر وقف کرے تو حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب میں فی الحال اس کے بعد والے یعنی (فقراء) پر صرف کیا جائے گا، مالکیہ کے نزدیک بھی حکم اسی طرح ہوگا بشرطیکہ موقوف علیہم (جن پر وقف کیا گیا ہے) کی جانب سے واقف کی طرف سے کوئی مانع افلاس بیماری یا موت پیش آنے سے پہلے اس پر قبضہ کرلیا جائے، اور اگر قبضہ نہ ہو، یہاں تک کہ وقف کرنے والے کو ان تینوں امور (موت بیماری یا افلاس) میں سے کوئی مانع پیش آجائے تو وقف پورا نہیں ہوگا، اور بیماری یا موت کی حالت میں ورثہ کو اس کو باطل کرنے یا اس کی اجازت کا حق ہوگا، اور افلاس کی حالت میں غریم (قرضخواہ) کو اس کو باطل کردینے اور اپنے دین میں اس کو لے لینے کا اختیار ہوگا۔

شافعیہ نے کہا: اس میں دو طریقے ہیں: شیرازی کہتے ہیں: ہمارے اصحاب میں سے بعض کا کہنا ہے وہ باطل ہے اس میں ایک ہی

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۴، الدسوقی ۴/ ۸۹، منح الجلیل ۴/ ۶۶، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۹-۳۸۶، المہذب ۱/ ۴۴۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۵-۴۹۶، المغنی ۵/ ۶۰۷۔

قول ہے اس لئے کہ پہلا باطل ہے اور دوسرا ایک باطل اصل کی فرع ہے لہذا وہ بھی باطل ہوگا، ان میں سے بعض کے اس میں دو اقوال ہیں: اول: وہ باطل ہے اس کی وجہ گذر چکی، دوم: وہ صحیح ہوگا اس لئے کہ جب پہلا باطل ہوگیا تو وہ اس طرح ہوگیا جیسے ہوا ہی نہ ہو، اور دوسرا اصل ہوگیا۔

اگر ہم کہیں کہ وہ صحیح ہوگا تو اگر پہلے کے ختم ہونے کا اعتبار کرنا ممکن نہ ہو جیسے کہ غیر معین آدمی ہو تو آمدنی اس کے بعد والے یعنی فقراء پر صرف کی جائے گی، اس لئے کہ اس کے ختم ہونے کا اعتبار ممکن نہیں ہے، لہذا اس کا حکم ساقط ہوگیا۔

اگر اس کے ختم ہونے کا اعتبار کرنا ممکن ہو جیسے غلام، تو اس میں تین نقاط نظر ہیں:

اول: اسے فی الحال بعد والے کی طرف منتقل کردیا جائے گا، اس لئے کہ جس پر ابتدا میں وقف کیا گیا ہے اس پر وقف صحیح نہیں ہے، تو وہ معدوم کی طرح ہوجائے گا۔

دوم: اور یہ منصوص ہے: وہ واقف کا، پھر اس کے وارث کا ہوگا، یہاں تک کہ موقوف علیہ ختم ہوجائے پھر اس کے بعد والے کا ہوجائے گا، اس لئے کہ فقراء کی طرف منتقل ہونے کی شرط نہیں پائی گئی، لہذا وہ اس کی ملک میں باقی رہے گا۔

سوم: وہ واقف کے رشتہ داروں کا ہوگا تا آنکہ موقوف علیہ ختم ہوجائے، پھر فقراء کا ہوجائے گا اس لئے کہ ان کی طرف منتقل ہونے کی شرط نہیں پائی گئی (۱)۔

سوم: جب موقوف علیہ درمیان میں منقطع ہو:

۴۷- جیسے اگر زید پر، پھر اپنے غلام پر یا کسی مبہم شخص پر، پھر فقراء پر

(۱) الشرح الكبير وحاشية الدسوقي ۴/ ۸۰-۸۱، الشرح الصغير ۲/ ۳۰۴، المہذب ۱/ ۴۴۹، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۷-۴۹۸۔

وقف کرے، یا زید پر، پھر اپنی ذات پر، پھر فقراء پر وقف کرے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس پر وقف کرنا جائز ہے اس کے ختم ہونے کے بعد اس کو فقراء پر صرف کیا جائے گا، لیکن مالکیہ کے یہاں اس میں یہ قید ہے کہ جب واقف کو کوئی مانع جیسے افلاس، بیماری یا موت پیش آنے سے پہلے موقوف علیہ کا قبضہ پایا جائے جیسا اس کا بیان دوسری حالت میں گذر چکا ہے۔

وقف شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح ہے، البتہ انہوں نے دو صورتوں میں فرق کیا ہے:

اول: اگر وقف درمیان میں منقطع ہو، جیسے میں نے اپنی اولاد پر، پھر ایک مبہم آدمی پر، پھر فقراء پر وقف کیا، تو راجح مذہب میں صحیح ہوگا، اس لئے کہ فی الحال بھی اور آخر میں بھی مصرف موجود ہے۔

اس بنیاد پر اس کی اولاد کے بعد اس کو فقراء پر صرف کیا جائے گا نہ کہ واقف سے قریب ترین رشتہ داروں پر اس لئے کہ انقطاع کی مدت معلوم نہیں ہے۔

دوم: جیسے کہے: میں نے اپنی اولاد پر پھر اپنے غلام پر پھر فقراء پر وقف کیا تو یہ بھی درمیان میں منقطع ہے لیکن اس صورت میں اس کی اولاد کے بعد وقف کرنے والے کے رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا(۱)۔

چہارم: جب موقوف علیہ انتہاء میں منقطع ہو:

۴۸ - جیسے کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے اور اس پر اضافہ نہ کرے یا زید پر پھر گرجا گھر پر وقف کرے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وقف کے آخر کو غیر منقطع جہت کے لئے کرے، یعنی یہ ضروری ہے کہ تابید کی صراحت کرے، اور یہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۴، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۴، حاشیۃ القلیوبی ۳/ ۱۰۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۷-۴۹۸۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور یہ مسجد کے علاوہ میں ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک دو روایتیں ہیں: پہلی روایت: تابید شرط نہیں ہے، اگر کسی منقطع جہت کو مقرر کرے جیسے اپنی اولاد پر وقف کرے اور اس پر اضافہ نہ کرے تو وقف جائز ہوگا اور جب وہ ختم ہوجائیں گے اور یہ زندہ رہے گا تو اس کی ملک میں ورنہ وارث کی ملک میں لوٹ آئے گا۔

دوسری روایت: یہ کہ تأبید شرط ہے، یہاں تک کہ اولاد کے بعد آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی(۱)۔

مالکیہ وقف مؤبد اور وقف مؤقت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

تو وقف مؤبد کے تعلق سے اگر وہ جہت منقطع ہوجائے جس پر وقف کیا گیا ہے تو وقف وقف کرنے والے کے عصبہ میں سے نسب کے اعتبار سے قریب تر فقراء کے پاس لوٹ آئے گا، اور ان پر وقف ہوجائے گا، حصوں میں مرد وعورت برابر رہیں گے حتی کہ اگرچہ واقف نے اپنے اصل وقف میں شرط لگائی ہو کہ وہ موقوف علیہم (جن پر وقف کیا گیا ہے) میں مرد کے لئے دو عورتوں کے حصوں کے مثل ہوگا، اس لئے کہ ان کی طرف وقف کا واپس آنا واقف کے کرنے سے نہیں ہے، وہ تو شریعت کے حکم سے ہے لیکن اگر وہ واقف کہے: اگر وقف منقطع ہوجائے تو میرے عصبہ کے قریب تر رشتہ داروں کے پاس لوٹ جائے گا اور مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر ہوگا، تو ظاہر یہ ہے کہ اس کی شرط پر عمل کیا جائے گا اس لئے کہ اس نے لوٹنے کی صراحت کی ہے اس لئے کہ اس طریقہ سے لوٹنا اس پر وقف کرنے کے معنی میں ہوگا، تو بیٹا پھر اس کا بیٹا، پھر بھائی، پھر اس کا بیٹا، پھر دادا، پھر چچا، پھر اس کا بیٹا مقدم ہوگا، اور ان کے ساتھ واقف کے فقیر رشتہ داروں میں سے سب سے قریبی عورت بھی شریک ہوگی جو اگر مرد ہوتی تو اس کا

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۵، تبیین الحقائق ۳/ ۳۲۶-۳۲۷، فتح القدیر ۶/ ۲۱۴-۲۱۵۔

عصبہ ہوتی جیسے بیٹی، بہن، اور پھوپھی، اور اگر وقف سے پیدا ہونے والی آمدنی میں وقف تنگ پڑ جائے تو بیٹیوں کو بھائیوں پر نہ کہ بیٹے پر مقدم کیا جائے گا تو بیٹیاں اتنا لیں گی جو ان کو کافی ہو جائے اور پورا نہیں لیں گی اور وقف کرنے والا اس میں داخل نہیں ہوگا خواہ وہ فقیر ہو اور اگر قریبی رشتہ دار مالدار ہو تو یہ اس کے لئے ہوگا جو درجہ میں اس سے متصل ہو۔

اگر وقف موقت ہو جیسے اگر کوئی شخص ایک یا زیادہ اشخاص پر وقف کرے اور اس میں ان کی زندگی یا فلاں کی زندگی تک کی قید لگا دے یا کسی مدت مثلاً دس سالوں کی قید لگا دے تو ان میں سے جو مر جائے گا اس کا حصہ اس کے بقیہ ساتھیوں کے لئے ہوگا، جب وہ ختم ہو جائیں گے تو اس کے مالک یا اگر وہ مر جائے تو اس کے وارث کی ملک میں لوٹ آئے گا اور اگر کسی چیز کی قید نہ لگائے مطلق رکھے تو سب کے ختم ہونے کے بعد اصح قول کے مطابق اوقاف کے لوٹنے کی جگہ میں لوٹ آئے گا، اور یہ امام مالک سے مصریوں کی روایت ہے اور ان ہی میں ابن القاسم اور اشہب بھی ہیں اور اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ واقف یا اس کے وارث کی ملک میں لوٹ آئے گا اور وہ اہل مدینہ کی روایت ہے۔

جب وہ اوقاف کی جگہ میں لوٹے گا تو وقف مؤبد کی طرح ہوگا یعنی وقف کرنے والے کے قریب ترین عصبہ اور اس عورت کے لئے ہوگا جس کو مرد فرض کیا جائے تو وہ عصبہ بنے، جیسے بیٹی، اگر عصبہ نہ ہوں یا ختم ہو جائیں تو فقراء کے لئے ہوگا (۱)۔

شافعیہ کے یہاں دو رائیں ہیں: اول: اور وہی اظہر ہے، وقف صحیح ہوگا اس لئے کہ وقف کا مقصود قربت اور دوام ہے اور جب ابتداء میں مصرف کی وضاحت کر دی جائے تو خیر کے راستہ پر اس کو دوام دینا آسان ہوگا، دوم: انقطاع کی وجہ سے وقف باطل ہو جائے گا۔

اظہر کے مطابق اگر مذکور ختم ہو جائے تو ان کی دو رائیں ہیں:

اظہر: وہ وقف باقی رہے گا۔

دوم: وقف ختم ہو جائے گا اور وہ واقف یا اگر وہ مر جائے تو اس کے وارث کی ملک میں لوٹ آئے گا۔

پہلی رائے کے مطابق جس میں وقف صحیح ہے اس کے مصرف کے بارے میں ان کی دو رائیں ہیں: اول: اور وہی اظہر ہے: اسے مذکور کے ختم ہونے کے دن جو واقف کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو اس پر صرف کیا جائے گا، اس لئے کہ رشتہ داروں پر صدقہ کرنا افضل ترین قربات میں سے ہے، حدیث میں ہے: "**الصدقة علی المسکین صدقة وعلی ذی الرحم ثنتان: صدقة وصلة**" (۱) (مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے، اور ذورحم پر کرنا دو ہیں، صدقہ اور صلہ رحمی)۔

اور مصرف لازمی طور پر جیسا کہ خوارزمی وغیرہ نے صراحت کی ہے، اصح قول میں قرابت رحم کے فقراء کے ساتھ مخصوص ہوگا نہ کہ قرابت وراثت کے ساتھ چنانچہ نواسہ، چچازاد بھائی پر مقدم ہوگا۔

اگر اس کے رشتہ دار نہ ہوں تو امام آمدنی کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرے گا جیسا کہ رویانی نے نص سے روایت کی ہے، ایک قول ہے: اسے فقراء اور مساکین پر صرف کر دیا جائے گا۔

اور اصح کا مقابل یہ ہے کہ اسے فقراء اور مساکین پر صرف کر دیا جائے گا، اس لئے کہ انتہاء میں وقف انہیں کے پاس لوٹتا ہے (۲)۔

---

(۱) الدسوقی ۴/ ۸۵-۸۷، الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۵-۳۰۶۔

(۱) حدیث: "الصدقة علی المسکین..." کی روایت ترمذی ۳/ ۳۸ نے حضرت سلمان ابن عامر سے کی ہے اور فرمایا: حدیث حسن ہے۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۴، المہذب ۱/ ۴۴۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔

اور حنابلہ کے نزدیک وقف صحیح ہوگا اور جس پر وقف جائز ہوتا ہے اس کے بعد انقطاع کے وقت واقف کے نسبی ورثہ پر ان کی وراثت کے بقدر صرف کیا جائے گا اور یہ ان پر وقف ہوگا تو وہ اس کے رقبہ میں ملکیت منتقل کرنے کے مالک نہیں ہوں گے (۱)۔

پانچویں شرط: جس جہت پر وقف کیا جارہا ہے اس کا معلوم ہونا:

۴۹ - موقوف علیہ میں اصل یہ ہے کہ جس جہت پر وقف کیا جارہا ہے وہ معلوم ہو، اور جب وقف میں سرے سے جہت کی تحدید نہ کی گئی ہو جیسے کہ واقف نے کہا: میں نے وقف کیا اور خاموش رہے اور کسی مصرف کی تحدید نہ کرے، یا جب جہت مجہول یا مبہم ہو جیسے کسی غیر معین شخص پر وقف تو اس کے صحیح ہونے کے بارے میں فقہاء کا دو قولوں پر اختلاف ہے:

پہلا قول: جمہور فقہاء اس کی صحت کی رائے رکھتے ہیں اور اس کے متعلق ان کی کچھ تفصیل ہے:

مالکیہ، حنابلہ، احناف میں سے امام ابو یوسف اور اظہر کے مقابل میں شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ واقف جب کوئی مصرف بیان نہ کرے اس طور پر کہ وہ کہے: میں نے وقف کیا اور خاموش ہو جائے اور اس جہت کی تعیین نہ کرے جس پر وقف کیا گیا ہے تو وقف صحیح ہوگا، لیکن جس چیز کی طرف وقف جائے گا اس میں ان کا اختلاف ہے:

امام ابو یوسف کے نزدیک اسے فقراء پر تقسیم کیا جائے گا اور فتوی اسی پر ہے، اور یہ اس لئے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے وقف کیا اس کے اللہ تعالی کی طرف پھر اللہ کے نائب یعنی فقیر کی طرف اس کی ملکیت کے منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی کے مثل شافعیہ کے نزدیک اظہر کا مقابل قول ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کہے: میرا گھر وقف ہے اور اس کا مصرف معین نہ کرے تو اگر اس سے پوچھنا ممکن ہو تو وہ جو جہت بتائے اس میں صرف کیا جائے گا اور اگر اس سے پوچھنا ناممکن ہو تو اس کو وقف کرنے والے کے شہر کے عرف میں عام طور سے جس پر وقف کی نیت کی جاتی ہو اس میں جو غالب ہو اس پر صرف کیا جائے گا، جیسے اہل علم اور اہل قراءت اور اگر ان میں کوئی غالب نہ ہو تو اجتہاد کے ذریعہ فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

حنابلہ کے نزدیک اس کے نسبی ورثہ پر ان کی وراثت کے بقدر صرف کیا جائے گا اور یہ ان پر وقف ہوگا، لہذا وہ اس کی ذات میں ملکیت کو منتقل کرنے کے مالک نہیں ہوں گے، اور ورثہ کے درمیان وراثت ہی کی طرح حجب واقع ہوگا چنانچہ بیٹے کے ساتھ بیٹی کو تہائی ملے گا اور باقی بیٹے کو ملے گا اور اخیافی بھائی کو علاتی بھائی کے ساتھ چھٹا حصہ ملے گا اور علاتی بھائی کو باقی ماندہ ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو فقراء اور مساکین پر بطور وقف کے صرف کیا جائے گا اور امام احمد نے صراحت کی ہے کہ اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، چنانچہ وہ بیت المال کی طرف لوٹ آئے گا۔

دوم: وہ باطل ہوگا، شافعیہ کے نزدیک یہی اظہر ہے، حنفیہ میں سے امام محمد کا یہی قول ہے اور امام محمد کے یہاں تابید کے عدم ذکر کے سبب باطل ہے۔

لیکن امام محمد نے کہا: اگر کہے: صدقہ موقوفہ ہے تو وقف صحیح ہوگا اور فقراء پر صرف کیا جائے گا اس لئے کہ صدقہ کا ذکر تابید پر دلالت کرتا ہے اور الخانیہ میں ہے: یہی صحیح ہے، اس لئے کہ صدقہ کا محل دراصل فقراء ہی ہیں (۱)۔

---

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۸۔

(۱) الإسعاف / ۱۶، طبع دوم ہندوستانی ایڈیشن، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۵-۳۶۶، الفتاوی الہندیہ ۲/ ۳۵۷-۳۵۸، فتح القدیر ۶/ ۲۰۲،

اگر وقف کسی مجہول جہت پر ہو، جیسے کسی غیر معین آدمی پر وقف ہو یا جہت مبہم ہو جیسے ان دو آدمیوں میں سے ایک پر وقف ہو تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ یہ وقف صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ وقف فوری تملیک کا نام ہے لہذا صحیح نہیں ہوا(۱)۔

اولاد پر وقف کرنا:

۵۰-اگر وقف کرنے والا وقف علی الاولاد میں صرف ایک طبقہ کا ذکر کرے، جیسے وہ کہے: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا، یا میں نے اپنی اولاد پر پھر مساکین پر وقف کیا، تو اس حالت میں اس کی اولاد میں سے جو موجود ہوگا صرف وہی مستحق ہوگا، خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، مرد ہو یا عورت، اس لئے کہ ولد (کالفظ) واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب پر بولا جاتا ہے جیسا کہ اہل لغت نے کہا ہے، اور وہ ان کے درمیان برابر ہوگا اس لئے کہ اس نے اس کو ان کے لئے کیا ہے اور مطلقاً شریک کرنا برابری کا متقاضی ہے اور اگر اس کا صرف ایک ہی لڑکا ہو تو وہ وقف کی تمام آمدنی لے لے گا اور یہ بالاتفاق ہے(۲)۔

اگر اس کے بعد اس کو اولاد پیدا ہو تو حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک استحقاق میں وہ بھی داخل ہو جائے گی، اور یہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے جس کو ابن ابو موسی نے مختار قرار دیا ہے ابن زاغونی نے اس پر فتوی دیا ہے، قاضی اور ابن عقیل کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے المبہج اور المستوعب میں اسی پر جزم کیا ہے اور الاقناع میں اسی کو مختار قرار دیا ہے۔

دوسری روایت: وقف کے بعد پیدا ہونے والی اولاد استحقاق میں داخل نہیں ہوگی، یہی راجح مذہب ہے(۱)۔

۵۱-اس صورت میں اولاد کی اولاد کے داخل ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جبکہ وہ کہے: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا چنانچہ حنفیہ کے نزدیک شافعیہ کے نزدیک اصح قول میں نیز حنابلہ میں سے قاضی اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے کہ اولاد کی اولاد داخل نہیں ہوگی، اس کے بارے میں بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد برابر ہیں، اس لئے کہ حقیقۃً اور عرفاً اولاد صرف اس کی صلبی اولاد کو کہتے ہیں اور اولاد کی اولاد کو مجازاً کہتے ہیں نیز وقف کرنے والے نے استحقاق میں صرف ایک طبقہ یعنی بطن اول پر اکتفاء کیا ہے اور بیٹے کی اولاد کے داخل ہونے کے لئے کوئی صراحت یا شرط موجود نہیں ہے(۲)۔

مالکیہ کا مذہب ہے اور یہی حنابلہ کے یہاں راجح مذہب اور شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے، کہ صرف بیٹے کی اولاد داخل ہوگی بیٹیوں کی اولاد داخل نہ ہوگی اس لئے کہ اولاد کی اولاد اس کی اولاد ہے اس کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يَا بَنِيْ آدَمَ" (۳) (اے اولادِ آدم)، اور "يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ" (۴) (اے بنی اسرائیل)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "ارموا بني اسماعيل فإن

= الدسوقی ۴/ ۸۷-۸۸، الشرح الصغیر ۳/۲۰۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۸، نیل المآرب ۲/ ۱۴۔

(۱) المہذب ۱/ ۴۴۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۸۵، نیل المآرب ۲/ ۱۳، روضۃ القضاۃ للسمنانی ۲/ ۹۴۷۔

(۲) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۴۳۶-۴۳۷، الاسعاف ۹۵-۹۶، فتح القدیر ۶/ ۲۴۲-۲۴۳، الشرح الکبیر و حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۳، المہذب ۱/ ۴۵۱، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، کشاف القناع ۴/ ۲۷۷-۲۷۸۔

(۱) فتح القدیر ۶/ ۲۴۳، احکام الأوقاف/ ۱۰۴، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۷-۸۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، الروضہ ۵/ ۳۳۷، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۷۸، کشاف القناع ۴/ ۲۷۸، منتہی الارادات ۲/ ۵۰۸، الإنصاف ۷/ ۴۷ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) الإسعاف/ ۹۶، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، الروضہ ۵/ ۳۳۵-۳۳۶، المغنی ۵/ ۶۰۹۔

(۳) سورہ اعراف/ ۳۱۔

(۴) سورہ بقرہ/ ۴۰۔

أباکم کان رامیاً"(۱) (اسماعیل کے بیٹو! تم تیراندازی کرو، اس لئے کہ تمہارے باپ اسماعیل تیرانداز تھے) اور بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے آدمی سے ہیں، نیز اس لئے کہ بیٹیوں کی اولاد اپنے آباء کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

بنونا بنو آبائنا و بناتنا

بنوهن أبناء الرجال الاباعد (۲)

(ہمارے بیٹے ہمارے آباء کے بیٹے ہیں، اور ہماری لڑکیوں کے بیٹے دور دراز کے لوگوں کے بیٹے ہیں)۔

شافعیہ کے نزدیک ایک قول میں، اور امام احمد سے ایک روایت میں جس کو ابوالخطاب نے مختار قرار دیا ہے، وقف علی الاولاد میں اولاد کی اولاد مطلقاً داخل ہوگی خواہ وہ بیٹوں کی اولاد ہوں یا بیٹیوں کی اولاد ہوں، اس لئے کہ بیٹیاں اس کی اولاد ہیں اور ان کی اولاد، اولاد کی اولاد ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ" (اور ان کی نسل میں سے داؤد) إلی قوله "وَعِيسَى" (۳) (اور عیسی)، حالانکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد ہیں، نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: میرا یہ بیٹا سردار ہے (۴)، مراد حضرت حسن ہیں۔

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ اگر وقف علی الاولاد کے وقت واقف کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اس کی اولاد کی اولاد ہو تو لفظ ان پر محمول ہوگا اس لئے کہ قرینہ موجود ہے، اور تاکہ مکلّف کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جائے جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے اور صلبی اولاد نہ ہونے کے وقت بیٹے کی اولاد صلبی اولاد کے درجہ میں ہوگی، الدرالمختار میں ہے: اولاد پر وقف کرتے وقت اگر وقف کرنے والے کی صلبی اولاد نہ ہو تو وہ بیٹے کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہو جائے گا اگر چہ وہ لڑکی ہو، اس لئے کہ لفظ ولد میں وہ داخل ہے اس کے نیچے کی بطون والے داخل نہ ہوں گے نہ بیٹی کی اولاد داخل ہوگی یہی صحیح ہے۔

ابن عابدین نے کہا: یہ ظاہر الروایہ ہے، اور ہلال نے اسی کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ بیٹے کی اولاد کے برخلاف بیٹیوں کی اولاد اپنے آباء کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اپنی ماؤں کے آباء کی طرف، اور الاسعاف میں ہے: خصاف نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی اور صحیح ظاہر الروایہ ہے۔

ابن عابدین نے خصاف سے نقل کیا ہے کہ اگر نہ تو اس کی صلبی اولاد ہو اور نہ اولاد کی اولاد ہو، اور اس کی اولاد کی اولاد ہو تو آمدنی اس کی اور اس کے نیچے والی بطون کی ہوگی اور اس کی نسل اقرب اور ابعد کو عام ہوگی الا یہ کہ وہ کوئی ایسی چیز ذکر کرے جو ترتیب پر دلالت کرتی ہو (۱)۔

۵۲ - جمہور فقہاء: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یکساں ہوگا کہ وقف کرنے والا واحد کا صیغہ ولدی کہے یا جمع کا صیغہ اولادی کہے:

لیکن حنفیہ کے نزدیک حکم بدل جائے گا چنانچہ جو احکام گذرے ہیں وہ صرف اس وقت ہیں جب کہ وقف واحد کے صیغہ سے ہو لیکن

(۱) حدیث: "ارموا بنی اسماعیل...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/ ۴۱۳) نے سلمہ بن الاکوع سے کی ہے۔

(۲) التاج والإکلیل بہامش مواہب الجلیل ۶/ ۴۴، منح الجلیل ۴/ ۷۳، الروضۃ ۵/ ۳۳۶، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، کشاف القناع ۴/ ۲۷۸، شرح المنتہی ۲/ ۵۰۸، الإنصاف ۷/ ۷۴۔

(۳) سورہ انعام ۸۴-۸۵۔

(۴) حدیث: "إن ابنی هذا سید...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۰۷) نے حضرت ابوبکرہ سے کی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۷، الاسعاف/ ۹۶، فتح القدیر ۶/ ۲۴۳، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۷، المغنی ۵/ ۶۰۹، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۷۸۔

اگر وقف کرنے والا جمع کے صیغہ سے کہے: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا، تو ابن عابدین نے الاختیار سے نقل کیا ہے کہ وہ اولاد کے اسم کے عام ہونے کے سبب تمام بطون کو شامل ہوگا اور بطن اول مقدم ہوگا پھر جب وہ ختم ہوجائے گا تو دوسرے کو ملے گا پھر ان کے بعد والوں کو اس میں تمام بطون قریب اور بعید یکساں شریک ہوں گے، لیکن ابن عابدین نے کہا: یہ اس کے مخالف ہے جو الخانیہ میں ہے، چنانچہ اس میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر کوئی زمین وقف کرے اور اس کا آخر فقراء کے لئے کردے اور ان میں سے بعض کا انتقال ہوجائے تو ہلال نے کہا: وقف باقی اولاد پر صرف کیا جائے گا پھر جب وہ مرجائیں تو فقراء پر صرف کیا جائے گا نہ کہ اولاد کی اولاد پر، اور یہ اس کے موافق ہے جو الخلاصہ، البزازیہ، خزانۃ الفتاوی اور خزانۃ المفتین میں ہے (۱)۔

اگر وقف میں لڑکیوں کے بجائے لڑکوں کو مخصوص کردے تو وقف مردوں ہی سے خاص ہوجائے گا، اسی طرح اس وقت ہوگا جب اپنی اولاد کا ذکر نام کے ساتھ کرے، اور کہے: میں نے اپنی فلاں اور فلاں اولاد پر وقف کیا، تو اس کی اولاد میں سے جس کا ذکر نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں ہوگا (۲)۔

اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر وقف کرنا:

۵۳ - اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے صرف اپنے لڑکے اور لڑکے کے لڑکے پر وقف کیا، یعنی اس نے اس سے زیادہ کا ذکر نہیں کیا، تو حنفیہ کے نزدیک انہیں دونوں پر یعنی دونوں بطون پر محدود رہے گا اور آمدنی میں یہ لوگ شریک ہوں گے، اور صلبی کو بیٹے کے

(۱) حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۴۳۸۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۲، مواہب الجلیل ۶/ ۴۴، کشاف القناع ۴/ ۲۸۱، فتح القدیر ۶/ ۲۴۳۔

لڑکے پر مقدم نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس نے دونوں کے درمیان برابری کی ہے اس طرح کہ اس نے کوئی ایسا لفظ ذکر نہیں کیا ہے جس سے ترتیب معلوم ہو، پھر جب اولاد اور ان کی اولاد ختم ہوجائے گی تو آمدنی موقوف علیہ کے انقطاع کی وجہ سے فقراء پر صرف کی جائے گی اور تیسری پیڑھی داخل نہیں ہوگی اس لئے کہ اس نے ولد کو جمع کے لفظ سے بیان نہیں کیا ہے اور اگر وہ اضافہ کرے اور تیسری پیڑھی کا ذکر اس طور پر کرے کہ وہ کہے: میرے لڑکے پر اور میرے لڑکے کے لڑکے پر اور میرے لڑکے کے لڑکے کے لڑکے پر تو اس کی نسل پر عام ہوجائے گا اور آمدنی اس کی اولاد پر جب تک ان میں تناسل ہو صرف ہوگی جب تک اس کی اولاد میں سے کوئی ایک باقی رہے اگر چہ نیچے کا ہو فقراء پر صرف نہیں کی جائے گی، کسی ایسے لفظ کے نہ ہونے کی وجہ سے جو ترتیب پر دلالت کرتی ہو آمدنی میں تمام پیڑھیاں شریک ہوں گی، الا یہ کہ وہ ترتیب پر دلالت کرنے والے کسی لفظ کا ذکر کرے، جیسے کہ وہ کہے: الاقرب فالاقرب (سب سے قریبی پر پھر اس کے بعد کے قریبی پر) یا کہے: میری اولاد پر پھر میری اولاد کی اولاد پر اور اسی طرح یا کہے: ایک پیڑھی کے بعد دوسری پیڑھی پر تو اس وقت وقف کرنے والے نے جس سے ابتدا کی ہو اسی سے ابتدا کی جائے گی (۱)۔

لیکن اگر وہ اولاد کا ذکر لفظ جمع سے کرے اس طور پر کہ کہے: میری اولاد پر اور میری اولاد کی اولاد پر تو آمدنی اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر دائمی طور سے جب تک ان میں تناسل ہو صرف کی جائے گی، اور جب تک ان میں سے ایک بھی باقی ہو خواہ نیچے کا ہو آمدنی فقراء پر صرف نہیں کی جائے گی اس لئے کہ اولاد کا لفظ سب کو شامل ہے برخلاف لفظ ولد کے اس لئے کہ نوافل (زوائد) پر ان کے تناسل کی

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۷، الإسعاف/ ۹۸۔

مدت تک صرف کرنے کے لئے تین پیڑھیوں کا ذکر کرنا ضروری ہے(۱) اوراقرب اورابعد آمدنی میں برابر ہوں گےتو ان کے درمیان ان کے افراد کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی، اورعورت مرد کی طرح ہوگی(۲)۔

کیاوقف علی الاولاد میں بیٹی کی اولاد داخل ہوگی:

۵۴- بیٹی کی اولاد کے داخل ہونے کے بارے میں حنفیہ میں اختلاف ہے، ابن عابدین نے کہا: جان لیجئے کہ حضرات فقہاء نے بیان کیا ہے کہ مفتی بہ روایت اولاد میں بیٹیوں کی اولاد کا مطلقاً داخل نہ ہونا ہے یعنی خواہ وہ کہے: میری اولاد پر لفظ جمع سے یا اسم جنس جیسے ولدی کے لفظ سے اور خواہ پہلی پیڑھی پر اکتفا کرے یا اس پہلی پیڑھی کی طرف اضافت کرکے جو واقف کی ضمیر کی طرف مضاف ہو جیسے میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد یا اولاد کی ضمیر کی طرف مضاف ہو جیسے میری اولاد اوران کی اولاد دوسری پیڑھی کا بھی ذکر کرے جیسا کہ اکثر کتابوں میں ہے۔

خصاف نے کہا: مذکورہ تمام صورتوں میں وہ داخل ہوجائیں گے۔

علی رازی نے کہا: اگر بطن ثانی (دوسری پیڑھی) کا ذکر واقف کی ضمیر کی طرف مضاف اسم جنس کے ساتھ کرے جیسے میرا ولد اور ولد کا ولد تو وہ داخل نہیں ہوں گے اور اگر اس کو جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کرے جو اولاد کی ضمیر کی طرف مضاف ہو، جیسے میری اولاد اوران کی اولاد کی اولاد تو داخل ہوجائیں گے۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا: وہ بطن اول میں داخل نہیں ہوں گے ایک ہی روایت ہے اختلاف صرف بطن ثانی میں ہے اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ داخل ہوں گے، اس لئے کہ ولد کا ولد اس کا نام ہے جس کو اس کے ولد نے جنا ہو، اوراس کی بیٹی اس کی ولد ہے تو اس کی بیٹی جس کو جنے گی وہ حقیقت میں اس کے ولد کا ولد ہوگا(۱)۔

الاسعاف میں ہے: ہلال نے کہا: اگر واقف کہے: میں نے اپنے ولد اور ولد کے ولد پر وقف کیا، اوراس پر اضافہ نہ کرے تو آمدنی اس کی اولاد اور بیٹے کی اولاد کے درمیان ہوگی اس لئے کہ اس نے دونوں کو ذکر کرنے میں برابری رکھی ہے اور بیٹی کی اولاد بھی داخل ہوگی۔

صاحب الاسعاف نے علی رازی کا قول نقل کیا ہے جس کو ابن عابدین نے لکھا ہے پھر فرمایا: صحیح وہ ہے جو ہلال نے کہا ہے اس لئے کہ ولد کے ولد کا لفظ جیسے بیٹوں کی اولاد کو شامل ہے اسی طرح بیٹیوں کی اولاد کو بھی شامل ہے(۲)۔

مالکیہ نے کہا: اگر واقف کہے: میں نے اپنے ولد فلاں اور فلانہ اوران کی اولاد پر وقف کیا تو وہ نواسہ یعنی لڑکی کی اولاد کو بھی شامل ہوگا اور اگر کہا: میں نے اپنے مذکر ومونث ولد پر وقف کیا اوران میں سے جو مرجائے گا تو اس کی اولاد اسی کی جگہ ہوگی تو اگر اس کا قول (اوران میں سے جو مرجائے گا) وقف کے صیغہ کا جزء ہو تو بیٹی کی اولاد داخل ہوجائے گی اور اگر اس کو ایک مدت کے بعد ذکر کرے تو امام مالک کے نزدیک بیٹی کی اولاد داخل نہیں ہوگی، تکمیل وقف سے اس کے موخر ہونے کی وجہ سے معین الحکام میں اسی پر اکتفاء کیا ہے الا یہ کہ وقف کے وقت وہ اپنے لئے داخل کرنے خارج کرنے اور تغییر وتبدیل کرنے کی شرط لگالے، اور بیان کرے کہ اس نے ان کو داخل کردیا ہے۔

---

(۱) النوافل نافلہ کی جمع ہے اوراس کے معنوں میں لڑکے کا لڑکا بھی ہے (المصباح المنیر)۔

(۲) الإسعاف/۹۸۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۴۔

(۲) الإسعاف/۹۷۔

اگر وہ کہے: میں نے اپنی بیٹی اور اس کی اولاد پر وقف کیا تو لڑکی کی ذکور واناث اولاد داخل ہوجائیں گی، اور اگر وہ مرجائیں تو بیٹوں کے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے ہوگا نہ کسی بیٹا کے نواسہ کے لئے کچھ ہوگا نہ کسی بیٹی کے پوتا کے لئے کچھ ہوگا۔

اس صورت میں استحقاق میں بیٹی کی اولاد کے داخل ہونے کے بارے میں مالکیہ میں اختلاف ہے جب کہ واقف کہے: میں نے اپنے ولد اور ولد کے ولد پر وقف کیا یا کہے: میں نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کیا۔

شیوخ کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل ہوجائے گی لفظ کا ظاہر یہی ہے اس لئے کہ لفظ ولد لڑکا لڑکی دونوں پر بولا جاتا ہے یہ المدونہ کے حوالہ سے ابومحمد سے ابوالحسن کی روایت ہے، ابن غازی نے اپنی تکمیل میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: یہی مشہور ہے، ایک قول ہے: لڑکی کی اولاد نہ داخل ہوگی نہ مستحق ہوگی، ابن وہب اور ابن عبدوس نے امام مالک سے یہی روایت کی ہے اور المقدمات میں ابن رشد نے اسی کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

اسی طرح اس صورت میں بیٹی کی اولاد کے داخل ہونے کے بارے میں مالکیہ میں اختلاف ہے، اگر وہ کہے: میں نے اپنے ولد اور ان کے ولد پر وقف کیا، تو اہل قرطبہ نے وقف میں لڑکیوں کی اولاد کے داخل ہونے کا فتوی دیا ہے، اور ابن السلیم نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا، امام مالک نے کہا: وہ وقف میں داخل نہیں ہوں گے، ابن رشد نے کہا: ان میں سے اکثر مسائل عرف پر مبنی ہیں(۲)۔

شافعیہ نے کہا: اگر اپنی اولاد اور اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کرے تو اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد داخل ہوجائیں گی اس لئے کہ لفظ سب پر صادق آتا ہے، اگر کہے میری اولاد کی اولاد میں سے جو میری طرف منسوب ہو تو صحیح قول کے مطابق بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوں گی، اس لئے کہ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ اپنے آباء کی طرف منسوب ہوتی ہے(۱)۔

شافعیہ نے اس صورت میں تیسری پیڑھی کے داخل ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے جب کہ وہ صرف دو پیڑھیوں پر وقف کرے، نووی نے کہا: اگر وہ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کرے تو اولاد کی اولاد کی اولاد کے داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے (یعنی وقف علی الاولاد میں اولاد کی اولاد کے داخل ہونے سے متعلق سابقہ اختلاف ہے ان میں اصح قول یہ ہے کہ وہ داخل نہیں ہوں گے)(۲)۔

اگر واقف کہے: میں نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اصل عطیہ اور مقدار میں سب کے درمیان برابری ہو یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد لڑکا لڑکی کے تمام افراد مراد ہیں، اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے، نہ کہ ترتیب کے لئے جیسا کہ علماء اصول کے نزدیک صحیح قول ہے، اسی طرح تمام کے درمیان برابری کی جائے گی اگر وہ اضافہ کرے اور کہے: جب تک ان کی نسل چلے یعنی اولاد کی اولاد میں، اسی طرح اگر وہ کہے: بطن کے بعد بطن یا نسل کے بعد نسل، اس لئے کہ وہ تمام کے درمیان برابری کا متقاضی ہے، تو بطن اسفل بطن اعلی کی شریک ہوگی، یہی بغوی فورانی اور عبادی کا مذہب ہے، جمہور کا مذہب ہے کہ اس کا قول بطن کے بعد بطن ترتیب کے لئے ہے، ابن یونس کی متابعت میں سبکی نے اس کو صحیح قرار

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴؍ ۹۳۔
(۲) منح الجلیل ۴؍ ۷۴-۷۵۔

(۱) روضۃ الطالبین ۵؍ ۳۳۶، مغنی المحتاج ۲؍ ۳۸۸۔
(۲) روضۃ الطالبین ۵؍ ۳۳۶۔

دیا ہے۔

اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی اولاد پر پھر اپنی اولاد کی اولاد پر پھر ان کی اولاد پر جب تک نسل چلے یا بطن کے بعد بطن پر، وقف کیا تو یہ ترتیب کے لئے ہوگا تو بطن اول میں سے جب تک ایک بھی باقی رہے تو بطن ثانی پر یا بطن ثانی میں سے جب تک ایک بھی باقی رہے تو بطن ثالث پر کچھ بھی صرف نہیں کیا جائے گا(۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر کوئی شخص اپنے ولد اور اپنے ولد کے ولد پر وقف کرے، تو بیٹیوں کی اولاد وقف میں داخل ہوگی، اور لڑکیوں کی اولاد کسی قرینہ کے بغیر داخل نہیں ہوگی، جیسے وہ کہے: جو اولاد چھوڑ کر مرجائے تو اس کا حصہ اس کی اولاد کو ہوگا نیز جیسے وہ کہے: میں نے اپنی اولاد فلاں، فلاں اور فلانہ پر پھر ان کی اولاد پر وقف کیا یا کہے: اس شرط پر کہ بیٹے کی اولاد کو دو حصے اور بیٹی کی اولاد کو ایک حصہ ہوگا تو بیٹیوں کی اولاد داخل ہوجائیں گی۔

ابوبکر اور عبد اللہ بن حامد نے کہا: اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوجائیں گی (۲)۔

اگر کہے: میں نے اپنے ولد اور اپنے ولد کے ولد پر وقف کیا جب تک ان کی نسل چلے اور جانشینی چلے اعلی پھر اعلی یا اقرب پھر اقرب یا اول پھر اول یا بطن اول پھر بطن ثانی پر یا کہے: اپنی اولاد پر پھر اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کیا یا کہے: اپنی اولاد پر اور جب وہ ختم ہوجائیں تو اپنی اولاد کی اولاد پر یہ سب ترتیب کے مطابق ہوگا، لہذا اس کی شرط کے مطابق ہوگا، او ربطن ثانی کسی بھی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، جب تک تمام بطن اول ختم نہ ہوجائے، اگر بطن اول میں سے ایک بھی باقی رہے گا تو پورا اسی کا ہوگا۔

اگر کہے: میری اولاد اور ان کی اولاد پر جب تک ان میں جانشینی رہے اور نسل چلے اس شرط پر کہ ان میں سے جو ولد چھوڑ کر مرے گا تو جو کچھ اس پر جاری تھا اس کے ولد پر جاری ہوگا، تو یہ ترتیب پر دلیل ہوگی، پھر جب ترتیب ثابت ہوگئی تو ہر ولد اور اس کے ولد کے درمیان ترتیب قائم ہوگی جو کوئی ولد چھوڑ کر مرے گا تو اس کا حصہ اس کے ولد کی طرف منتقل ہوجائے گا خواہ بطن اول میں سے کوئی باقی بچے یا نہ بچے۔

اگر بعض کے درمیان ترتیب قائم کرے بعض میں قائم نہ کرے اور کہے: میں نے اپنے ولد اور اپنے ولد کے ولد پر پھر ان کی اولاد پر وقف کیا، یا کہے: میں نے اپنی اولاد پر پھر اپنی اولاد کی اولاد اور ان کی اولاد پر جب تک ان کی نسل چلے اور جانشینی رہے وقف کیا، یا کہے: میں نے اپنی اولاد پر اور اپنی اولاد کی اولاد پر پھر ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر جب تک ان کی نسل چلے وقف کیا تو اس نے جیسے کہا ہے اسی طرح ہوگا: جن کو اس نے اس واؤ (اور) کے ذریعہ شریک کیا ہے جو جمع اور شریک کرنے کا متقاضی ہے وہ شریک رہیں گے اور جن کے درمیان صرف ترتیب یعنی ثم (پھر) کے ذریعہ ترتیب قائم کی ہے اس کے درمیان ترتیب ہوگی چنانچہ پہلے مسئلہ میں ولد اور ولد کے ولد شریک ہوں گے پھر جب وہ ختم ہوجائیں گے تو وہ ان کے بعد والوں کے لئے ہوجائے گا اور دوسرے مسئلہ میں ولد کے ساتھ مخصوص رہے گا، پھر جب وہ ختم ہوجائیں گے تو وہ ان کے بعد والوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا اور تیسرے مسئلہ میں پہلی دو پیڑھیاں شریک ہوں گی ان کے علاوہ نہیں، پھر جب وہ ختم ہوجائیں گے تو اس میں ان کے بعد والے شریک ہوں گے (۱)۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۶-۳۸۷، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۳۴-۳۳۶۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۸، المغنی ۵/ ۶۱۵۔

(۱) المغنی ۵/ ۶۱۰-۶۱۱، کشاف القناع ۴/ ۲۸۰۔

بیٹوں پر وقف کرنا:

۵۵ - بیٹوں پر وقف کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا اس میں بیٹے و بیٹیاں داخل ہوں گی یا بیٹوں تک محدود ہوگا؟

راجح قول میں حنفیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹوں پر وقف کرے تو وقف میں بیٹے، بیٹیاں داخل ہوں گی(۱)۔

الاسعاف میں ہے: اگر واقف کہے: میں نے اپنے بیٹوں پر وقف کیا، اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہیں، ہلال نے کہا: آمدنی ان تمام کے درمیان برابر ہوگی، اس لئے کہ بیٹیوں کو جب بیٹوں کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے تو ان کا ذکر مذکر کے لفظ سے کیا جاتا ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے اسی طرح اگر کہے: اپنے بھائیوں پر، اور اس کے کچھ بھائی اور کچھ بہنیں ہوں تو آمدنی ان سب کے لئے ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ"(۲) (لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو) اس میں عورتیں داخل ہیں۔

حنفیہ نے کہا: اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اس کو اپنے بیٹوں پر وقف کیا، اور اس کو صرف بیٹیاں ہوں، یا کہے: اپنی بیٹیوں پر اور اس کو صرف بیٹے ہوں تو آمدنی مساکین کے لئے ہوگی اور ان کا کوئی حق نہیں ہوگا اور یہ وقف منقطع ہوگا اور بیٹیوں اور بیٹوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا اس لئے کہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کے مدلول پر صادق نہیں آتا ہے، پھر اگر اس کے بعد یہ صورت ہوجائے کہ پہلی مثال میں اس کو بیٹے پیدا ہوجائیں یا دوسری مثال میں لڑکیاں پیدا ہوجائیں تو وقف ان کی طرف لوٹ جائے گا۔

اگر کہے: میری بیٹیوں پر، اور اس کو کچھ بیٹیاں اور کچھ بیٹے ہوں تو

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۴۳۳-۴۳۸، شرح الزرقانی ۷/ ۹۰، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۳۔

(۲) سورہ نساء/ ۱۱۔

آمدنی صرف بیٹیوں کی ہوگی، اس لئے کہ لفظ بنات میں بیٹے داخل نہیں ہیں، اگر کہے: میں نے اپنے بیٹوں پر وقف کیا، اور اس کو دو یا زیادہ بیٹے ہوں تو پوری آمدنی انہیں کی ہوگی، اگر اس کا صرف ایک بیٹا ہو تو وہ آدھی آمدنی کا مستحق ہوگا اور دوسرا نصف مساکین کا ہوگا، اس لئے کہ وصیت کی طرح یہاں بھی اقل جمع دو ہے(۱)۔

شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک اگر وہ اپنے بیٹوں پر وقف کرے تو بیٹیاں داخل نہ ہوں گی اور آمدنی خاص طور سے لڑکوں کے لئے ہوگی اس لئے کہ بنین (بیٹے) حقیقت میں لڑکوں کا نام ہے(۲)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ"(۳) (کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟)۔

نیز ارشاد ہے: "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ"(۴) (لوگوں کے لئے خوشنما کردی گئی ہے مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ وقف کرنے والا اگر بنوفلاں (فلاں کے بیٹوں) پر وقف کرے، اور وہ کوئی قبیلہ ہو جیسے بنوتمیم پر وقف کرے تو اس میں مرد و عورت دونوں داخل ہوں گے، اس لئے کہ اس سے قبیلہ مراد لیا جاتا ہے۔

قبیلہ کے علاوہ عورتوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی، شافعیہ کے نزدیک دوسرے قول میں، عورتیں داخل نہیں ہوں گی، اس لئے کہ بنین (بیٹے) حقیقۃً مردوں کا نام ہے(۵)۔

(۱) الاسعاف/ ۹۶، الدر المختار ۳/ ۴۳۸۔

(۲) المہذب ۱/ ۴۵۱، الانصاف ۷/ ۸۴، کشاف القناع ۴/ ۲۸۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۱۱، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴/ ۹۳۔

(۳) سورہ صافات/ ۱۵۳۔

(۴) سورہ آل عمران/ ۱۴۔

(۵) الاسعاف/ ۹۶، المہذب ۱/ ۴۵۰، کشاف القناع ۴/ ۲۸۵، روضۃ

ذریت، نسل اور عقب (جانشیں) پر وقف کرنا:

الف- ذریت پر وقف کرنا:

۵۶- اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی ذریت پر وقف کیا تو اس میں اس کی ذکور واناث اولاد اور اس کی اولاد کی ذکور واناث اولاد اور اسی طرح (آگے تک) داخل ہوں گی، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک ہے اس لئے کہ بیٹیاں اس کی اولاد ہیں اور ان کی اولاد درحقیقت اس کی اولاد کی اولاد ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ" (اوران کی نسل میں سے داؤد)، اللہ تعالی کے اس قول تک "وعیسی"(۱) (اور عیسی)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "إن ابنی هذا سید"(۲) (میرا یہ بیٹا سردار ہے) آپ ﷺ کی مراد حضرت حسن ہیں۔

بہوتی نے کہا: الشرح میں ہے: اوران کے داخل ہونے کا قول زیادہ صحیح اور دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک وقف کرنے والے کی ذکور واناث اولاد اور اس کی ذکور اولاد کی اولاد وقف میں داخل ہوگی اناث اولاد کی اولاد داخل نہ ہوگی، چنانچہ بیٹیوں کی اولاد کسی قرینہ کے بغیر داخل نہ ہوں گی، اس لئے کہ وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوتی ہیں (۳)۔

ب-نسل پر وقف کرنا:

۵۷- اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی نسل پر وقف کیا تو مالکیہ راجح مذہب میں حنابلہ کے نزدیک اور ایک روایت میں حنفیہ

= الطالبین ۵/ ۳۳۶۔

(۱) سورہ انعام/ ۸۴-۸۵۔

(۲) حدیث: "إن ابنی هذا سید" کی روایت فقرہ/ ۵۱ پر گذر چکی ہے۔

(۳) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۴۳۳، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۹۲-۹۳، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۳۷، کشاف القناع ۴/ ۲۸۷، المہذب ۱/ ۴۵۱۔

کے نزدیک وقف میں وقف کرنے والے کی ذکور واناث اولاد داخل ہوجائیں گی اور اس کی ذکور اولاد کی اولاد داخل ہوجائیں گی اس کی اناث اولاد کی اولاد داخل نہ ہوں گی۔

حنابلہ نے کہا: لڑکیوں کی اولاد کسی قرینہ کے بغیر داخل نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوتی ہے۔

مالکیہ نے کہا: اور یہ اس وقت ہوگا جب اس میں لڑکیوں کی اولاد کے داخل ہونے کا عرف جاری نہ ہو، اس لئے کہ واقف کے الفاظ کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ایک روایت میں حنفیہ کے نزدیک نیز امام احمد کی ایک روایت میں نسل پر وقف کرنے میں ذکور کی اولاد کی طرح بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی اس لئے کہ یہ سب اس کی نسل سے ہیں(۱)، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ......إلى قوله............ وَعِيسَى"(۲) (اوران کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان کو اور عیسی (کو))۔

ج-عقب (جانشین) پر وقف کرنا:

۵۸- اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنے عقب (جانشیں) پر وقف کیا، تو حنفیہ، مالکیہ اور راجح مذہب میں حنابلہ کے نزدیک وقف میں واقف کی ذکور واناث اولاد، اس کی ذکور اولاد کی اولاد داخل ہوجائے گی، اس کی اناث اولاد کی اولاد داخل نہ ہوگی، الا یہ کہ بیٹیوں کے شوہر واقف کی ذکور اولاد کی اولاد میں سے ہوں، مالکیہ نے کہا: الا یہ کہ بیٹیوں کی اولاد کے داخل ہونے کا عرف جاری ہو اس لئے کہ واقف کے الفاظ کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۳۹، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۳، المہذب ۱/ ۴۵۱، کشاف القناع ۴/ ۲۸۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۸۔

(۲) سورہ انعام/ ۸۴-۸۵۔

شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت میں عقب پر وقف کرنے میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوجائے گی (۱)۔

رشتہ دار پر وقف کرنا:

۵۹ - قرابت پر وقف کرنے میں لفظ قرابت میں کون لوگ داخل ہوں گے، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ نے کہا: اس کی قرابت ارحام (رشتے) اور انساب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اس کے والدین کی طرف اسلام میں اس کے سب سے آخری باپ تک منسوب ہو یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام پایا ہو، اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو، ایک قول ہے: اعلی باپ کا اسلام لانا شرط ہے، اس لفظ میں اس کے والدین اور صلبی اولاد داخل نہ ہوگی، اس لئے کہ ان کو بالاتفاق قرابت (رشتہ دار) نہیں کہا جاتا ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ان کا بھی حکم ہوگا جو ان سے اوپر یا نیچے کے درجہ کے ہوں برخلاف امام محمد کے کہ انہوں نے ان کو قرابت میں شمار کیا ہے (۲)۔

مالکیہ نے کہا: لفظ اقارب میں اس کے باپ اور ماں کی جہت سے ذکور اور اناث اقارب داخل ہوں گے، خواہ ماں کا قریبی ماں کے باپ کی طرف سے ہو یا اس کی ماں کی طرف سے ذکور ہوں یا اناث ہوں جیسے ماموں یا خالہ کی اولاد اگرچہ وہ کافر ہوں، لہذا مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ لفظ قرابت اس پر بھی صادق آتا ہے (۳)۔

شافعیہ نے کہا: اگر اپنے اقارب پر وقف کرے تو اصح قول کے مطابق اصل اور فرع کے علاوہ ہر وہ شخص اس میں داخل ہوجائے گا جس کی قرابت معروف ہو، چنانچہ اگر وقف کرنے والے کا باپ ہے جس سے اس کو جانا جاتا ہو اور اس کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہو تو اس کے وقف میں ہر وہ شخص داخل ہوجائے گا جو اس باپ کی طرف منسوب ہو، اور اس میں وہ داخل نہیں ہوگا جو باپ کے بھائی یا اس کے باپ کی طرف منسوب ہو اور اس کے اقارب میں سے داخل ہونے والے قریب اور بعید کے مساوی ہوں گے اور مرد وعورت دونوں برابر ہوں گے اس لئے کہ قرابت میں سب برابر ہیں اور اگر وقف کے بعد کوئی قریب پیدا ہوجائے تو وہ بھی داخل ہوجائے گا۔

اصح کے مقابل قول ہے کہ اصل اور فرع داخل ہوگی (۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر اپنی قرابت یا زید کی قرابت پر وقف کرے تو وہ صرف اس کی اولاد میں سے ذکور واناث کے لئے، اس کے باپ کی اولاد میں سے ذکور واناث کے لئے یعنی اس کے بھائیوں اور بہنوں کے لئے، اس کے دادا کی اولاد میں سے ذکور واناث کے لئے یعنی اس کے باپ، چچاؤں اور پھوپھیوں کے لئے اور اس کے باپ کے دادا کی اولاد میں سے ذکور واناث کے لئے یعنی اس کے دادا اس کے باپ کے چچاؤں اور اس کے باپ کی پھوپھیوں کے لئے ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ذوی القربی کے حصہ میں بنوہاشم سے تجاوز نہیں کیا، جو دور کے رشتہ دار تھے، جیسے بنوعبد شمس اور بنونوفل تو ان کو کچھ نہیں دیا آپ ﷺ نے بنوعبد المطلب کو صرف اس لئے دیا کہ یہ لوگ جاہلیت اور اسلام میں آپ سے جدا نہیں ہوئے اور اپنی ماں کی طرف سے اپنی قرابت یعنی بنوزہرہ کو آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔

ان میں سے جن کو دیا جائے گا ان میں برابری کی جائے گی چنانچہ

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۴۳۹، حاشیہ الدسوقی ۴/۹۳، المہذب ۱/۴۵۱، کشاف القناع ۴/۲۸۷، مغنی المحتاج ۲/۳۸۸۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/۴۳۹۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/۹۴۔

(۱) المہذب ۱/۴۵۱، مغنی المحتاج ۳/۶۳، روضۃ الطالبین ۶/۱۷۶۔

اعلی، فقیر اور مرد کو دوسروں پر مقدم نہیں کیا جائے گا یہی راجح مذہب ہے اور قرابت پر وقف میں وہ شخص نہیں ہوگا جس کا دین وقف کرنے والے کے دین سے الگ ہو لہذا اگر وقف کرنے والا مسلمان ہو تو قرینہ کے بغیر کافر رشتہ دار اس کی قرابت میں داخل نہیں ہوگا اور کافر ہو تو مسلمان اس کی قرابت میں داخل نہیں ہوگا (۱)۔

آل اور اہل پر وقف کرنا:

۶۰ - جمہور فقہاء کے نزدیک آل اور اہل ایک ہی معنی میں ہیں لیکن دونوں کا مدلول الگ الگ ہے، اسی لئے آل اور اہل پر وقف میں کون لوگ داخل ہوں گے ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ آل اور اہل پر وقف کرنا قرابت پر وقف کرنے کی طرح ہے۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ آل اور اہل پر وقف میں عصبہ داخل ہوں گے (۲)۔

تفصیل اصطلاح ''آل''، فقرہ / ۳ میں دیکھئے۔

جن پر وقف کیا گیا ہے ان کا ختم ہوجانا:

۶۱ - لغت میں انقراض: ختم ہوجانا ہے، **انقرض القوم**: قوم کا مرجانا اور ان میں سے کسی کا باقی نہ رہنا (۳)۔

فقہاء اس کو خود لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور وہ کبھی لفظ (انقراض) استعمال کرتے ہیں اور کبھی لفظ (انقطاع) اور دونوں استعمال کے وقت معنی ایک ہیں (۱)، البتہ وہ زیادہ تر وقف میں استحقاق کے بارے میں طبقات یا بطون کی ترتیب میں لفظ انقراض استعمال کرتے ہیں، اور یہ واقف کی شرط کی اتباع کے لئے ہوتا ہے لہذا اگر واقف کہے: میں نے اپنے ان دو اولاد پر وقف کیا پھر جب دونوں ختم ہوجائیں تو یہ ان کی اولاد پر ہمیشہ کے لئے جب تک ان کی نسل چلے وقف ہوگا، شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے کہا: اگر دو لڑکوں میں سے کوئی ایک ختم ہوجائے اور وہ اولاد چھوڑے تو آدھی آمدنی باقی رہ جانے والے پر صرف کی جائے گی اور دوسری آدھی فقراء پر صرف کی جائے گی، پھر جب دوسرا بیٹا بھی مرجائے گا تو تمام آمدنی اس کی اولاد کی اولاد پر صرف کی جائے گی اس لئے کہ وقف میں وقف کرنے والے کی شرط کی رعایت ضروری ہوتی ہے اور اس نے اولاد کی اولاد کے لئے بطن اول کے ختم ہوجانے کے بعد کیا ہے، لہذا اگر دونوں میں سے ایک مرجائے تو آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی (۲)۔

بطون (پیڑھیوں) کے درمیان ترتیب کبھی حرف عطف ''ثم'' (پھر) یا ''فاء'' (اس کے بعد) کے ذریعہ ہوتی ہے، لہذا اگر وقف کرنے والا کہے: میں نے اپنی اولاد پر، پھر اپنی اولاد کی اولاد پر پھر اپنی اولاد کی اولاد کی اولاد پر جب تک ان کی نسل چلے یا ایک پیڑھی کے بعد دوسری پیڑھی پر وقف کیا تو وقف کی آمدنی بطن اول یعنی اس کی اولاد پر صرف کی جائے گی، دوسری پیڑھی پر پہلی پیڑھی کے ختم ہونے کے بعد ہی صرف کی جائے گی، اور دوسری پیڑھی میں سے جب تک ایک بھی باقی رہے گا تیسری پیڑھی پر کچھ بھی صرف نہیں کیا جائے گا (۳)۔

---

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۱۱، الانصاف ۷/ ۸۵، کشاف القناع ۴/ ۲۸۷۔
(۲) الفتاوی الہندیہ ۲/ ۳۹۱، ابن عابدین ۳/ ۴۳۹، البدائع ۷/ ۳۴۹-۳۵۰، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۴، روضۃ الطالبین ۶/ ۱۷۴، اور اس کے بعد کے صفحات، قلیوبی وعمیرہ ۳/ ۱۷۱، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۱۱، الإنصاف ۷/ ۸۷۔
(۳) لسان العرب ومختار الصحاح۔

---

(۱) المغنی ۵/ ۶۲۳، المہذب ۱/ ۴۴۸۔
(۲) الإسعاف / ۹۹، کشاف القناع ۴/ ۲۷۸-۲۷۹۔
(۳) الروضہ ۵/ ۳۳۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۷۵، المغنی ۵/ ۶۱۱۔

کبھی انقراض سے جہتِ وقف کا ختم ہوجانا مراد ہوتا ہے، اسی لئے کسی ختم ہوجانے والی جہت پر اس کے بعد دوسری جہت کا ذکر کئے بغیر وقف کرنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جیسے صرف اولاد پر وقف کرنا۔

اس کی تفصیل اور اس کے متعلق فقہاء کا بیان فقرہ (۴۸) پر پورا ہوچکا ہے۔

جس جہت پر وقف ہو اس کا معطل ہوجانا:

۶۲ - فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر وہ جہت معطل ہوجائے جس پر وقف کیا گیا ہے تو وقف کی آمدنی کسی دوسری جہت پر صرف کی جائے گی جو اس جہت کے مثل ہو جس کے منافع معطل ہوگئے ہیں اور دوبارہ ان کے لوٹنے کی امید نہیں ہے۔

لہذا اگر وہاں کسی مسجد، رباط، کنواں، یا حوض پر وقف ہو، اور وہ مسجد، رباط یا حوض ویران ہوجائے اور اس حال میں ہوجائے کہ اس سے انتفاع نہیں ہوسکتا تو مسجد پر جو وقف ہوا سے کسی دوسری پر صرف کیا جائے گا، کسی حوض، کنواں، یا رباط پر صرف نہیں کیا جائے گا، اور جو حوض، کنواں یا رباط پر وقف تھا اس کے وقف کو اس کے قریبی ہم جنس پر صرف کیا جائے گا(۱)۔

جو واقف کی متعین کردہ جگہ کے طلباء علم پر وقف کیا گیا ہو، پھر اس جگہ میں طلب (علم) دشوار ہوجائے تو وقف باطل نہیں ہوگا، آمدنی دوسری جگہ کے طلباء پر صرف کی جائے گی جو کسی مدرسہ پر وقف کیا گیا ہو اور وہ مدرسہ ویران ہوجائے، اور اس کی بحالی کی امید نہ ہو، تو اگر ممکن ہو تو اس کے حقیقی مثل میں صرف کیا جائے گا، چنانچہ آمدنی دوسرے مدرسہ پر صرف کی جائے گی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو نوع کے اعتبار سے اس کی مثل کسی دوسری قربت میں صرف کی جائے گی اور اگر اس کی بحالی کی امید ہو تو اس کے لئے محفوظ رکھی جائے گی تا کہ مرمت، نئی تعمیر یا اس کے علاوہ اصلاح سے متعلق کسی اور مصرف میں صرف کی جائے (۱)۔

اگر کسی سرحد پر وقف کرے، پھر اسلام کا خطہ (زمین) اس کے اردگرد وسیع ہوجائے تو شافعیہ نے کہا: اس کے دوبارہ سرحد ہوجانے کے احتمال سے وقف کی آمدنی محفوظ رکھی جائے گی (۲)۔

حنابلہ نے کہا: اگر سرحد ختم ہوجائے تو موقوف اس کے مثل سرحد پر صرف کیا جائے گا یہ ویران شدہ وقف کو فروخت کردینے کے مسئلہ سے لیا گیا ہے اس لئے کہ یہاں مقصود اصلی سرحد کی حفاظت پر صرف کرنا ہے، اور متعین سرحد کی شرط پر عمل کرنا اس کو معطل کردینا ہے۔ لہذا دوسری سرحد پر صرف کرنا واجب ہوگا، التنقیح میں ہے: اسی قیاس پر مسجد رباط اور ان جیسی چیزیں بھی ہوں گی، حارثی نے اسی کی صراحت کی ہے، انہوں نے کہا: شرط کبھی حاجت کے خلاف ہوتی ہے جیسے کسی معین مذہب کی فقہ حاصل کرنے والے پر وقف کرنا، اس لئے کہ اس مذہب کی فقہ حاصل کرنے والے کی عدم موجودگی میں دوسرے مذہب کی فقہ حاصل کرنے والے پر صرف کرنا متعین ہوجاتا ہے (۳)۔

چوتھا رکن: موقوف:

کس کو وقف کرنا جائز ہے اور کس کو وقف کرنا ناجائز ہے:

۶۳ - فقہاء کرام اس چیز کی کسی معین تعریف پر متفق نہیں ہیں، جس کو

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲-۳۷۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۷، کشاف القناع ۴/۲۹۳۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۷۔
(۲) روضۃ الطالبین ۵/۳۵۸۔
(۳) کشاف القناع ۴/۲۹۶۔

وقف کرنا جائز یا ناجائز ہے چنانچہ جیسا کہ ابن عابدین میں ہے حنفیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: وہ مال متقوم ہے بشرطیکہ وہ غیر منقولہ جائداد ہو یا ایسا مال منقول ہو جس میں وقف کا تعامل ہو یا جیسا کہ کاسانی نے کہا: وہ مال ہے جس میں نقل وحمل نہ ہوتا ہو جیسے جائداد وغیرہ چنانچہ مستقل بالذات منقول کا وقف جائز نہ ہوگا (۱)۔

مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: یہ مملوک ذات یا منفعت ہے (۲)۔

شافعیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: وہ معین مملوک ذات ہے جس کی ملکیت قابل نقل ہو اور اس کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے کوئی ایسا فائدہ یا منفعت حاصل ہو جس کے لئے اسے کرایہ پر لیا جاتا ہو (۳)۔

حنابلہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ایسی چیز ہو جس کی بیع صحیح ہوتی ہو اور عرف میں اس کو باقی رہنے کے ساتھ اس سے انتفاع کیا جاتا ہو (۴)۔

وہ اصل جس پر فقہاء متفق ہیں یہ ہے کہ موقوف ایسا مملوک شئ ہو جس کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع ممکن ہو، یہ فی الجملہ ہے اس لئے کہ مالکیہ کے نزدیک منفعت کا وقف کرنا صحیح ہوتا ہے، عین میں غیر منقولہ جائداد اور منقول جائداد دونوں داخل ہیں، اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

اول: غیر منقولہ جائداد کا وقف کرنا:

۶۴ - اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر منقولہ جائداد یعنی اراضی، گھروں، کنووں، اور پلوں کو وقف کرنا جائز ہے (۱)، غیر منقولہ جائداد کو وقف کرنے کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے اس کو وقف کیا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: "**أصاب عمرؓ أرضاً بخيبر، فأتى النبي ﷺ يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله، إني أصبت أرضاً بخيبر لم أصب مالاً قط أنفس عندي منه فما تأمر به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر أنه لا يباع ولا يوهب ولا يورث، وتصدق بها في الفقراء والقربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف**" (۲) (حضرت عمرؓ نے خیبر میں ایک زمین پائی تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں ایک زمین پائی ہے میں نے کبھی بھی کوئی ایسا مال نہیں پایا جو میرے نزدیک اس سے زیادہ نفیس ہو، تو آپ ﷺ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اس کی اصل کو روک لو (وقف کردو) او راس کو صدقہ کردو، راوی نے کہا: تو حضرت عمرؓ نے اس کا صدقہ کردیا کہ اسے نہ بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، او راس کو فقراء، اقرباء، رقاب (غلاموں کے چھڑانے) میں اللہ کے راستہ میں، مسافر اور مہمان پر صدقہ کردیا)۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۵۹، البدائع ۶/۲۲۰، الاسعاف/۱۰، فتح القدیر ۶/۲۱۷۔

(۲) الشرح الصغیر ۲/۲۹۸۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/۳۷۷، المہذب ۱/۴۴۷، روضۃ الطالبین ۵/۳۱۴، تحفۃ المحتاج ۶/۲۳۷۔

(۴) شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۱۔

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین علیہ ۳/۳۵۹، الہدایہ ۳/۱۵، منح الجلیل ۴/۳۵، الخرشی ۷/۷۹، مغنی المحتاج ۲/۳۷۷، المہذب ۱/۴۴۷، کشاف القناع ۴/۲۷۳، شرح منتہی الارادات ۲/۴۹۱-۴۹۲۔

(۲) حدیث ابن عمر: "أصاب عمر أرضاً...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۵۴-۳۵۵) اور مسلم (۳/۱۲۵۵) نے کی ہے۔

جو چیزیں وقف میں جائداد کے تابع ہوں گی اور جو تابع نہیں ہوں گی:

۶۵ - حنفیہ نے اس کی تفصیل وقف کے باب میں کی ہے، ابن عابدین نے الاسعاف سے نقل کرتے ہوئے کہا: زمین کے وقف میں اس میں موجود درخت اور عمارت داخل ہوجائے گی، کھیتی اور پھل داخل نہ ہوں گے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، او راجارہ کی طرح حق شرب (سیرابی کا حق) او رراستہ بھی داخل ہوجائے گا، اگر زمین کو قبرستان بنادے، اوراس میں بڑے بڑے درخت اور عمارتیں ہوں، تو وہ داخل نہیں ہوں گی، اور اگر زمین کے وقف میں مزید کہے: اس زمین کے حقوق کے ساتھ، اوران تمام چیزوں کے ساتھ جواس کے اندر ہیں، یا اس سے حاصل ہیں، اور وقف کے دن درخت پر موجود پھل ہوں، تو ہلال نے کہا: قیاس کا تقاضا ہے کہ داخل نہیں ہوں گے، اور استحسان میں نذر کے طور پر اس کو صدقہ کردینا اس پر لازم ہوگا، وقف کے طور پر نہیں، اور ناطفی نے بیان کیا ہے کہ اگر وہ کہے: اس زمین کے حقوق کے ساتھ، تو وہ وقف میں داخل ہوجائیں گے، اور یہ خاص طور سے اس وقت بدرجہ اولی ہوگا جب وہ یہ اضافہ کرے: ان تمام چیزوں کے ساتھ جواس کے اندر ہیں، یا اس سے حاصل ہیں، اور اگر کسی دار (بڑی عمارت) کو ان تمام چیزوں کے ساتھ وقف کرے، جو اس کے اندر ہیں، اوراس میں کچھ اڑنے والے کبوتر ہوں، یا کسی گھر کو وقف کرے، اوراس میں شہد کے کچھ چھتے ہوں تو گھر اور شہد کے تابع ہوکر کبوتر اور شہد کی مکھیاں داخل ہوجائیں گی، جیسے کہ کوئی زمین وقف کرے، اوراس میں موجود غلام رہٹ اور آلات زراعت کا ذکر کرے(۱)۔

الدرالمختار میں ہے: اگر زمین اس کے بیل اور کارندوں (یعنی اس کے کھیتی کرنے والے غلاموں) سمیت وقف کرے، تو زمین کے تابع ہوکر استحساناً صحیح ہوگا، ابن عابدین نے کہا: اس لئے کہ کبھی تبعاً بعض ایسے حکم ثابت ہوجاتے ہیں، جو مستقل بالذات ثابت نہیں ہوتے، جیسے بیع میں سینچائی کا حق، اور وقف میں عمارت، اور یہ امام ابو یوسف کا قول ہے، اور امام محمد ان کے ساتھ ہیں، اس لئے کہ امام محمد نے الگ سے بعض منقول کو وقف کرنے کی اجازت دی ہے، تو تابع ہوکر بدرجہ اولی (اجازت) ہوگی(۱)۔

جمہور فقہاء نے وقف کے باب میں اس جیسی تفصیل ذکر نہیں کی ہے، صرف بیع کے باب میں وقف سے متعلق گفتگو مناسبۃً آئی ہے، اورانہوں نے اس کا اعتبار کیا ہے کہ اصول: جیسے زمین گھر اور درخت کی بیع میں جو کچھ داخل ہوتا ہے، وہ اسی طرح اس کے وقف میں بھی داخل ہوگا، اس اعتبار سے کہ بیع کی طرح وقف بھی ملکیت کو منتقل کرنے والا ہے، ساتھ ہی تفصیل میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کا اجمالی بیان ذیل میں ہے:

الف- زمین وقف کرے، تو اس میں جو کچھ عمارت اور درخت ہے وہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک داخل ہوجائے گا، مالکیہ نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ جب کوئی شرط یا عرف نہ ہو، شافعیہ نے درخت میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ ہرا ہو، خشک نہ ہو۔

تینوں مذاہب میں، زمین کے وقف میں، اس میں موجود کھیتی داخل نہیں ہوگی، اور کھیتی سے مراد وہ چیز ہے جس کو ایک ہی دفعہ میں (زمین سے) حاصل کرلیا جاتا ہے، جیسے گیہوں، جو اور دوسری کھیتیاں، لیکن بیج اور وہ جڑیں جو زمین میں دوسال تک باقی رہتی ہیں جیسے قت ایک جنگلی دانہ وہ زمین کے وقف میں داخل ہوں گی(۲)۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین علی الدرالمختار ۳/ ۳۷۳۔

(۱) الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۲۷۳، ۲۷۴۔

(۲) منح الجلیل ۲/ ۲۳۷، الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۰، ۱۷۱، مغنی المحتاج ۲/ ۸۰-۸۱، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۷۔

ب- دار (گھر) وقف کرے، تو اس میں زمین، عمارت، صحن اور اس سے مستقل طور سے ملی ہوئی چیزیں داخل ہوجائیں گی، اسی طرح اس میں لگائے ہوئے درخت بھی داخل ہوجائیں گے، لیکن شافعیہ نے درخت میں ہرے درخت ہونے کی قید لگائی ہے خشک درخت داخل نہ ہوں گے، اسی طرح حنابلہ نے کہا: اگر گھر وقف کرے تو وہ زمین جس میں گھر ہے داخل ہوگی بشرطیکہ زمین وقف کردہ نہ ہو جیسے مصر، شام اور سواد عراق (عراق کے دیہات)(۱)۔

ج- درخت وقف کرے تو اس میں وہ زمین داخل ہوجائے گی جس میں درخت ہیں، اور یہ مالکیہ کے نزدیک ہے اور شافعیہ کے نزدیک اصح کا مقابل قول ہے، اور اس کی حریم (اطراف کی زمین) بھی داخل ہوجائے گی، ایک قول ہے: اس میں داخل نہ ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کا اصح قول ہے کہ درخت کے وقف میں وہ زمین داخل نہ ہوگی جس میں درخت ہے، اس لئے کہ لفظ درخت میں وہ شامل نہیں ہے (۲)۔

غیر منقولہ جائداد کو وقف کرنے میں حدود کو ذکر کرنا:

٦٦- حنفیہ وحنابلہ کا مذہب ہے کہ اگر غیر منقولہ جائداد مشہور ہو تو اس کو وقف کرنے میں اس کے حدود کو بیان کرنا شرط نہیں ہے اور ابن عابدین نے کمال ابن الہمام سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر گھر مشہور ومعروف ہو تو اس کو وقف کرنا صحیح ہوگا اگرچہ اس کے حدود بیان نہ کرے، اس لئے کہ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن عابدین نے اس پر اپنے اس قول کے ذریعہ حاشیہ چڑھایا ہے: اس کا ظاہر یہ ہے کہ تحدید شرط ہے، اور اس میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے وقف ہونے کی شہادت قبول کرنے کی شرط ہے(۱)۔

صحیح البخاری میں ہے: "**باب إذا وقف أرضا ولم يبين الحدود فهو جائز**" (اس کا باب کہ اگر کوئی شخص زمین وقف کرے اور حدود بیان نہ کرے تو یہ جائز ہوگا)۔

ابن حجر نے فتح الباری میں اس پر اپنے اس قول سے حاشیہ چڑھایا ہے: اسی طرح انہوں نے جواز کو مطلق رکھا ہے اور یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ موقوف، یا جس کا صدقہ کیا ہے وہ اس طرح مشہور وممتاز ہو کہ دوسرے سے التباس کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ تحدید بالاتفاق ضروری ہوگی، لیکن غزالی نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے: تم لوگ گواہ رہو کہ میری تمام املاک فلاں چیز پر وقف ہے، اور اس کا مصرف بیان کردے، اور اس میں سے کسی کے حدود بیان نہ کرے، تو تمام املاک وقف ہوجائے گی، اور حدود سے گواہوں کی ناواقفیت مضر نہیں ہوگی، ہوسکتا ہے کہ بخاری کی مراد یہ ہو کہ وقف اس صیغہ سے صحیح ہوجائے گا جس میں واقف کے اپنے دل میں کسی متعین چیز کی نیت کرنے اور اعتقاد رکھنے کے تعلق سے کوئی تحدید نہ ہو، اور تحدید کا اعتبار صرف اس پر گواہ بنانے کے لئے کیا جائے گا تاکہ دوسرے کا حق واضح ہوجائے (۲)۔

دوم: منقول کو وقف کرنا:

٦٧- جمہور فقہاء: شافعیہ، حنابلہ اور معتمد قول میں مالکیہ کا مذہب ہے کہ منقول جیسے اثاثہ (گھریلو سامان) حیوان اور ہتھیار کو وقف کرنا جائز ہے(۳)۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "من

(۱) منح الجلیل ۲/ ۲۵ے، ۲۶ے، ۲۷ے، مغنی المحتاج ۲/ ۸۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۶-۲۰۷۔

(۲) منح الجلیل ۲/ ۲۲ے، مغنی المحتاج ۲/ ۸۵-۸۶، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۱۰۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۷۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲۔

(۲) فتح الباری ۵/ ۳۹۲۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۷، منح الجلیل ۴/ ۳۷، المہذب ۱/ ۴۴۷،

احتبس فرسا فی سبیل الله إیماناً بالله وتصدیقا بوعده فإن شبعه وریه وروثه وبوله فی میزانه یوم القیامة'' (۱) (اگر کوئی شخص اللہ کے راستہ میں اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے، کوئی گھوڑا وقف کرے، تو اس کا کھانا، پینا، اور اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس کے ترازو میں ہوں گے)، نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**أما خالد فقد احتبس أدراعه وأعتاده فی سبیل الله**'' (۲) (جہاں تک خالد کا تعلق ہے، تو انہوں نے اپنی زرہیں اور سامان جہاد اللہ کے راستہ میں وقف کردیا ہے)۔

حنفیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ منقول کو مستقل بالذات وقف کرنا ناجائز ہے، اپنے اطلاق پر یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک منقول کا وقف اس صورت میں استحساناً جائز ہے، جب کہ وہ زمین کے تابع ہوکر ہو، جیسے کہ اگر وہ زمین کو اس کے بیل اور کھیتی کرنے والے کارندوں کے ساتھ اسی طرح زراعت کے دوسرے آلات کے ساتھ وقف کرے، اس لئے کہ مقصود کے حصول میں وہ زمین کے تابع ہیں، اور کچھ احکام ایسے ہیں جو تبعاً ثابت ہوجاتے ہیں، مقصود بالذات نہیں، جیسے بیع میں سینچائی کا حق اور وقف میں عمارت (۳)۔

امام ابویوسف وامام محمد نے کہا: کراع یعنی گھوڑے اور ہتھیار کو وقف کرنا استحساناً جائز ہے، اس لئے کہ اس کے بارے میں مشہور آثار ہیں، انہیں میں سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''جہاں تک خالد کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی زرہیں اور سامان جہاد اللہ کے راستہ میں وقف کردیا ہے'' اور مروی ہے کہ جب حضرت خالد بن الولید کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: ''**إذا أنا مت فانظروا سلاحی وفرسی فاجعلوه عدة فی سبیل الله**'' (۱) (میری موت ہوجائے تو میرے ہتھیار اور گھوڑے کو دیکھنا اور اس کو اللہ کے راستہ کا سامان بنادینا)، اور اونٹ کا حکم گھوڑے کے حکم کی طرح ہوگا، اس لئے کہ عرب اس پر جہاد کرتے ہیں، اسی طرح ہتھیار بھی اس پر محمول ہوگا، قیاس کا تقاضا ہے کہ منقول کو وقف کرنا جائز نہ ہو، اس لئے کہ وقف کی شرط تابید ہے، اور منقول میں ہمیشگی نہیں ہوتی ہے، تو قیاس کو وارد ہونے والے آثار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔

امام ابویوسف کے خلاف امام محمد کے نزدیک منقول کو مستقل بالذات وقف کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ متعارف ہو، اور اس میں لوگوں کا تعامل ہو، جیسے کلہاڑی، تیشہ، ہانڈی، لاش کی چارپائی، اس کے کپڑے، قرآن اور کتابیں، اس لئے کہ کبھی قیاس کو تعامل کی وجہ سے ترک کردیا جاتا ہے، اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے: ''**ما رأی المسلمون حسناً فهو عند الله حسن**'' (۲) (جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے)، برخلاف اس کے جس میں تعامل نہ ہو، یعنی اس کے وقف کا تعامل نہ ہو، جیسے کپڑے، جانور اور سامان، اور فتوی امام محمد کے قول پر ہے، عام مشائخ کا مذہب یہی ہے، جن میں سرخسی بھی ہیں، لیکن امام

= مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۱، ۴۹۲، القوانین الفقہیہ/ ۳۷۴۔

(۱) حدیث: ''من احتبس فرساً فی سبیل الله'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/ ۵۷) نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: ''أما خالد فقد احتبس أدراعه....'' کی روایت مسلم (۲/ ۶۷۷) نے کی ہے۔

(۳) الہدایہ ۳/ ۱۵-۱۶، فتح القدیر ۶/ ۲۱۶، نشر دار الفکر۔

(۱) اثر خالد: ''إذا أنا مت، فانظروا سلاحی....'' کی روایت طبرانی نے الکبیر (۴/ ۱۰۶) میں کی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۳۵۰) میں کہا: اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) اثر ابن مسعود: ''ما رأی المسلمون حسناً....'' کی روایت احمد نے المسند (۱/ ۳۷۹) میں کی ہے، اور سخاوی نے المقاصد الحسنہ/ ۳۶۷ میں اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

ابو یوسف کے نزدیک اس کا وقف کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ قیاس صرف نص کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے، اور نص گھوڑے اور ہتھیار کے بارے میں وارد ہوئی ہے، لہذا اسی پر اقتصار کیا جائے گا(۱)۔

سوم: منفعت کو وقف کرنا:

۶۸ - جمہور فقہاء: حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ منفعت کو وقف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ شرط لگاتے ہیں کہ موقوف عین (سامان) ہو، جس سے اس کے باقی رہتے ہوئے انتفاع کیا جائے، اسی طرح وہ وقف کی تابید کی شرط بھی لگاتے ہیں(۲)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ منفعت کو وقف کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اگر کوئی شخص معلوم مدت کے لئے کوئی گھر کرایہ پر لے، تو اس مدت میں اس کی منفعت کو وقف کرنا اس کے لئے جائز ہوگا، اور اس مدت کے پوری ہونے سے وقف ختم ہوجائے گا، اس لئے کہ ان کے نزدیک وقف کی تابید شرط نہیں ہے(۳)۔

عین موقوف میں کیا شرط ہے:

وقف کئے ہوئے سامان میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں:

الف- سامان کا معین ہونا:

۶۹ - فقہاء کا قول ہے کہ وقف کئے ہوئے سامان میں یہ شرط ہے کہ وہ معین ہو، چنانچہ مبہم کو وقف کرنا جائز نہیں ہے، حنفیہ نے کہا: موقوف کا معلوم ہونا شرط ہے لہذا اگر اپنی زمین میں سے کچھ وقف کرے، او راس کو متعین نہ کرے تو صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ شئی میں کم اور زیادہ

(۱) فتح القدیر ۶/ ۲۱۷، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۷۵۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲، البدائع ۶/ ۲۲۰، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۵۹۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۷۶، الشرح الصغیر ۲/ ۲۹۸ ط الحلبی۔

دونوں داخل ہیں، اگر چہ بعد میں اس کی وضاحت کردے، اس لئے کہ کبھی وہ ایسی تھوڑی چیز بیان کرے گا عرف میں جس کو وقف نہیں کیا جاتا ہو، اگر کہے: میں نے اس زمین کو یا اس زمین کو وقف کیا، تو جہالت ہونے کے سبب باطل ہوگا(۱)۔

شافعیہ وحنابلہ نے بیان کیا ہے کہ معین سامان کے علاوہ میں وقف صحیح نہ ہوگا، لہذا اگر کسی غیر معین غلام، یا غیر معین گھوڑے کو وقف کرے گا تو وقف باطل ہوگا، اسی طرح اگر دو گھروں میں سے ایک کو، یا دو غلاموں میں سے ایک کو وقف کرے گا تو صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف قربت اور صدقہ کے طور پر ملکیت کو منتقل کرنا ہے، لہذا غیر معین میں صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح ذمہ میں واجب کسی سامان میں جیسے گھر اور غلام کو وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا، اگر چہ اس کا وصف بیان کردیا جائے(۲)۔

جیسا کہ الشرح الکبیر میں ہے مالکیہ نے بیان کیا ہے کہ معلق وقف جائز ہے، جیسے واقف کہے: اگر میں فلاں کے گھر کا مالک ہوجاؤں تو وہ وقف ہے، اور دسوقی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے: غور کرو کہ کیا معلق کرنے میں جس کو معلق کیا جارہا ہو اس کو معین کرنا ضروری ہوگا، یا اس میں وہ صورت بھی داخل ہوجائے گی، جب اس نے کہا ہو: ہر وہ جائداد یا غیر جائداد جو نئے سرے سے میرے پاس آئے، اور میری ملکیت میں داخل ہوجائے تو وہ میرے وقف سے ملحق ہوگی؟ میں کہتا ہوں: الحدود کی شرح میں رصاع کے کلام سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ جب تعلیق عام ہو تو تحجیر (بنجر زمین قبضہ کرنے) کی وجہ سے وقف لازم نہیں ہوگا جیسے اطلاق کی صورت (تحجیر کی وجہ سے) وقف لازم نہیں ہوتا(۳)۔

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۰۳، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۶۰۔

(۲) المہذب ۱/ ۴۴۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۷۶۔

ب-موقوف کا ان چیزوں میں سے ہونا جن سے انتفاع عین کے باقی رہتے ہوئے کیا جائے:

۰ ۷-فقہاء کا قول ہے کہ موقوف کا ان چیزوں میں سے ہونا جن سے انتفاع ان کے عین کو باقی رہتے ہوئے کیا جائے شرط ہے(۱)۔ شافعیہ، ایک قول میں حنابلہ، اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اس چیز کو وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا جس کو ختم کیا جاتا ہو، جیسے کھانے پینے والی چیز اس لئے کہ کھانے، پینے کی چیزوں کی منفعت ان کو ختم کرنے میں ہوتی ہے، اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اصح منصوص علیہ قول میں، اور حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب میں دراہم ودنانیر کو ان سے آراستگی کرنے، زیور کے طور پر استعمال کرنے یا وزن کرنے، یا ان کو قرض دے کر انتفاع کرنے کے لئے وقف کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف اصل کو روک لینا اور منفعت کو اللہ کے لئے کردینا ہے، اور جس کو تلف کئے بغیر اس سے انتفاع نہ ہوسکے اس میں یہ صحیح نہیں ہوگا۔

ایک قول میں شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک دراہم ودنانیر کو وقف کرنا ان حضرات کے قول پر جائز ہوگا جو اس کے اجارہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک سونگھی جانے والی چیز کو وقف کرنا جائز ہے، جس سے انتفاع اس کے عین کو باقی رہنے کے ساتھ کیا جاتا ہے، جیسے مشک، عنبر اور عود۔

حنابلہ کے نزدیک ند (ایک خوشبو، یا عنبر) صندل اور کافور کے ٹکڑوں کو وقف کرنا جائز ہے۔

جس سونگھی جانے والی چیز کا عین باقی نہیں رہتا ہے اس کو وقف کرنا ان حضرات کے نزدیک ناجائز ہے(۲)۔

حنفیہ اور راجح مذہب میں مالکیہ نے غلہ جیسے گیہوں کو وقف کرنے نیز دراہم ودنانیر کو وقف کرنے کی اجازت دی ہے جب کہ اس کا وقف قرض دینے اور بدل واپس لینے کے لئے کیا جائے، انھوں نے بدل کی واپسی کو عین کے باقی رہنے کا قائم مقام قرار دیا ہے، لیکن اس کے عین کو باقی رہنے کے ساتھ اس کو وقف کرنا جائز نہیں ہوگا، ابن عابدین نے کہا: دراہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، تو اگر چہ ان کے عین کو باقی رکھتے ہوئے ان سے انتفاع نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن ان کے متعین نہ ہونے کے سبب ان کا بدل ان کے قائم مقام ہوجاتا ہے، گویا وہ باقی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ منقول میں سے ہے، تو جس میں تعامل رائج ہوگا وہ اس چیز میں داخل ہوجائے گا، جس کی اجازت امام محمد نے دی ہے، اور یہ جائز ہے کہ ایک ''کر'' (ایک خاص پیمانہ کا نام) گیہوں وقف کیا جائے کہ اسے ان فقراء کو ادھار دیا جائے جن کے پاس بیج نہیں ہیں، تاکہ وہ اس کو اپنے لئے بوئیں، پھر فصل تیار ہونے کے بعد قرض کے بقدر ان سے لے لیا جائے، پھر دوسرے فقراء کو اسی طریقہ پر ہمیشہ قرض دیا جاتا رہے، ان حضرات کے نزدیک کیلی اور وزنی چیز کو وقف کرنا تاکہ اس کو بیچا جائے اور اس کا ثمن مضاربت کے طور پر دیا جائے جائز ہے، اور دراہم ودنانیر کے وقف میں اسی طرح کیا جائے گا، اور جو نفع آئے گا، اس کو وقف کی جہت پر صدقہ کردیا جائے گا۔

مالکیہ کے نزدیک ایک قول میں اس چیز کو وقف کرنا مکروہ ہے جس سے انتفاع کیا جائے اور اس کا بدل واپس کیا جائے، اس لئے کہ اس کی منفعت اس کو ختم کردینے میں ہے، جب کہ وقف میں اس کے عین کو باقی رکھتے ہوئے انتفاع کیا جاتا ہے(۱)۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۷۴، فتح القدیر ۶/ ۲۱۸، الخرشی ۷/ ۸۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۳۹۹، المغنی ۵/ ۶۴۰۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷، المہذب ۱/ ۴۴۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۰۰،

= المغنی ۵/ ۶۴۰-۶۴۱۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۳/ ۳۷۴، ۳۷۵، فتح القدیر ۶/ ۲۱۹، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۷۷، الخرشی ۷/ ۸۔

ج-وقف کردہ سامان سے غیر کا حق متعلق نہ ہونا:

۷۱-اس سامان کو وقف کرنے کے صحیح ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جس سے غیر کا حق متعلق ہو، جیسے کہ وہ گروی رکھا ہوا ہو یا کرایہ پر دیا گیا ہو۔

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ اس عین کو وقف کرنا صحیح ہے جس سے غیر کا حق متعلق ہو، چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ رہن رکھے ہوئے یا اجارہ پر دئے گئے سامان کو وقف کرنا صحیح ہے، وہ سامان رہن سے چھوٹنے کے بعد، اور مدت اجارہ پوری ہونے کے بعد ان پر لوٹ آئے گا جن پر اسے وقف کیا گیا ہے، شافعیہ نے اجارہ پر دئے ہوئے سامان کے بارے میں ان کی موافقت کی ہے۔

رہن پر رکھے ہوئے سامان کے بارے میں ان کے یہاں دو نقطۂ نظر ہیں:

اول: یہی راجح مذہب ہے کہ عتق کی طرح رہن رکھی ہوئی چیز کو وقف کرنا صحیح ہے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالی کا حق ہے، جس کے ثابت ہونے کے بعد اس کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، لہذا وہ عتق کی طرح ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک دوسرے نقطۂ نظر میں گروی رکھی ہوئی چیز کو وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف ایسا تصرف ہے، جو دوسرے کی ملک میں سرایت نہیں کرتا ہے، لہذا وہ صحیح نہ ہوگا جیسے بیع اور ہبہ(۱)۔

حنابلہ نے رہن رکھی ہوئی چیز کے وقف کے صحیح ہونے میں یہ قید لگائی ہے کہ وقف مرتہن کی اجازت سے ہو، اس لئے کہ اس کو اس میں تصرف سے روکنا اس لئے ہے کہ اس سے مرتہن کا حق متعلق ہے، اور اس نے اپنی اجازت کے ذریعہ اس حق کو ساقط کر دیا ہے، اور رہن باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ تصرف ابتدا میں رہن سے مانع ہوتا ہے، لہذا اس کے ساتھ دوام ممنوع ہوگا(۱)۔

یہ فی الجملہ ہے کیوں کہ ہر مذہب میں الگ نوع کی تفصیل ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک: ابن عابدین نے الاسعاف وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے: اگر رہن رکھی ہوئی چیز کو اس کی سپردگی کے بعد وقف کرے تو صحیح ہوگا، اگر وہ خوش حال ہو تو قاضی اس کو مجبور کرے گا کہ اس پر جو کچھ واجب ہے اس کو ادا کرے، اور اگر وہ تنگ دست ہو تو وقف کو باطل کر دے گا، اور اس پر جو کچھ واجب ہو اس کے سلسلہ میں اس کو فروخت کر دے گا۔

اگر رہن رکھی ہوئی چیز کو وقف کرے، اور اس کو چھڑا لے تو جائز ہوگا، پھر اگر کوئی ایسا سامان چھوڑ کر مرے جس سے دین ادا ہو جائے تو وقف صحیح ہوگا، اور اس میں تبدیلی نہیں کی جائے گی، اور جو کچھ اس نے چھوڑا ہے اگر اس سے دین ادا نہ ہو سکے جو اس پر واجب ہو تو قاضی وقف کو باطل کر دے گا، اور دین کے لئے اس کو فروخت کر دے گا(۲)۔

مالکیہ نے رہن رکھی ہوئی اور کرایہ پر دی گئی چیز کو وقف کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ وہ رہن اور اجارہ سے چھٹکارہ کے بعد موقوف ہوگا، اس لئے کہ وقف میں تنجیز (فوری ہونا) کی شرط نہیں ہے(۳)۔

د-موقوف کا ان چیزوں میں سے ہونا جن کی بیع جائز ہوتی ہے:

۷۲-حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ موقوف کو ان چیزوں میں سے ہونا چاہئے جن کی بیع جائز ہوتی ہے، یہ وہی بات ہے جس کی تعبیر

(۱) فتح القدیر ۲۰۱/۶، حاشیۃ الدسوقی ۷۷/۴، الزرقانی ۷۵/۷، المہذب ۳۲۰/۱، شرح منتہی الارادات ۲۳۴/۲، ۴۰۰، ۳۷۶، المغنی ۴۰۱/۴، اسنی المطالب ۴۵۸/۲۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۲۳۴/۲، المغنی ۴۰۱/۴، الانصاف ۱۵۳/۵-۱۵۶۔

(۲) الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین علیہ ۳۹۱/۳، ۳۹۵، الاسعاف ۲۱۔

(۳) حاشیہ الدسوقی ۷۷/۴، شرح الزرقانی ۷۵/۷۔

شافعیہ نے اس طرح کی ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جو قابل نقل ہو، ابن قدامہ نے کہا: اس چیز کو وقف کرنا صحیح نہیں ہوگا جس کو بیچنا ناجائز ہو، جیسے ام ولد، گروی رکھی ہوئی چیز، کتا، سور، اور وہ تمام درندے جانور جو شکار کے لائق نہیں ہوتے، اور وہ شکاری پرندے جن کے ذریعہ شکار نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ وقف کرنے میں زندگی میں ان کی ملکیت منتقل کر دینا ہے، تو وہ بیع سے مشابہ ہے، نیز وقف اصل کو روک دینا اور منفعت کا اللہ کے راستہ میں کر دینا ہے، اور جس میں کوئی منفعت نہ ہو، اس میں منفعت کو اللہ کے راستہ میں کر دینا نہیں پایا جائے گا، کتے سے انتفاع کی ضرورت کی وجہ سے خلاف اصل مباح کیا گیا ہے، لہذا اس میں توسع کرنا جائز نہیں ہوگا، مرہون کو وقف کرنے میں مرتہن کے حق کو باطل کرنا ہے، لہذا اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہوگا(۱)۔

جس کا وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، اس کی مثال شافعیہ نے ام ولد، حمل اور تربیت یافتہ کتے سے دی ہے، اور یہ اصح قول میں ہے، اصح کا مقابل قول یہ ہے کہ ام ولد اور تربیت یافتہ کتے کو وقف کرنا صحیح ہے، غیر تربیت یافتہ کتے کو وقف کرنا یقیناً صحیح نہیں ہے۔

مالکیہ نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، دسوقی نے کہا: مملوک چیز کو وقف کرنا صحیح ہے، اگرچہ جس مملوک کو وقف کرنے کی نیت ہے اس کی بیع جائز نہ ہو، جیسے قربانی کی کھال، شکار کا کتا، بھاگا ہوا غلام، ان میں سے بعض کو اس سے اختلاف ہے(۲)۔

حنفیہ نے اس شرط کی صراحت نہیں کی ہے، اگرچہ یہ ان کے قواعد کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اصل منقول کے وقف کا ناجائز ہونا ہو، الا یہ کہ تبعاً ہو، یا ایسی چیز ہو جس میں لوگوں کے درمیان تعامل رائج ہو۔

زیلعی نے کہا: امام شافعی نے کہا: گھوڑے اور ہتھیار پر قیاس کرتے ہوئے ہر اس چیز کو وقف کرنا جائز ہے، جس کی بیع جائز ہو، اور جس سے انتفاع عین کے باقی رہتے ہوئے ممکن ہو، ہم کہیں گے: اصل وقف کا ناجائز ہونا ہے، لہذا وہ مورد شرع تک محدود رہے گا، اور مورد شرع جائداد گھوڑے اور ہتھیار ہیں، اور مرغینانی نے امام شافعی کا قول نقل کیا، پھر فرمایا: اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس میں (ان کی مراد منقول ہے) وقف میں ہمیشگی نہیں ہوتی ہے جائداد اس کے برخلاف ہے(۱)۔

چہارم: مشاع (مشترک) کو وقف کرنا:

۴۳- شافعیہ وحنابلہ کا مذہب ہے کہ مشاع کو وقف کرنا صحیح ہے، ان حضرات نے حضرت عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ (انہوں نے خیبر میں سو حصے پائے، اور ان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے ان کو ان کے وقف کر دینے کا حکم دیا(۲) اور یہ مشاع کی صفت ہے۔

اسی طرح ان حضرات نے اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ وقف ایک ایسا عقد ہے جو کل کے بعض پر ان کو علاحدہ کر کے جائز ہوتا ہے، لہذا مشاع ہونے کی حالت میں بھی اس کو وقف کرنا بیع کی طرح جائز ہوگا، یا وہ ایسا پلاٹ ہے جس کی بیع جائز ہے، لہذا علاحدہ کئے ہوئے کی طرح اس کا وقف بھی جائز ہوگا۔

اسی طرح انہوں نے اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ وقف اصل کو روک لینا، اور منفعت کو اللہ کے راستہ میں کر دینا ہے، اور یہ

---

(۱) المغنی ۵/ ۶۴۱، شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۹۲۔

(۲) الدسوقی ۴/ ۷۵-۷۶، الخرشی ۷/ ۷۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷-۳۷۸، اسنی المطالب ۲/ ۴۵۸۔

(۱) الزیلعی ۳/ ۳۲۷، الہدایہ ۳/ ۱۶۔

(۲) حدیث: "أن عمر أصاب مائة سهم..." کی روایت نسائی (۶/ ۲۳۲) نے کی ہے۔

بات مشاع میں بھی اسی طرح حاصل ہے جیسے علاحدہ کئے ہوئے میں حاصل ہوتی ہے(۱)۔

شافعیہ وحنابلہ نے کہا: مسجد کی صورت میں مشاع کو وقف کرنا صحیح ہوگا، ابن الصلاح نے اسی کی صراحت کی ہے، اگر مشاع کو مسجد کے طور پر وقف کرے، تو تقسیم واجب ہوجائے گی، اس لئے کہ موقوف سے انتفاع کا یہی طریقہ متعین ہے(۲)۔

مشاع کے وقف کے بارے میں مالکیہ کے یہاں کچھ تفصیل ہے، دردیر نے کہا: جو چیزیں قابل تقسیم ہیں ان میں مملوک کو وقف کرنا صحیح ہوگا اگرچہ وہ مشاع ہو اگر شریک تقسیم کرنا چاہے، تو واقف کو اس پر مجبور کیا جائے گا، لیکن جو چیز قابل تقسیم نہ ہو تو اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں دو راجح اقوال ہیں، صحیح ہونے کے قول کے مطابق اگر شریک چاہے تو واقف کو بیع پر مجبور کیا جائے گا، اور اس کا ثمن اسی جیسے وقف میں کردیا جائے گا، ایک قول کے مطابق اس کو اس پر مجبور کیا جائے گا، اور ایک دوسرے قول کے مطابق اس کی قیمت کو اس جیسے وقف میں کرنے پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا(۳)۔

ابن عرفہ نے مشاع کے وقف کے بارے میں جو حاصل پیش کیا ہے اس کو بنانی نے اپنے حاشیہ علی الزرقانی میں نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: ابن عرفہ نے مشاع کے وقف کے بارے میں تین اقوال کو حاصل کے طور پر ذکر کیا ہے:

اول: مطلقاً جائز ہے، یعنی خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا قابل تقسیم نہ ہو، المدونہ کا ظاہر، ابن القاسم کے سماع کا ظاہر، اور ابن زرب کی صراحت یہی ہے۔

دوم: جو چیز قابل تقسیم نہ ہو، اس میں مشاع کا وقف اس کے شریک کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر اس کا شریک اس کی اجازت دے گا تو وقف صحیح ہوجائے گا، اگر اجازت نہیں دے گا تو وقف باطل ہوجائے گا۔

سوم: وقف مطلقاً جائز ہوگا، اور نا قابل تقسیم چیز میں وقف کرنے والے کے حصہ کو اس چیز کے مثل میں کردیا جائے گا، جس میں اس نے وقف کیا ہے، یہ ابن ماجشون سے ابن حبیب کی روایت ہے، شیخ عبدالقادر فاسی نے ابن ماجشون کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: مشاع کے وقف کرنے کا اقدام مطلقاً جائز ہے، وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو، شریک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا، شریک اگر اس سے راضی ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ وقف میں شریک باقی رہے گا، اور اگر وہ چاہے تو مشاع ہونے کے باوجود صرف اس کو بیچ دیا جائے گا، اور اگر راضی نہ ہو تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور ثمن کو اسی کے مثل میں کردینے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔

بنانی نے کہا: اور التوضیح وغیرہ کا کلام اس بات میں صریح ہے کہ اختلاف واقع ہونے اور پیش آنے کے بعد نافذ ہونے میں ہے، ورنہ ابتدا میں شریک کی اجازت کے بغیر نا قابل تقسیم چیز کے وقف کا اقدام کرنا صحیح نہیں ہوگا(۱)۔

فقہاء حنفیہ نا قابل تقسیم چیز جیسے غسل خانہ وغیرہ میں مشاع کے وقف کرنے کے جائز ہونے پر متفق ہیں، چنانچہ شیوع (شرکت) مسجد اور قبرستان کے علاوہ میں مضر نہ ہوگا، اس میں شیوع کے ساتھ وقف مکمل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں شرکت کا باقی رہنا، اللہ تعالی کے لئے اس کے خالص ہونے سے مانع ہوتا ہے، نیز اس میں اس طور پر مھایات (باری لگانا) قبیح ترین چیز ہوگی: کہ ایک سال قبرستان میں

(۱) المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۴۳۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۷۷-۳۷۸، المہذب ۱/ ۴۴۸، کشاف القناع ۴/ ۲۴۳-۲۴۴، المغنی ۵/ ۶۴۳۔

(۳) الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۷۶۔

(۱) حاشیۃ البنانی علی ہامش الزرقانی ۷/ ۷۴۔

مردے دفن کئے جائیں گے، اور ایک سال کھیتی کی جائے گی، مسجد میں کسی وقت نماز پڑھی جائے گی، اور کسی وقت اس کو اصطبل بنا لیا جائے گا، مسجد اور قبرستان کے علاوہ کا وقف اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ آمدنی حاصل کرنا، اور اس کو تقسیم کردینا ممکن ہے، لہذا وہ نا قابل تقسیم چیز میں وقف کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوگا(۱)۔

البتہ قابل تقسیم مشاع کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے: امام ابو یوسف کے نزدیک نا قابل تقسیم مشاع کی طرح قابل تقسیم مشاع کو وقف کرنا بھی جائز ہے، اس لئے کہ تقسیم قبضہ کی تکمیل کا ایک حصہ ہے، اور قبضہ کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہیں ہے، تو یہی حال اس کی تکمیل کا ہوگا، مشائخ بلخ نے امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے(۲)۔

سرخسی نے کہا: اگر آدھی مشاع زمین، یا آدھا مشاع گھر فقراء پر وقف کرے، تو امام ابو یوسف کے قول میں یہ جائز ہوگا، اس لئے کہ تقسیم قبضہ کی تکمیل کا ایک حصہ ہے، کیوں کہ قبضہ کسی چیز کو اپنے قابو اور بس میں کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور قابل تقسیم چیز میں یہ بات تقسیم سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر امام ابو یوسف کے نزدیک صدقہ موقوفہ میں اصل قبضہ ہی شرط نہیں ہے، تو اسی طرح اس کا بھی حکم ہوگا جو وقف کا تتمہ ہے، اس لئے کے ان کے مذہب کے مطابق وقف کو عتق پر قیاس کیا گیا ہے، اور شیوع عتق سے مانع نہیں ہوتا، تو اسی طرح وقف سے بھی مانع نہیں ہوگا(۳)۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جب قابل تقسیم مشاع کا وقف کرنا صحیح ہو جائے، اور شریک تقسیم کا مطالبہ کرے، تو اس کے ساتھ مقاسمہ

(۱) الہدایہ ۳/۱۶، فتح القدیر ۶/۲۱۲، البحر الرائق ۵/۲۱۲-۲۱۳، الزیلعی ۳/۳۲۴۔

(۲) الہدایہ وفتح القدیر ۶/۲۱۱-۲۱۲۔

(۳) المبسوط ۱۲/۳۶-۳۷۔

(بٹوارہ) کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ یہ تمیز (جدا کرنا) اور افراز (علاحدہ کرنا) ہے، پھر اگر وہ کسی مشترک جائداد میں اپنے حصہ کو وقف کرے گا، تو اپنے شریک سے مقاسمہ کرنے والا وہی ہوگا، اس لئے کہ ولایت وقف کرنے والے کو اور موت کے بعد اس کے وصی کو ہے۔

اگر خالص اپنی جائداد کا نصف وقف کرے، تو اس سے مقاسمہ کرنے والا قاضی ہوگا، یا اپنا باقی حصہ کسی شخص سے بیچ دے گا، پھر خریدار اس سے مقاسمہ کرے گا، پھر وہ اس سے اس کو خرید لے گا، اس لئے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک ہی شخص مقاسم (مقاسمہ کرنے والا) اور مقاسم (جس سے مقاسمہ کیا جائے) دونوں ہو۔

اگر تقسیم میں کچھ دراہم کا اضافہ ہو، اس طور پر کہ ایک نصف دوسرے نصف کے مقابلہ زیادہ اچھا ہو، اور عمدگی کے مقابلہ میں کچھ دراہم کردیئے جائیں، تو اگر دراہم کا لینے والا واقف ہو، اس طور پر کہ وہ نصف جو غیر وقف ہے، بہتر ہو تو جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ بعض وقف کو بیچنے والا ہو جائے گا، اور وقف کو بیچنا ناجائز ہے، اور اگر لینے والا شریک ہو، اس طور پر کہ وقف کا حصہ زیادہ اچھا ہو تو جائز ہوگا، اس لئے کہ واقف خریدار ہے بائع نہیں ہے گویا اس نے اپنے شریک کے کچھ حصہ کو خرید لیا، اور اس کو وقف کردیا(۱)۔

قابل تقسیم مشاع کو وقف کرنا امام محمد بن الحسن کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اصل قبضہ شرط ہے، تو اسی طرح اس کا بھی حکم ہوگا جس سے قبضہ پورا ہوتا ہو، کمال بن الہمام نے کہا: چونکہ امام محمد نے قبضہ کی شرط لگائی ہے، اس لئے شیاع کے وقف کا انکار کیا ہے، اس لئے کہ شیوع اگرچہ حوالگی اور قبضہ سے مانع نہیں ہوتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ وقف کرنے سے پہلے شائع اپنے مالک کے قبضہ میں

(۱) الہدایہ ۳/۱۶، فتح القدیر ۶/۲۲۰-۲۲۱۔

تھا لیکن وہ قبضہ کی تکمیل سے مانع ہوتا ہے، اسی لئے مکمل قبضہ کے ممکن ہونے کے وقت امام محمد نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور یہ قابل تقسیم میں ہوگا، اس لئے کہ اس میں یہ ممکن ہے کہ پہلے تقسیم کرے، پھر اس کو وقف کرے، ممکن نہ ہونے کے وقت امام محمد نے مکمل قبضہ کے اعتبار کو ساقط کردیا ہے، اور یہ نا قابل تقسیم میں ہوگا، اس لئے کہ اگر وقف سے پہلے اس کو تقسیم کیا جائے، تو انتفاع فوت ہوجائے گا، جیسے چھوٹا گھر اور غسل خانہ، تو فی الجملہ حوائج کے پائے جانے پر اکتفاء کیا گیا، اور بخاریٰ کے مشائخ نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے، اور الخلاصہ میں اس کی صراحت ہے کہ مشاع کے وقف کے بارے میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے، البزازیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے(۱)۔

قابل تقسیم میں شیوع امام محمد کے نزدیک اس وقت وقف سے مانع ہوتا ہے، جب کہ یہ شیوع قبضہ کے وقت ہو، نہ کہ عقد کے وقت، ابن عابدین نے کہا: اگر دو آدمیوں کے درمیان کوئی زمین ہو، جس کو دونوں وقف کردیں، اور ایک ہی ساتھ ایک متولی کو دے دیں، تو بالاتفاق جائز ہوگا، اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک جواز سے مانع، قبضہ کے وقت کا شیوع ہے نہ کہ عقد کے وقت کا، اور وہ یہاں پر شیوع نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کی جانب سے وقف اور قبضہ ایک ساتھ پائے گئے ہیں، اسی طرح اگر دونوں اپنے حصہ کو کسی جہت پر وقف کریں، اور ایک ساتھ ایک متولی کو سپرد کردیں، تو قبضہ کے وقت شیوع کے نہ ہونے کی وجہ سے بالاتفاق جائز ہوگا، اگر دونوں میں اپنے وقف کی جہت اور متولی کے اعتبار سے اختلاف ہو، اور دونوں کی طرف سے اسے دونوں متولی کو سپرد کرنے کا زمانہ ایک ہو، یا دونوں میں سے ہر ایک اپنے متولی سے کہے: میرے ساتھی کے حصہ کے ساتھ میرے حصہ پر بھی قبضہ کرلو، -تب بھی اسی طرح ہوگا، اس لئے

(۱) الہدایہ وشروحہا فتح القدیر والعنایہ ۶/۲۱۱، البحر الرائق ۵/ ۲۱۲۔

کہ دونوں متولی ایک متولی کی طرح ہوجائیں گے(۱)۔

نیز قابل تقسیم میں امام محمد کے نزدیک وقف سے مانع شیوع، متصل شیوع ہے نہ کہ طاری شیوع پیدا ہوجانے والا، لہذا اگر کوئی شخص اپنی کل جائداد وقف کردے، پھر اس کے کسی جزء میں شیوع کی صورت میں استحقاق ثابت ہو جائے، تو باقی میں وقف باطل ہوجائے گا، اس لئے کہ استحقاق کے بعد واضح ہوجائے گا کہ شیوع وقف سے مقارن (متصل) تھا۔

لیکن اگر مریض اپنا گھر وقف کرے، پھر مرجائے، اور ظاہر ہو کہ یہ گھر تہائی سے زائد ہے، اور ورثہ تہائی سے زائد کو وقف کرنے کی اجازت نہ دیں، تو زائد جزء میں وقف باطل ہوگا، اور وہ ورثہ کی ملک بن جائے گا، اور گھر کا وہ باقی حصہ جو تہائی ہے، وقف باقی رہے گا، اور یہاں وقف شائع ہونے کہ باوجود صحیح ہوگیا، اس لئے کہ شیوع ورثہ کی اجازت نہ ہونے کے سبب طاری ہوا ہے(۲)۔

موقوف پر جاری ہونے والے تصرفات:

موقوف مال کی زکوۃ:

موقوف کی زکوۃ کے بارے میں گفتگو دو مسائل میں آتی ہے:

پہلا مسئلہ: خود شئ موقوف کی زکوۃ:

۴۷- شئ موقوفہ کی زکوۃ عین موقوف کی ذات کی ملکیت کے بارے میں فقہاء کے اختلاف پر مبنی ہے۔

چنانچہ حنفیہ اور اصح قول میں شافعیہ کے نزدیک: اس میں زکوۃ نہیں ہوگی، حنفیہ کہتے ہیں: وقف کے سائمہ جانوروں اور اللہ کے

(۱) حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۳/ ۳۶۵۔

(۲) الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۲۱۲، البحر الرائق ۵/ ۲۱۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۶۴، ۳۶۵۔

راستہ میں کئے ہوئے گھوڑوں میں ملک نہ ہونے کے سبب زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ زکوۃ میں تملیک ہوتی ہے، اور غیر ملک میں تملیک کا تصور نہیں کیا جاسکتا(۱)۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مویشی کسی عام جہت جیسے فقراء، مساجد، غازیوں، یتیموں وغیرہ پر وقف ہوں، تو کسی اختلاف کے بغیر ان میں زکوۃ نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان کا کوئی معین مالک نہیں ہے۔

اگر کسی معین پر وقف ہوں خواہ وہ ایک ہو، یا کوئی جماعت ہو تو اصح قول کی بنیاد پر کہ موقوف کی ذات میں ملک اللہ تعالی کی ہوتی ہے، کسی عام جہت پر وقف کی طرح اس میں بھی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

اور اصح کے مقابل قول میں کہ موقوف کی ذات میں ملک موقوف علیہ (جس پر وقف کیا گیا ہو) کی ہوتی ہے) موقوف علیہ پر اس کی زکوۃ کے واجب ہونے میں دو اقوال ہیں: ان دونوں میں اصح یہ ہے کہ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کی ملک ضعیف ملک ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس کی ذات میں تصرف کا مالک نہیں ہے، دوم: اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ اس کو مستقل طور پر ملک تام حاصل ہے، تو وہ غیر موقوف کے مشابہ ہوا(۲)۔

مالکیہ کے نزدیک موقوف واقف کی ملکیت میں باقی رہتا ہے، لہذا اس کی زکوۃ واقف پر واجب ہوگی، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر میں ہے: اگر کوئی شخص کوئی عین قرض دینے کے لئے وقف کرے، جس کو محتاج لے لے، اور اس کا مثل واپس کرے، تو اس کی زکوۃ واقف پر واجب ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کی ملک میں ہے، چنانچہ ہر سال اس کی زکوۃ نکالی جائے گی، اگر چہ اس کے مال کے ساتھ اس کو ملا کر ہو، اگر مدیون کے پاس چند سال تک رہ جائے، تو اس پر قبضہ کرنے کے بعد ایک سال کی زکوۃ نکالی جائے گی۔

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۹۔

(۲) المجموع شرح المہذب ۵/ ۳۳۹-۳۴۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۹۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کچھ مویشی وقف کرے کہ ان کا دودھ یا اون تقسیم کیا جائے، یا ان پر بار برداری کی جائے، یا ان کی نسل پھیلائی جائے، تو ان سب کی زکوۃ واقف کی ملک پر نکالی جائے گی، بشرطیکہ ان میں نصاب ہو، اگر چہ اس کے مال کے ساتھ ملا کر ہو، موقوف علیہم کے معین یا غیر معین ہونے میں کوئی فرق نہ ہوگا، اور ناظر واقف کے قائم مقام ہوگا، البتہ ناظر ان کی زکوۃ اس وقت ادا کرے گا جب وہ نصاب کے بقدر ہو جائیں، اور اس کے مال کے ساتھ ملانے کا مسئلہ نہیں آئے گا، اس لئے کہ وہ مالک نہیں ہے(۱)۔

حنابلہ نے کہا: موقوف میں ملکیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے، لہذا اگر موقوف علیہ معین ہو، جیسے مثلاً زید، تو وقف کئے ہوئے سائمہ جانور اونٹ، گائے، اور بکری کی زکوۃ اسی پر واجب ہوگی، اس لئے کہ راجح مذہب کے مطابق، ملک موقوف علیہ کو منتقل ہو جاتی ہے، تو یہ اس کی تمام املاک کے مشابہ ہوگا۔

بعض حنابلہ نے ملکیت کے ضعیف ہونے کی وجہ سے زکوۃ کے واجب نہ ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔

اگر موقوف علیہ غیر معین ہو، جیسے مثلاً فقراء، تو موقوف میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی(۲)۔

دیکھئے "زکاۃ"، فقرہ/ ۱۷۔

دوسرا مسئلہ: زمین کی پیداوار اور درختوں کے پھل کی زکوۃ:

۷۵- اگر وقف متعین لوگوں پر ہو اور موقوف زمین کی آمدنی اور درختوں کے پھل سے بعض کو پھل یا غلہ بقدر نصاب ملے تو اس میں زکوۃ ہوگی، اس لئے کہ جن پر وقف کیا گیا ہے، وہ پورے طور پر پھلوں اور پیداوار کے مالک ہوتے ہیں، اور وہ اس میں ہر قسم کا تصرف

(۱) حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۱/ ۲۲۹ طبع الحلبی۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۱/ ۳۶۷، ۲/ ۴۹۹۔

کرتے ہیں، تو جب ان میں سے کسی کو نصاب کے بقدر حاصل ہوگا، تو اس پر اس کی زکوۃ واجب ہوجائے گی، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

طاؤس ومکحول سے منقول ہے کہ اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ زمین ان کی ملکیت میں نہیں ہے، لہذا اس کی پیداوار میں ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی جیسے کہ مساکین پر نہیں ہوتی۔

اگر وقف کسی عام جہت جیسے مساجد اور فقراء پر ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور اسی کو ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے اگر وہ نصاب کے بقدر ہوجائے تو زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد عام ہے: "وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" (۱) (اور اس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کردیا کرو)۔

نیز اس لئے کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے، نہ کہ زمین میں، لہذا زمین کا مالک ہونا یا نہ ہونا ایک درجہ میں ہوگا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

اس لئے وقف کے متولی کی واقفیت کی بنیاد پر پہلے زکوۃ نکالی جائے گی، پھر اجتہاد کے ذریعہ بقیہ کو موقوف علیہم (جن پر وقف کیا گیا ہے) پر تقسیم کردیا جائے گا، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں (۲)۔

حنابلہ کے نزدیک، اور امام شافعی کی نصوص (تصریحات) میں سے یہی صحیح اور مشہور ہے کہ غیر معین جیسے فقراء پر وقف کی ہوئی چیز کی آمدنی میں زکوۃ نہیں ہوگی، نہ ہی اس چیز میں جو ان کے قبضہ میں آجائے، خواہ ان میں سے کسی کے قبضہ میں اناج اور پھلوں میں سے نصاب کے بقدر حاصل ہو یا حاصل نہ ہو، اس لئے کہ فقراء اور مساکین پر وقف ان میں سے کسی کے لئے متعین نہیں ہوتا ہے، اس کی

(۱) سورہ انعام ؍۱۴۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۲؍۵۶، منح الجلیل ۴؍۷۷۔

دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو محروم کردینا اور دوسرے کو دے دینا جائز ہے (۱)۔

موقوف کو کرایہ پر دینا:

الف-موقوف کو کرایہ پر دینے کا حق دار کون ہوتا ہے:

۷۶-فقہاء کا مذہب ہے کہ موقوف کو کرایہ پر دینے کا حق دار وہ ناظر ہوتا ہے جس کی شرط واقف نے لگائی ہو، بشرطیکہ اس نے کسی معین ناظر کی شرط لگائی ہو، خواہ موقوف علیہ معین ہو جیسے زید اور عمرو، یا غیر معین ہو جیسے فقراء اور مساکین، اور خواہ ناظر معین موقوف علیہ ہو، یا اس کے علاوہ ہو (۲)۔

اگر واقف وقف کے لئے کوئی ناظر معین نہ کرے تو موقوف علیہ یا معین ہوگا، یا غیر معین ہوگا۔

اگر موقوف علیہ معین ہو، تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دیکھ بھال کا حق موقوف علیہ کو ہوگا، اور وہی اجارہ وغیرہ سے متعلق اس کے امور کا ذمہ دار ہوگا، بشرطیکہ وہ رشید (سمجھ دار) ہو (۳)۔

حنفیہ کے نزدیک الدر المختار میں العمادیہ سے منقول ہے: جس پر آمدنی یا رہائش وقف کی گئی ہو، وہ تولیت، یا قاضی کی اجازت کے بغیر نہ کرایہ پر دینے کا مالک ہوگا، نہ دعوی کا، اگرچہ جس پر فتوی ہے اس کے مطابق معین پر وقف ہو، اس لئے کہ اس کا حق آمدنی میں ہے نہ کہ عین میں، البتہ ابن عابدین نے کہا: کرایہ پر دینے کا تذکرہ العمادیہ میں اس طریقہ پر نہیں ہے، بلکہ انہوں نے فرمایا: جن پر وقف کیا گیا

(۱) المغنی ۵؍۶۳۹، المجموع شرح المہذب ۵؍۲۹۲، ۴۵۷۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳؍۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۹، فتح القدیر ۶؍۲۴۴، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴؍۸۸، ۹۶، الخرشی ۷؍۹۲، ۱۰۰، مغنی المحتاج ۲؍۳۹۳، شرح منتہی الارادات ۲؍۵۰۵، الانصاف ۷؍۵۳۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴؍۸۸، شرح منتہی الارادات ۲؍۵۰۳، ۵۰۴، الانصاف ۷؍۶۹۔

ہے، وہ وقف کو کرایہ پر دینے کے مالک نہیں ہوں گے، فقیہ ابوجعفر نے کہا: اگر پورا کرایہ موقوف علیہ کا ہو: اس طور پر کہ تعمیر کی حاجت نہ ہو، اور آمدنی میں کوئی اس کا شریک نہ ہو، تو اس وقت گھروں اور دوکانوں میں اس کا اجارہ پر دینا جائز ہوگا، اگر اراضی کے بارے میں وقف کرنے والا یہ شرط لگادے کہ پہلے عشر وخراج اور دوسرے اخراجات ادا کئے جائیں، اور موقوف علیہ کے لئے بچ جانے والی (آمدنی) کرے، تو اسے اس کو کرایہ پر دینے کا حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ جائز ہوگا، تو عقد کے حکم سے کل کرایہ اسی کا ہوگا، اور واقف کی شرط فوت ہوجائے گی، اگر وہ اس کی شرط نہ لگائے، تو ضروری ہوگا کہ ایسا کرنا جائز ہو، اور خراج اور مصارف اسی پر ہوں گے، ابن عابدین نے کہا: الاسعاف میں اسی کے مثل ہے، پھر فرمایا: معلوم ہوگیا کہ موقوف علیہ اگر معین ہو، تو ان شرطوں کے ساتھ اس کی طرف سے کرایہ پر دینا صحیح ہوگا، پھر فرمایا: اگر واقف موقوف علیہم (جن پر وقف کیا گیا ہو) کے لئے تولیت اور دیکھ بھال کی شرط لگادے، تو اس کو کرایہ پر دینے کے صحیح ہونے میں تردد نہ ہونا چاہئے (۱)۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ ایسے شخص کی طرف عاریت پر دینا صحیح نہیں ہوگا جو خود صرف انتفاع کا مالک ہو، جیسے وہ شخص جس پر اس کی رہائش کے لئے وقف کیا گیا ہو، اور اس کی طرف سے کرایہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہوگا (۲)۔

شافعیہ نے کہا: موقوف کے منافع موقوف علیہ کی ملک ہیں، جن کو وہ دوسرے املاک کی طرح خود بھی حاصل کرسکتا ہے، اور عاریت اور کرایہ پر دے کر دوسرے کے ذریعہ بھی حاصل کرسکتا ہے، لیکن اسے اجارہ پر تبھی دے گا جب وہ ناظر ہو، یا ناظر نے اس کے بارے میں اس کو اجازت دی ہو، یہ اس وقت ہے جب کہ وقف مطلق ہو، اگر اس میں کسی چیز کی قید ہوگی جیسے اگر کوئی گھر اس شرط پر وقف کیا، کہ اس میں مثلاً گاؤں میں بچوں کو تعلیم دینے والا رہے گا، تو اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ اس میں کرایہ کے بدلہ یا بغیر کرایہ کسی کو ٹھہرائے۔

انہوں نے کہا: اور اگر وقف کرنے والا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے دیکھ بھال کی شرط نہ لگائے، تو راجح مذہب کے مطابق دیکھ بھال کا حق قاضی کو ہوگا، اس لئے کہ اس کو عام دیکھ بھال کا حق حاصل ہے، لہذا اس میں نظر کا حق دار وہ زیادہ ہوگا، نیز اس لئے کہ وقف میں ملکیت اللہ تعالی کی ہوتی ہے، اور دوسرا طریقہ ملک کے اقوال پر مبنی ہے (۱)۔

المہذب میں ہے: اگر وقف کرنے والا کسی ناظر کی شرط نہ لگائے، تو اس میں تین اقوال ہیں:

اول: وہ (نظر کا حق) واقف کا ہوگا، اس لئے کہ نظر کا حق اسی کو تھا، تو جب اس کی شرط نہیں لگائے گا، تو اپنی نظر پر باقی رہے گا۔

دوم: وہ موقوف علیہ کا حق ہوگا، اس لئے کہ آمدنی اسی کی ہے، تو نظر کا حق بھی اسی کا ہوگا۔

سوم: نظر کا حق حاکم کو ہوگا، اس لئے کہ اس سے موقوف علیہ کا حق اور جس کی طرف منتقل ہوگا اس کا حق متعلق ہے، لہذا حاکم اولی ہوگا، یہی راجح مذہب ہے (۲)۔

لیکن اگر موقوف علیہ غیر معین ہو جیسے فقراء مساکین اور مساجد اور واقف کسی ناظر کو متعین نہ کرے، تو نظر کا حق حاکم کو یا جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے قاضی کو ہوگا (۳)۔

---

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۹۹، ۴۰۰، البحر الرائق ۵/ ۲۳٦۔

(۲) جواہر الاکلیل ۲/ ۱۴۵۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳، ۳۸۹، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۴۴۔

(۲) المہذب ۱/ ۴۵۲-۴۵۳۔

(۳) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین علیہ ۳/ ۴۱۰، البحر الرائق ۵/ ۲۵۱، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸-۹٦، الخرشی ۷/ ۹۲، ۱۰۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۳، ۵۰۴، الانصاف ۷/ ٦۹-۷۰۔

ب-کرایہ پر دینے میں واقف کی شرط کی پیروی کرنا:

۷۷- جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اصح قول میں شافعیہ کا مذہب ہے کہ موقوف کو کرایہ پر دینے میں واقف کی شرط کی پیروی کی جائے گی، لہذا اگر واقف شرط لگادے کہ موقوف کوسرے سے کرایہ پر نہ دیا جائے، یا مثلاً ایک سال سے زیادہ مدت تک کے لئے نہ دیا جائے، تو وقف صحیح ہوگا، اور اس کی شرط کی پیروی کی جائے گی، اس لئے کہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہوتی ہے۔

شافعیہ کے یہاں اصح کا مقابل قول ہے: اس سلسلہ میں واقف کی شرط کی پیروی نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ یہ منفعت کے مستحق پر حجر (پابندی) ہے(۱)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے مدت اجارہ کی تحدید یا اجارہ پر نہ دینے میں واقف کی شرط کی پیروی کرنے سے اس صورت کا استثناء کیا ہے جب اجرت پر دینے کی کوئی ضرورت ہو، جیسے اگر واقف شرط لگائے کہ گھر کو ایک سال سے زیادہ تک کے لئے کرایہ پر نہ دیا جائے، پھر گھر گر جائے، اور اس کی تعمیر کی کوئی صورت سوائے اس کے نہ ہو کہ اسے چند سال کے لئے کرایہ پر دیا جائے، تو اس وقت ناظر کے لئے واقف کی شرط کی مخالفت جائز ہوگی، اس لئے کہ اس حالت میں واقف کی شرط کی پیروی کرنا اس کو معطل کر دینے کا سبب ہوگا(۲)۔

اسی طرح واقف کی شرط کی پیروی کرنے سے حنفیہ نے اس حالت کا استثناء کیا ہے، جب کہ لوگ اس مدت تک موقوف کو کرایہ پر لینے کی رغبت نہ رکھتے ہوں جس کی شرط واقف نے لگائی ہو، جیسے اگر وہ شرط لگائے کہ موقوف کو ایک سال سے زیادہ کے لئے اجارہ پر نہ دیا جائے، اور لوگ اس کو کرایہ پر لینے کی رغبت نہ کریں، اور ایک سال سے زیادہ کے لئے اس کو اجارہ پر دینے میں فقراء کے لئے زیادہ نفع اور فائدہ ہو، تو متولی کو ایک سال سے زیادہ کے لئے کرایہ پر دینے کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے گا، تاکہ وہ ایک سال سے زیادہ کے لئے اس کو کرایہ پر دے دے، اس لئے کہ قاضی کو فقراء غیر موجود لوگ اور مردوں کے لئے نظر کا حق حاصل ہے۔

اگر واقف کچھ بھی شرط نہ لگائے تو قاضی کی اجازت کے بغیر متولی کو اس کا اختیار ہوگا(۱)۔

یہ اس وقت ہے جب کرایہ پر دینے کے بارے میں واقف کی کوئی شرط ہو، اگر واقف کرایہ پر دینے کے لئے کسی مدت کی شرط نہ لگائے، تو اس مدت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جس میں ناظر کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا۔

چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ وہ مدت متعین نہیں ہے جس میں ناظر کے لئے موقوف کو کرایہ پر دینا جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی توقیت نہیں ہے، لہذا اجارہ اس مدت تک کے لئے جائز ہوگا جس میں عموماً عین اس طرح باقی رہے کہ اس کو موت یا انہدام لاحق نہ ہو جائے، اس لئے کہ منفعت کو وصول کرنا ممکن ہے۔

شافعیہ بیان کرتے ہیں کہ اس مدت کے بارے میں جس میں عین عام طور سے باقی رہتا ہے، باخبر لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے گا، تو گھر اور غلام کو تیس سال کے لئے چوپایہ کو دس سال کے لئے، کپڑے کو ایک یا دو سال کے لئے اس کے مطابق جو اس کے لائق ہو، اور زمین کو سو سال یا زیادہ کے لئے کرایہ پر دیا جائے گا۔

ایک قول میں: اسے ایک سال سے نہیں بڑھایا جائے گا، اس لئے کہ اس سے حاجت پوری ہو جاتی ہے، ایک قول میں تیس سال پر نہیں بڑھایا جائے گا، اس لئے کہ وہ عام طور سے نصف عمر ہے۔

---

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۶، الخرشی ۷/ ۱۰۰، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۶، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۱۔

(۲) الخرشی ۷/ ۱۰۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۲۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۶، الاسعاف/ ۶۴۔

ماوردی نے کہا: وہ کم سے کم مدت جس میں زمین کو زراعت کے لئے کرایہ پر دیا جائے گا، اس کی زراعت کی مدت ہے، اور وہ کم سے کم مدت جس میں گھر کو رہائش کے لئے دیا جائے گا، ایک دن ہے(۱)۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر واقف مدت اجارہ ذکر نہ کرے تو ایک قول ہے: اضافہ کا حق مطلقاً نگراں کو ہوگا ایک قول ہے مطلقاً اس میں ایک سال کی قید ہوگی، ابن عابدین نے کہا: اس لئے کہ یہ مدت اگر طویل ہوگی، تو وقف کو باطل کرنے کا سبب بن جائے گی، اس لئے کہ جو شخص اس کو لمبے عرصہ تک مالکوں کی طرح تصرف کرتے دیکھے گا وہ اس کو مالک سمجھے گا، الدر میں ہے: گھر کے بارے میں ایک سال اور زمین کے بارے میں تین سال کے لئے اجارہ پر دینے کا فتوی دیا جائے گا، الا یہ کہ مصلحت اس کے خلاف ہو، اور یہ زمان ومکان کے اعتبار سے الگ الگ ہوگا، صاحب الدر نے البزازیہ سے نقل کیا ہے: اگر اس کی حاجت ہو تو کئی عقد میں کرے، یعنی ایک کے بعد ایک عقد، ہر عقد ایک سال کے لئے اتنے کے بدلہ میں کرے گا، اور ابن عابدین نے ظاہر اس کو قرار دیا ہے کہ یہ گھر کے بارے میں ہے، زمین میں ہر عقد تین سال کے لئے صحیح ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ کہے: میں نے فلاں گھر تم کو ۴۹ھ میں اتنے کے بدلہ کرایہ پر دیا، اور اسے تمہیں اتنے کے بدلہ ۵۰ھ میں کرایہ پر دیا اور اسے تمہیں ۵۱ھ میں اتنے کے بدلہ کرایہ پر دیا، اور اسی طرح پوری مدت کے لئے (کرے)۔

پہلا عقد لازم ہوگا، اور پہلے عقد کے علاوہ لازم نہیں ہوں گے، اس لئے کہ اس کے علاوہ سب مضاف (آنے والے زمانہ کی طرف منسوب) ہیں، اور شمس الائمہ سرخسی نے بیان کیا ہے ایک روایت کے مطابق مضاف اجارہ لازم ہوتا ہے، اور یہی صحیح ہے(۲)۔

مالکیہ موقوف کے زمین یا گھر ہونے، اور موقوف علیہ کے معین یا غیر معین ہونے کے درمیان، فرق کرتے ہیں، چنانچہ موقوف اگر زمین ہو، اور وقف معین پر ہو، تو ناظر کے لئے وقف کردہ زمین کو دو یا تین سال کے لئے اجارہ پر دینا جائز ہوگا، اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر وقف غیر معین جیسے فقراء وغیرہ پر ہو، تو چار سال کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا، زیادہ کے لئے نہیں، اگر موقوف گھر ہو تو اسے ایک سال سے زیادہ کے لئے کرایہ پر نہیں دیا جائے گا، خواہ موقوف علیہ معین ہو یا غیر معین، اگر ناظر اس سے زیادہ کے لئے کرایہ پر دے دے خواہ یہ گھر کے تعلق سے ہو یا زمین کے تعلق سے تو اگر نظر (یعنی مصلحت) ہو، تو جاری رہے گا، فسخ نہیں ہوگا، یہ ابن القاسم نے کہا ہے۔

گزشتہ تمام تفصیل میں یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کرایہ پر اس کے علاوہ کو دیا جائے جس کے پاس وقف لوٹے گا، لہذا اگر اس کو کرایہ پر دیا جائے جس کے پاس وہ لوٹے گا تو دس سال وغیرہ کے لئے اس کو کرایہ پر دینا جائز ہوگا اس لئے کہ دھوکا کم ہے، کیوں کہ لوٹ کر اس کے پاس جانا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ گھر زید پر پھر عمرو پر وقف ہو، اور زید اسی عمرو کو جس کے پاس لوٹنا ہے دس سال کے لئے اس کو کرایہ پر دے دے، تو یہ جائز ہے۔

سابقہ مدتوں کی تحدید صرف اس صورت میں ہوگی، جب کہ وہاں کوئی ایسی ضرورت نہ ہو، جو اس سے زیادہ کے لئے اجارہ کی داعی ہو، اگر وہاں کوئی ایسی ضرورت ہو، جو اس سے زیادہ کے لئے کرایہ پر دینے کی متقاضی ہو، جیسے اگر وقف منہدم ہو جائے، تو ضرورت کے تقاضا کے بقدر اس کو اتنی مدت کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا جس سے اس کی تعمیر ہو جائے، اگرچہ زمانہ لمبا ہو جیسے چالیس سال یا اس سے زیادہ کی مدت ہو، اور یہ اس کے ضائع ہو جانے اور مٹ جانے

---

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۳۶۳، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۷۱۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۹۷۔

کے مقابلہ میں بہتر ہوگا(۱)۔

دیکھئے: ''اجارۃ''، فقرہ/ ۸۴)۔

موقوف کے کرایہ کی مقدار:

اصل یہ ہے کہ موقوف کا اجارہ اجرت مثل سے ہوگا، اور یہ فی الجملہ ہے(۲)۔

اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

الف-اجرت مثل سے کم پر اجارہ:

۷۸-موقوف کو اجرت مثل سے کم پر کرایہ پر دینے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

ناظر دوسرے پر وقف کئے ہوئے عین (سامان) کو کرایہ پر دے، یا اس کے اوپر وقف کئے ہوئے عین کو کرایہ پر دے، ان دونوں صورتوں میں شافعیہ اور حنابلہ نے فرق کیا ہے، اگر عین دوسرے پر وقف ہو، تو ناظر کے لئے اجرت مثل سے کم پر اس کو کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا، اگر اس کو کم کرایہ پر دے گا، تو شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک ایک قول میں جس کے بارے میں حارثی کہتے ہیں کہ یہی اصح ہے عقد صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب میں عقد صحیح ہوجائے گا، اور ناظر اس کمی کی قیمت کا ضامن ہوگا جسے عام طور سے نظر انداز نہیں کیا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ حصہ کے طور پر دوسرے کے مال میں تصرف کر رہا ہے، لہذا اس نے اپنے عقد سے جو نقصان کیا ہے اس کا وہ ضامن ہوگا، جیسے وکیل اگر ثمن مثل سے کم پر بیع کرے، یا اجرت مثل سے کم پر کرایہ پر دے(۱)۔

لیکن اگر عین اس پر وقف ہو، تو شافعیہ کے نزدیک عاریت کے جائز ہونے پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہوگا کہ اجرت مثل سے کم پر کرایہ دیدے، اسی طرح ایک قول میں حنابلہ کے یہاں ہے، دوسرے قول میں یہ جائز نہیں ہے (۲)۔

حنفیہ کے نزدیک: یہ جائز نہیں ہے کہ ناظر وقف کئے ہوئے عین کو اجرت مثل سے کم پر کرایہ پر دے، خواہ ناظر ہی مستحق ہو یا کوئی دوسرا، اس لئے کہ اجرت کے سبب وقف کو ضرر پہنچانے کا سبب ہوگا، سوائے اس صورت کے جب کہ اجرت مثل سے معمولی کم ہو جس کو عام طور پر لوگ نظر انداز کرتے ہیں۔ یعنی جس کو وہ قبول کر لیتے ہیں اس کو غبن (نقصان) نہ شمار کرتے ہیں، لیکن اگر نقصان بہت زیادہ ہو تو اجارہ جائز نہ ہوگا، اسے متولی کے جانب سے خیانت سمجھا جائے گا، جب کہ وہ اجرت مثل سے واقف ہو۔

لیکن ضرورت کی وجہ سے کم میں یعنی غبن فاحش (کافی کمی) کے ساتھ اجارہ جائز ہوگا، انہوں نے اس کی مثال میں ذیل چیزوں کا تذکرہ کیا ہے (کہ ان صورتوں میں یہ درست ہے):

الف-اگر وقف پر کوئی حادثہ پیش آجائے، یا اس پر کوئی دین ہو، یا گھر پر کوئی مرصد ہو، اور مرصد: وقف پر دین ہے، جس کو کرایہ دار وقف کے لئے حاصل کسی مال کے نہ ہونے کے سبب گھر کی تعمیر کے لئے خرچ کرے۔

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۶، الشرح الصغیر ۲/ ۳۱۰، ۳۱۱، الخرشی ۷/ ۹۳-۹۵۔

(۲) الدر المختار ۳/ ۳۹۸، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۵، الخرشی ۷/ ۹۸-۹۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۵، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۵۱-۳۵۲، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۶، مطالب اولی النہی ۴/ ۳۴۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۶، الانصاف ۷/ ۴۳، کشاف القناع ۴/ ۲۶۹۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۰، ۳۹۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰، مطالب اولی النہی ۴/ ۳۴۰، الانصاف ۷/ ۴۳۔

ب- جب کہ عین کے اجارہ میں کمی کے بغیر کوئی رغبت نہ ہو۔

حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر متولی اجرت مثل سے کم میں کرایہ پر دے، اور غبن فاحش ہو، اور وہاں کوئی ضرورت بھی نہ ہو، تو کرایہ دار پر پوری اجرت مثل لازم ہوگی (۱)۔

ابو بکر محمد بن الفضل نے کہا: ہمارے اصحاب کی اصل کے مطابق مناسب یہ ہے کہ کرایہ دار غاصب (کے حکم میں) ہو، خصاف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ غاصب نہیں ہوگا، اس پر اجرت مثل لازم ہوگی، تو ان سے کہا گیا: کیا آپ اس کا فتوی دیتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ متولی نے طے کرنے کے ذریعہ مقرر کردہ اجرت سے اجرت مثل تک بڑھنے والی اجرت کو باطل کردیا ہے، جب کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، لہذا اجرت مثل واجب ہوگی جیسے کہ اگر اجرت مقرر کئے بغیر اجارہ پر دے دے (۲)۔

ابن عابدین نے خصاف سے نقل کیا ہے کہ واقف بھی اگر اتنے کم کرایہ پر دے جس کو لوگ نظر انداز نہ کرتے ہوں تو جائز نہیں ہوگا، قاضی اس کو باطل کردے گا، واقف اگر قابل بھروسہ ہو، اور اس نے یہ کام سہو اور غفلت کے طور پر کیا ہو، تو قاضی اس کو اس کے قبضہ میں برقرار رکھے گا، اور اس کو مناسب (اجرت) کے بدلہ اجارہ پر دینے کا حکم دے گا، اگر وہ قابل بھروسہ شخص نہ ہو، تو اس کے قبضہ سے اس کو نکال لے گا، اور اس کو ایسے شخص کے قبضہ میں کردے گا جس کی دیانت پر اس کو بھروسہ ہو (۳)۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ ناظر اگر وقف کئے ہوئے عین کو اجرت مثل سے کم پر کرایہ پر دے دے، تو ناظر اگر خوش حال ہو، تو اجرت مثل کی تکمیل کا ضامن ہوگا، ورنہ کرایہ دار سے وصول کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ عقد کرنے والا ہے، اور جس سے بھی وصول کیا جائے گا وہ دوسرے سے وصول نہیں کرے گا، یہ اس وقت ہے جب کہ مستاجر کو علم نہ ہو کہ اجرت، اجرت مثل سے کم ہے، اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک ضامن ہے، لہذا اس سے ابتدا کی جائے گی۔

جیسا کہ الشرح الکبیر اور الدسوقی میں ہے مالکیہ نے بیان کیا ہے کہ اجارہ اگر اجرت مثل سے کم میں ہو، پھر دوسرا شخص اتنا بڑھا دے جو اجرت مثل کے برابر ہو جائے، تو پہلے شخص کا اجارہ فسخ ہو جائے گا، اور اسے اس دوسرے شخص کو کرایہ پر دے دیا جائے گا، جس نے اضافہ کیا ہے، اگر پہلا شخص اس اضافہ کا التزام کرے، تو اسے اس کا حق نہیں ہوگا، الا یہ کہ وہ اضافہ کرنے والے پر اضافہ کردے، اس طرح کہ اضافہ کرنے والے کا اضافہ اجرت مثل کے برابر نہ ہو، تو اگر یہ اجرت مثل کے برابر کردے، تو اضافہ کرنے والے کے اضافہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، دسوقی نے کہا: اور یہ اس زمین کا مسئلہ ہے جو وقف کی نہ ہو، اور اگر زمین وقف ہو جس کو اجرت مثل سے کم میں کرایہ پر دیا گیا ہو، پھر اس پر کسی شخص نے اجرت مثل کا اضافہ کردیا، اور سابق کرایہ دار زیادتی کے ساتھ بقاء کا مطالبہ کرے، تو اس کی بات قبول کی جائے گی، دسوقی کہتے ہیں: اور ظاہر یہ ہے کہ جب اس پر اضافہ اجرت مثل سے بڑھ رہا ہو، اور صرف اجرت مثل کے بدلہ بقاء کا مطالبہ کیا جائے، تو اس کو قبول کیا جائے گا۔

حاشیۃ العدوی علی الخرشی میں ہے کہ یہ علی اجھوری کی رائے ہے، پھر فرمایا: اور اس کا بعید ہونا مخفی نہیں ہے، پھر فرمایا: ہوسکتا ہے کہ علی اجھوری کی عبارت کا مطلب یہ ہو کہ اگر زائد اجرت مکمل اجرت مثل کے برابر ہو جائے، اور رہنے والا اس کا التزام کرے تو وہ زیادہ حق دار ہوگا، اور اس کے بعد اضافہ کرنے والے کے اضافہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، پھر اگر دوسرا اجرت مثل پر اضافہ کردے، اور رہنے والا

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۹۸۔

(۲) الاسعاف/ ۶۵۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۰۱۔

اس کا التزام کرے تو وہ حق دار ہوگا اس لئے کہ ایسا عقد واقع ہوا ہے جس کو فی الجملہ اس کے ساتھ کیا گیا تھا، جب تک کہ دوسرا اس پر بھی اضافہ نہ کردے، ورنہ عقد میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے وہ (اضافہ کرنے والا) زیادہ حق دار ہوگا جب تک کہ رہنے والا اس اضافہ کا التزام نہ کرے (۱)۔

ب-اس صورت کا حکم جب کہ اجارہ اجرت مثل پر ہو، پھر اجرت بڑھ جائے:

۷۹-اگر ناظر موقوفہ عین کو اجرت مثل پر کرایہ پر دے، پھر مدت عقد کے دوران اجرت مثل بڑھ جائے، یا اجرت مثل پر اضافہ کے ساتھ طلب کرنے والا ظاہر ہو جائے تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء مالکیہ، حنابلہ ایک روایت میں حنفیہ یہ فتاوی سمرقند کی روایت ہے، اور صاحب ہدایہ کی التجنیس اور الاسعاف میں یہی ہے اور اصح قول میں شافعیہ کا مذہب ہے کہ اگر عقد اجارہ صحیح اور لازم ہو، اور عقد کے وقت وہ اجرت مثل میں ہوا ہو، تو اجرت کے بڑھ جانے کی وجہ سے عقد فسخ نہیں کیا جائے گا، اس بناء پر کہ اجرت مثل کا اعتبار عقد کے وقت کیا جاتا ہے، اور اس وقت مقررہ اجرت مثل تھی، تو اس کے بعد تبدیلی مضر نہیں ہوگی جیسا کے حنفیہ کہتے ہیں، نیز جیسا کے شافعیہ کہتے ہیں: عقد اپنے وقت میں خوشی کے ساتھ جاری ہوا تھا، تو یہ اس صورت سے مشابہ ہوگا کہ اگر ولی بچہ کا مال فروخت کردے، پھر بازار میں قیمتیں چڑھ جائیں یا اضافہ کے ساتھ طلب کرنے والا ظاہر ہو جائے (۲)۔

حنفیہ کے نزدیک اصح قول ہے کہ عقد فسخ کر دیا جائے گا، اور اضافہ کے ساتھ دوبارہ کیا جائے گا، یعنی زائد اجرت کے ساتھ پہلے کرایہ دار کے لئے عقد کی تجدید کی جائے گی، الدر المختار میں الاشباہ سے منقول ہے: اگر کسی کے اضافہ کئے بغیر فی نفسہ اجرت مثل بڑھ جائے، تو متولی کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا، اور فتوی اسی پر ہے، اور جب تک فسخ نہ کرے، اسے مقررہ اجرت ملے گی، ابن عابدین نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ کرایہ دار کے اضافہ کو قبول کر لینا تجدید عقد کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

حنفیہ نے اصح قول میں چند قیدیں لگائی ہیں، اور وہ جیسا کہ ابن عابدین نے ان کو بیان کیا ہے یہ ہیں۔

الف-اضافہ سے مراد وہ اضافہ نہیں ہے جو تعنت یعنی ایک یا دو کی جانب سے ضرر پہنچانے کی غرض سے ہو، اس لئے کہ وہ قابل قبول نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ کل یعنی تمام لوگوں کے نزدیک وہ فی نفسہ بڑھ جائے، جیسا کہ اسبیجابی نے صراحت کی ہے (۱)۔

ب-ضروری ہوگا کہ اضافہ خود وقف سے ہو، یعنی فی نفسہ زمین کی اجرت بڑھ جانے کے سبب ہو، نہ کہ کرایہ دار کی طرف سے اپنے مال کے ذریعہ اپنے لئے تعمیر کے سبب ہو، جیسا کہ اوپر ذکر کی ہوئی زمین میں تعمیر کی وجہ سے ہوتا ہے، ابن عابدین نے کہا: وقف کی زمین کو کرایہ پر لینے والا اگر اس میں تعمیر کرے، پھر اجرت مثل بڑھ جائے، تو اگر اضافہ تعمیر اور عمارت کے سبب ہو تو یہ اضافہ لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کی تعمیر اور عمارت کی اجرت ہے، اور اگر اضافہ فی نفسہ زمین کی اجرت بڑھ جانے کے سبب ہو، تو یہ اضافہ کرایہ دار پر لازم ہوگا (۲)۔

---

(۱) حاشیۃ العدوی علی الخرشی ۷/ ۹۹، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۹، الخرشی ۷/ ۹۸-۹۹، الاسعاف/ ۶۵، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۵، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۵، مطالب اولی النہی ۴/ ۳۴۰، کشاف

= القناع ۴/ ۲۶۹۔

(۱) الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۸-۳۹۹۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۱۔

ج-عقد صرف اضافہ سے فسخ نہیں ہوگا، بلکہ اس کو متولی فسخ کرے گا، جیسا کہ اس کو انفع الوسائل میں تحریر فرمایا ہے، اور فرمایا: اگر وہ گریز کرے، تو اس کو قاضی فسخ کردے گا۔

د-فسخ سے پہلے صرف مقررہ اجرت ہی واجب ہوگی اضافہ اس کے بعد واجب ہوگا۔

پھر اگر پہلا کرایہ دار اس اضافہ کو قبول کرلے گا، تو وہ دوسرے کے مقابلہ میں اولی ہوگا، اگر وہ اضافہ کو قبول نہ کرے، اور زمین زراعت سے خالی ہو، تو متولی اسے دوسرے کو کرایہ پر دے دے گا، اگر زمین زراعت میں مشغول ہو، تو اضافہ اسی وقت یعنی زیادتی کے وقت سے لے کر کھیتی کاٹے جانے تک، پہلے کرایہ دار پر واجب ہوگا، اس لئے کہ زمین کا ملک کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے دوسرے کو کرایہ پر دینا صحیح نہیں ہے، پھر جب کھیتی کاٹ لی جائے گی تو عقد فسخ کر دیا جائے گا، اور دوسرے کو کرایہ پر دے دیا جائے گا، یہی حکم اس وقت ہوگا جب کہ زمین میں عمارت بنالی، یا درخت لگالے، لیکن یہ عقد پورا ہونے تک باقی رہے گا، اس لئے کہ عمارت اور درخت کی کوئی انتہاء معلوم نہیں ہے، کھیتی اس کے برخلاف ہے پھر جب عقد انتہاء کو پہنچ جائے، اور وہ اضافہ کو قبول نہ کرے، تو اسے عمارت اور درخت کو اٹھا لینے کا حکم دیا جائے گا، اور زمین دوسرے کو کرایہ پر دے دی جائے گی۔

ابن عابدین نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ کرایہ دار کا زیادہ حق دار ہونا صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ مدت عقد کے دوران کرایہ سے فراغت سے پہلے اجرت مثل بڑھ جائے، اور وہ اس اضافہ کو قبول کرلے، لیکن اگر عقد کی مدت پوری ہوجائے تو وہ دوسرے سے اولی نہیں ہوگا، بلکہ وقف کے ناظر کو اختیار ہوگا کہ اسے جس کو چاہے کرایہ پر دے دے، اگر چہ پہلا کرایہ دار اضافہ کو قبول کرلے، اس لئے کہ زیادہ حقدار ہونے کی علت یعنی اس کے اجارہ کی مدت کا باقی رہنا ختم ہوگیا ہے، البتہ اگر اس کو عمارت یا درخت کی وجہ سے اس میں ٹھہرنے کا حق ہو تو وہ دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہوگا، اگر چہ مدت پوری ہونے کے بعد ہو بشرطیکہ وہ اضافہ کو قبول کرے تاکہ اس سے ضرر دور ہو ساتھ ہی ساتھ وقف کو بھی کوئی ضرر نہیں ہے (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک اصح کا مقابل قول ہے کہ عقد اس صورت میں فسخ ہوجائے گا جب کہ اضافہ قابل وقعت ہو، اور طلب کرنے والا ثقہ ہو، اس لئے کہ اس کا مرضی کے خلاف واقع ہونا واضح ہوگیا ہے (۲)۔

وقف کے اجارہ کا ختم ہوجانا:

موقوف کا اجارہ مدت کے پورا ہوجانے سے یا موت سے ختم ہوجاتا ہے۔

اس کی وضاحت ذیل میں ہے:

اول: موت کی وجہ سے وقف کے اجارہ کا ختم ہوجانا:

۸۰- جمہور فقہاء: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اجارہ دونوں عقد کرنے والوں یا ان میں سے کسی ایک کے مرنے سے فسخ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اجارہ کی مدت کے ختم ہونے تک باقی رہتا ہے، اس لئے کہ وہ ایک لازم عقد ہے، لہذا موت کی وجہ سے فسخ نہیں ہوگا، اور منفعت حاصل کرنے میں کرایہ دار کا جانشین اس کا وارث ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک عاقدین، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے اس صورت میں فسخ ہوجائے گا، جب کہ اس نے عقد اپنے لئے کیا ہو (۳)۔

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۹۹۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۵۔

(۳) الاختیار ۲/ ۶۱، البدائع ۴/ ۲۲۲، اسہل المدارک ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱، مغنی المحتاج ۲/ ۳۵۶، شرح منتہی الارادات ۲/ ۳۷۳۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مدت اجارہ گزرنے سے پہلے وقف کے ناظر کی موت سے موقوف کا اجارہ اس صورت میں فسخ نہیں ہوگا جب کہ جس ناظر نے کرایہ پر دیا ہو وہ وقف کرنے والا ہو، یا حاکم یا اس کا نائب ہو، یا ناظر جس کے لئے واقف کی طرف سے دیکھ بھال کی شرط لگائی گئی ہو، اجنبی ہو بایں طور کہ وقف دوسرے پر ہو، اس لئے کہ وہ موقوف علیہم کے وکیل کی طرح ہے، اور عقود وکیل کی موت سے فسخ نہیں ہوتے ہیں (۱)۔

لیکن اگر موقوف کو کرایہ پر دینے والا، خود موقوف علیہ یا ان میں سے ایک ہو، تو اس کے بارے میں فقہاء کے یہاں کچھ تفصیل ہے، جس کی وضاحت ذیل میں ہے:

حنفیہ نے کہا: اگر وقف کا مستحق اجرت مثل سے کم میں کرایہ پر دے تو اجارہ فسخ ہوجائے گا، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ غبن فاحش کے ساتھ ہو، اور کم میں اجارہ پر دینے کی ضرورت نہ ہو (۲)۔

الخانیہ میں ہے: کئی اصحاب پر وقف کرے، اور ان میں سے ایک متولی ہو، اور وہ اسے کسی شخص کو کرایہ پر دے دے، پھر یہ متولی مرجائے، تو اجارہ باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اجارہ موقوف کے لئے ہے لہذا عقد کرنے والے کی موت سے باطل نہ ہوگا، جیسا کہ اجارہ کے وکیل کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا ہے (۳)۔

مالکیہ نے کہا: اگر مستحق وقف کچھ سالوں کے لئے کرایہ پر دے، اور مدت ختم ہونے سے پہلے مرجائے، تو اجارہ فسخ ہوجائے گا اس لئے کہ محض اس کی موت کی وجہ سے وقف سے اس کا حق منقطع ہوجائے گا، اور وقف کی ترتیب میں جو اس کے بعد ہو اس کی طرف حق منتقل ہوجائے گا یہ ابن رشد وغیرہ کے نزدیک اختلاف کے اصح قول کے مطابق ہے۔

اصح کا مقابل قول ہے: اگر مستحق اتنی مدت کے لئے وقف کو کرایہ پر دے جس مدت کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوتا ہے، اور مدت ختم ہونے سے پہلے مرجائے، تو اس کا اجارہ فسخ نہیں ہوگا (۱)۔

شافعیہ نے کہا: اگر ناظر ہی وقف کا مستحق ہو، اور وہ اجرت مثل سے کم میں اجارہ پر دے دے، اگر وہ مدت کے دوران مرجائے، تو اجارہ فسخ ہوجائے گا، جیسا کہ ابن رفعہ نے کہا ہے: اگر موقوف علیہم کی بطن اول (پہلی پیڑھی) وقف کردہ عین کو ایک مدت تک کے لئے کرایہ پر دے، اور مدت پوری ہونے سے پہلے اجارہ پر دینے والی پیڑھی کی موت ہوجائے، اور واقف نے ان میں سے ہر بطن کے لئے صرف اپنے استحقاق کی مدت میں اپنے حصہ کی دیکھ بھال کی شرط لگائی تھی، تو اصح یہ ہے کہ باقی ماندہ مدت میں اجارہ فسخ ہوجائے گا۔

اس لئے کہ کرایہ پر دینے والے کی موت سے وقف کا استحقاق دوسرے کو منتقل ہوجائے گا اور اس کو اس پر نہ ولایت رہے گی نہ نیابت، اصح کا مقابل قول ہے کہ ملک کی طرح اجارہ فسخ نہیں ہوگا، اگر موقوف علیہم میں سے کوئی ایک شخص جس کے لئے رشید ہونے (سوجھ بوجھ والا) کے ساتھ دیکھ بھال مشروط ہو کرایہ پر دے، پھر وہ مرجائے تو اجارہ صرف اس کے حصہ میں فسخ ہوجائے گا، جیسا کہ اذرعی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، غزی نے فتوی میں اسی پر اعتماد کیا ہے (۲)۔

حنابلہ نے کہا: اگر وقف کا مستحق ناظر کرایہ پر دے دے، اور واقف نے اس پر وقف کیا تھا، اور اس کے لئے دیکھ بھال کی شرط لگائی

---

(۱) الاختیار ۲؍۶۱، ۳؍۴۷، حاشیہ ابن عابدین ۳؍۳۹۸، منح الجلیل ۳؍۷۹، مغنی المحتاج ۲؍۳۵۶، شرح منتہی الارادات ۲؍۳۶۲، ۳۶۳۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳؍۳۹۸۔

(۳) الفتاوی الخانیہ ۳؍۳۳۴۔

(۱) منح الجلیل ۳؍۷۹، حاشیۃ الدسوقی ۴؍۳۳، الشرح الصغیر ۵؍۳۱۸۔

(۲) مغنی المحتاج ۲؍۳۵۶، نہایۃ المحتاج ۵؍۳۱۴-۳۱۵۔

تھی، پھر وہ مرجائے تو اس کی موت کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے ولایت کے طور پر کرایہ پر دیا ہے، وہ اجنبی سے مشابہ ہوگا، اگر مستحق شرط کے نہ ہونے کے باوجود دیکھ بھال کے زیادہ حق دار ہونے کی وجہ سے یا اس پر وقف ہونے کی وجہ سے اجارہ پر دے دے تو ایک قول میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر کوئی ولی اپنے زیر ولایت کا مال یا کوئی اجنبی ناظر کرایہ پر دے دے، پھر اس کی ولایت ختم ہوجائے، قاضی نے المجرد میں کہا: یہ مذہب کا قیاس ہے، اور یہی زیادہ مشہور ہے، اور اسی پر عمل ہے۔

التنقیح میں ہے: اگر کرایہ پر دینے والا مرجائے، اور کرایہ پر دینے والے موقوف علیہ کے لئے اصل استحقاق ہو، تو اجارہ فسخ ہوجائے گا، ایک قول ہے: اس کی ملک کی طرح وہ فسخ نہیں ہوگا، اور یہی زیادہ مشہور ہے، اور اسی پر عمل ہے(۱)۔

۸۱ - فقہاء کے گذشتہ اقوال صرف اجارہ دینے والے کے تعلق سے ہیں، لیکن اگر کرایہ دار مرجائے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک اجارہ فسخ نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ عاقدین یا دونوں میں سے ایک کی موت سے اجارہ فسخ نہ ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک کرایہ دار کی موت سے موقوف کا اجارہ فسخ ہوجائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے لئے عقد کرنے والا ہے اس کی بناء ان کی اس اصل پر ہے کہ عاقدین یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے اس صورت میں اجارہ فسخ ہوجاتا ہے، جب کہ اس نے اپنے لئے عقد کیا ہو، لیکن اگر کرایہ دار کوئی جماعت ہو تو مدت پوری ہونے سے پہلے ان کے بعض کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوگا، اور میت کا حصہ اس کے ورثہ کی طرف پھیر دیا جائے گا(۲)۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۳۶۲، المغنی ۵/ ۴۶۹۔

(۲) الفتاوی الخانیہ ۳/ ۳۳۵، اسہل المدارک ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱۔

دوم: مدت پوری ہونے کی وجہ سے موقوف کے اجارہ کا ختم ہوجانا:

۸۲ - اگر موقوف کے عقد اجارہ میں مدت معینہ پوری ہوجائے، تو عقد فسخ ہوجائے گا، اس لئے کہ کسی غایت تک ثابت ہونے والی چیز غایت کے پائے جانے کے وقت ختم ہوجاتی ہے، الا یہ کہ کوئی ایسا عذر پایا جائے جو اس کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی اجارہ کے باقی رہنے کا متقاضی ہو۔

چنانچہ اگر اجارہ کی مدت پوری ہوجائے، اور زمین میں کرایہ دار کی کوئی ایسی ملکیت ہو جس کی کوئی معلوم انتہاء ہو جیسے کھیتی ہو اور اس کی کٹائی کا وقت نہ آیا ہو تو زمین اجرت مثل کے بدلہ کرایہ دار کے قبضہ میں باقی رہے گی، یہاں تک کہ کھیتی کاٹ لی جائے، اس لئے کہ اس طریقہ سے جب تک وقف کے لئے اجرت مثل کا استحقاق رہے گا، وقف کو نقصان پہنچائے بغیر، کرایہ دار سے ضرر دور ہوگا، اور یہ فی الجملہ ہے(۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح (اجارۃ فقرہ ۶۰) میں دیکھی جائے۔

وقف کردہ زمین میں عمارت بنانا اور درخت لگانا:

۸۳ - جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ وقف کی زمین میں عمارت بنانا اور درخت لگانا جائز ہے، خواہ عمارت بنانے والا۔ یا درخت لگانے والا واقف ہو، یا موقوف علیہ ہو، یا وقف کی زمین کو کرایہ پر لینے والا ہو، یا کوئی اجنبی ہو، بشرطیکہ عمارت بنانا، یا درخت لگانا وقف کے لئے مفید ہو، لیکن اس عمارت یا درخت کی ملکیت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا وہ عمارت تعمیر کرنے والے یا درخت

(۱) الاختیار ۲/ ۵۲، بدائع الصنائع ۴/ ۲۲۳، المہذب ۱/ ۴۱۰-۴۱۱، شرح المنتہی ۲/ ۳۸۱-۳۸۲، المغنی ۵/ ۴۸۸-۴۹۰، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۹۶، منح الجلیل ۳/ ۸۱۸۔

لگانے والے کی ہوگی، اور اسے اس (عمارت) کو توڑنے اور اس (درخت) کو اکھاڑنے کا حق ہوگا؟ یا وہ زمین کی طرح وقف ہوں گے؟ فقہاء اس کی بنیاد چند امور پر رکھتے ہیں، جیسے تعمیر کرنے والے کی نیت، یا اس پر گواہ بنالینا وغیرہ، اور اس میں ہر مذہب کی الگ تفصیل ہے، جس کی وضاحت ذیل میں ہے:

حنفیہ نے کہا: وقف کی زمین کو کرایہ پر لینے والے کے لئے اس میں درخت اور انگور لگانا متولی کی طرف سے صریح اجازت کے بغیر جائز ہے بشرطیکہ وہ زمین کے لئے نقصان دہ نہ ہو، حوض کھودنا جائز نہ ہوگا متولی کے لئے اجازت دینا صرف ان چیزوں میں جائز ہوگا جن سے وقف کی بہتری میں اضافہ ہو، یہ اس صورت میں ہے جب موقوفہ زمین میں کرایہ دار کو عمارت کے برقرار رکھنے کا حق نہ ہو اگر اس کو برقرار رکھنے کا حق حاصل ہو تو اس کے لئے کھودنا، اور درخت لگانا اور اس کی مٹی سے دیوار بنانا جائز ہوگا، اس لئے کہ اس جیسی چیز میں دلالۃً اجازت پائی جاتی ہے، ابن عابدین نے کہا: اس کا موقعہ زمین کے ضرر نہ ہونے کے وقت ہے۔

کرایہ دار ناظر کی اجازت کے بغیر جو تعمیر کرے گا، یا جو درخت لگائے گا، اور اسی کے مال سے ہوگا تو وہ اسی کا ہوگا جب تک کہ وقف کے لئے ہونے کی نیت نہ کرے، اور اگر تعمیر کرنے والا ہی وقف کا متولی ہو، تو اگر تعمیر وقف کے مال سے ہو، تو وہ وقف ہوگی، خواہ وہ اس کی تعمیر وقف کے لئے کرے، یا اپنے لئے یا مطلق کرے، اگر تعمیر اس کے مال سے وقف کے لئے یا مطلق ہو تو وہ وقف ہوگا، الا یہ کہ تعمیر کرنے والا ہی واقف ہو، اور وہ مطلق تعمیر کرے تو وہ اس کی ہوگی، اگر متولی اس کی تعمیر اپنے مال سے اپنے لئے کرے، اور تعمیر سے پہلے گواہ بنالے کہ وہ اس کی ہے، تو وہ اس کی ہوگی، اگر تعمیر کرنے والا متولی نہ ہو، تو اگر متولی کی اجازت سے تعمیر کرے، تا کہ رجوع کرے، تو وہ وقف ہوگی، ورنہ اگر وقف کے لئے تعمیر کرے تو وقف ہوگی، اگر اپنے لئے تعمیر کرے یا مطلق رکھے، تو اگر زمین کو نقصان نہ ہو تو اسے ہٹانے کا حق ہوگا، اور اگر مسجد میں درخت لگائے، تو وہ مسجد کا ہوگا، اس لئے کہ اس میں اپنے لئے درخت نہیں لگایا جاتا ہے(۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر وقف کی زمین میں تعمیر کرنے والا یا درخت لگانے والا ان لوگوں میں سے کوئی ہو جن پر وقف کیا گیا ہو اگر چہ وصف کی بنیاد پر ہو، جیسے امام اور مدرس، اور وہ وضاحت کردے کہ یہ عمارت یا درخت اس کی ملکیت ہیں، تو وہ اسی کے ہوں گے، اگر وہ مر جائے، تو شرعی فریضہ کے مطابق اس کا وارث اس کا مستحق ہوگا، اگر بیان کرے کہ وہ وقف ہے، یا وہ مرجائے، اور وہ بیان نہیں کرے تو وہ وقف ہوگا، اور کم ہو یا زیادہ، اس میں اس کی طرف سے وراثت جاری نہیں ہوگی، اگر تعمیر کرنے والا یا درخت لگانے والا اجنبی ہو، تو اگر وہ وضاحت کردے کہ وہ وقف ہے تو وہ وقف ہوگا، اور اگر وضاحت کرے کہ وہ اس کی ملک ہے، یا وہ مرجائے اور وضاحت نہ کرے تو وہ اس کی اور اس کے وارث کی ملک ہوگی، اسے حق ہوگا کہ اس کو توڑ لے، یا ٹوٹی ہوئی حالت میں اس کی جو قیمت ہو لے لے، یہ اس وقت ہے جب وقف کو اس کی حاجت نہ ہو، اگر وقف کو اس عمارت کی حاجت ہو، تو اس کی آمدنی سے اس کو دیا جائے گا، یہ اس طرح ہوگا جیسے ناظر کوئی تعمیر کرے یا اصلاح کرے تو تعمیر میں جو کچھ وہ خرچ کرے گا پورا پورا اس کو دے دیا جائے گا اور عمارت کو وقف قرار دیا جائے گا(۲)۔

شافعیہ نے کہا: اگر بغیر درخت لگی زمین کسی معین شخص پر وقف کرے تو اس میں درخت لگانا اس کے لئے ممنوع ہوگا، اور بغیر

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۴۲۸-۴۲۹، الاسعاف/ ۲۲۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۶۔

درخت لگے ہوئے زمین جس لائق ہو اس میں اس سے نفع اٹھائے گا، الا یہ کہ وقف کرنے والا اس کی صراحت کردے، یا اس کے لئے ہر قسم کے نفع اٹھانے کی شرط لگادے جیسا کہ سبکی نے اس کو راجح قرار دیا ہے، اور درخت لگانے کی طرح تعمیر بھی ہے لہذا اگر تعمیر سے خالی کوئی زمین وقف کرے تو جب تک اس کے لئے اس نے ہر قسم کے نفع اٹھانے کی شرط نہ لگائی ہو، اس کی تعمیر جائز نہیں ہوگی، اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز ممنوع ہوگی جو وقف کو کلی طور پر اس کے اس نام سے بدل دے جس پر وہ وقف کے وقت تھا، بخلاف اس کے جس کے ساتھ نام باقی رہے، ہاں، اگر مشروط ناممکن ہو، تو اس کو بدلنا جائز ہوگا(۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر ناظر اس میں درخت لگائے، یا تعمیر کرے جو تنہا اسی پر وقف کیا گیا ہو، تو درخت اور عمارت درخت لگانے والے یا اس کی تعمیر کرنے والے کی ہوگی، اور وہ اس کی قابل احترام ملک ہوگی، تو کسی کو اس سے اس کے اکھاڑنے کا مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ ان چیزوں کا اور ان کی اصل کا مالک ہے، اگر درخت لگانے والا یا تعمیر کرنے والا وقف میں شریک ہو، اس طور پر کہ وقف ایک جماعت پر ہو، اور ان میں سے کوئی ایک اس میں درخت لگائے، یا تعمیر کرے، تو درخت اور تعمیر غیر محترم ہو کر اسی کی ہوگی، اسی طرح اگر درخت لگانے والا یا تعمیر کرنے والا صرف ناظر ہو، یعنی وہ اس پر وقف نہ ہو، تو اس کا درخت اور عمارت غیر محترم ہو کر اسی کی ہوگی، یعنی اہل وقف کی رضامندی کے بغیر اسے اس کو باقی رکھنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

راجح یہ ہے کہ اگر موقوف علیہ، یا وقف کا ناظر درخت لگائے، یا تعمیر کرے اور گواہ بنالے کہ اس کا درخت اور عمارت اس کی ہے تو وہ اس کی ہوگی، اور اگر اس پر گواہ نہ بنائے، تو یہ دونوں وقف کے لئے ہوں گے اس لئے کہ ان پر وقف کا قبضہ ثابت ہے، اگر اس میں وقف کے لئے درخت لگائے، یا تعمیر کرے، یا وقف کے مال سے کرے، تو وہ وقف ہوگا، کسی اجنبی کے درخت لگانے اور تعمیر کرنے میں راجح یہ ہے کہ اس کی نیت سے وہ وقف کے لئے ہوگا، اور یہ دونوں توجیہیں صاحب الفروع کی ہیں، شیخ تقی الدین نے کہا: وقف کا قبضہ وقف سے متصل چیز پر ثابت ہوتا ہے، جب تک کہ اس کے موجب کو دفع کرنے والی کوئی دلیل نہ آجائے، جیسے اس کی جانکاری ہوجائے کہ درخت لگانے والے نے اجارہ، عاریت یا غصب کے حکم سے اس کو لگایا ہے، کرایہ دار کا قبضہ منفعت پر ہوتا ہے، لہذا دلیل کے بغیر اس کو عمارت پر دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور مشترک پلاٹ والوں کا قبضہ اشتراک کے حکم سے اس میں جو کچھ ہے اس پر ثابت ہوتا ہے، الا یہ کہ عمارت وغیرہ کے کسی کے ساتھ خاص ہونے پر بینہ موجود ہو(۱)۔

موقوف علیہم کے درمیان موقوف کو تقسیم کرنا:

۸۴- فقہاء کا کہنا ہے کہ موقوف علیہم پر وقف کی آمدنی کی تقسیم میں ان کے درمیان برابری کرنے، یا کم وبیش دینے، یا ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے میں واقف کی شرط پر عمل کیا جائے گا(۲)۔

یہ ان اوقاف کے تعلق سے ہے جن کی کوئی آمدنی ہو، اور واقف نے اس میں تصرف کی کیفیت کی شرط لگائی ہو، اس کی تفصیل اور اس کے بارے میں فقہاء کے اقوال کا بیان واقفین کی صحیح شرائط (کے بیان) میں مکمل ہوچکا ہے۔

لیکن اگر مثلاً موقوف رہائش کا گھر یا زراعت کے لئے وقف کردہ

(۱) نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشبر املسی ۳۸۶/۵، ۳۸۷۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۵۰۶/۲۔

(۲) المہذب ۴۵۰/۱، شرح منتہی الارادات ۵۰۱/۲-۵۰۲، الاسعاف ۱۲۶، الشرح الکبیر ۸۸/۴-۸۹۔

زمین ہو، اور گھر یا زمین تمام موقوف علیہم کی گنجائش نہ رکھتی ہو، تو جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے کہ مستحقین کے درمیان وقف کی اشیاء کو تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان فقہاء کے نزدیک وقف کردہ عین میں موقوف علیہ کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اس کا حق صرف موقوف کی منفعت میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر موقوف علیہم کے درمیان تقسیم جائز ہوگی، تو صرف منافع میں جائز ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ موقوف میں ملکیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے، اس کے بارے میں فقہاء کے اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے:

حنفیہ نے کہا: اگر کوئی قاضی مشاع کے وقف کے جائز ہونے کا فیصلہ کردے، اور اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے، اور دوسرے مختلف فیہ حکم کی طرح وہ متفق علیہ بن جائے پھر اگر ان میں سے بعض تقسیم کا مطالبہ کریں، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی تقسیم نہیں کی جائے گی، لیکن وہ مہایاۃ (باری) مقرر کریں گے۔

ابن عابدین نے فتاوی ابن الشلبی سے نقل کیا ہے کہ مہایاہ کے طریقہ سے تقسیم موقوف شئی میں باری لگ جانا ہے، جیسا کہ اگر مثلاً موقوف ایک جماعت کے درمیان زمین ہو، اور وہ آپس میں اس پر راضی ہوجائیں کہ ان میں سے ہر ایک موقوفہ زمین کا ایک معین پلاٹ لے لے گا، جس مین وہ اس سال اپنے لئے کھیتی کرے گا، پھر دوسرے سال ان میں سے ہر ایک اس کے علاوہ دوسرا قطعہ (پلاٹ) لے لے گا، تو یہ جائز ہوگا، لیکن یہ لازم نہیں ہوگا، لہٰذا ان کو اس کو باطل کردینے کا حق ہوگا، یہ درحقیقت تقسیم نہیں ہے، اس لئے کہ حقیقی تقسیم یہ ہے کہ موقوف عین میں سے بعض کے ساتھ اسے ہمیشہ کے لئے اختصاص حاصل ہوجائے۔

پھر ابن عابدین نے فرمایا: باری کو دائمی کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ زمانہ کے طویل ہونے کی صورت میں یہ ملکیت کے دعوی کا سبب ہوگا یا ان میں سے ہر ایک یہ دعوی کرسکتا ہے کہ اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ معین طور سے اسی پر وقف ہے۔

ابن عابدین نے بیان کیا ہے کہ وقف کردہ عین کو مستحقین پر ملکیت کے طور پر تقسیم کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کا حق عین میں نہیں ہے، راجح مذہب یہی ہے(۱)۔

مہایاۃ کے طور پر وقف کی تقسیم کے جواز میں مالکیہ کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر میں ہے: حبس (یعنی وقف) کے بارے میں جان لو کہ اس کے عین کو تقسیم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، لیکن آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کو تقسیم کرنا اس طور پر کہ مثلاً یہ ایک مہینہ کا کرایہ لے، اور دوسرا بھی اسی طرح لے، تو ایک قول ہے: اسے تقسیم کیا جائے گا، اور انکار کرنے والے کو مطالبہ کرنے والے کے لئے مجبور کیا جائے گا، اور اس کو ان کے درمیان نافذ کردیا جائے گا، تا آنکہ تبدیلی کو واجب کرنے والی کمی یا زیادتی کی وجہ سے تقسیم میں تبدیلی واجب ہوجائے۔

ایک قول کسی بھی حال میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ المدونۃ میں امام مالک کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک قول ہے: ان کی باہمی رضامندی سے اسے آمدنی حاصل کرنے کے لئے تقسیم کردیا جائے گا، ان میں سے کوئی تقسیم کا انکار کرے، تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، حطاب نے تیسرے قول کو اظہر قرار دیا ہے۔

جیسا کہ انہوں نے اظہر قرار دیا ہے یکساں ہے کہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے تقسیم ہو یا نفع حاصل کرنے کے لئے ہو بایں طور کہ ہر

---

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۶۷، ۳۶۹، فتح القدیر ۶/ ۲۱۲، البحر الرائق ۵/ ۲۲۴۔

ایک خود رہائش اختیار کرکے، یا خود کھیتی کرکے ایک مدت تک نفع اٹھائے، اگرچہ تینوں اقوال آمدنی حاصل کرنے کے لئے تقسیم کے بارے میں ہیں(۱)۔

شافعیہ کا مذہب ہے کہ وقف کو ارباب وقف کے درمیان تقسیم کرنا مطلقاً ممنوع ہے، اس لئے کہ اس میں واقف کی شرط میں تبدیلی کردینا ہے، اور مھایاۃ (باری) سے کوئی مانع نہیں ہوگا جس سے سب راضی ہوں اس لئے کہ اس کے عدم لزوم کی وجہ سے اس میں کوئی رد وبدل نہیں ہے(۲)۔

حنابلہ کے یہاں معروف یہ ہے کہ موقوف میں ملکیت صرف موقوف علیہ کی ہوتی ہے، اسی لئے انہوں نے موقوف علیہم پر عین موقوف کو تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے، البتہ اگر وقف کسی ایک جہت پر ہو، تو اس کے جواز کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ شرح منتہی الارادات میں ہے: موقوف کو تقسیم کرنا صحیح ہے، اگرچہ وہ ایک ہی جہت پر وقف کیا گیا ہو، صاحب الفروع نے اس کو مختار کہا ہے، اپنے شیخ تقی الدین کے حوالہ سے کہا: اصحاب نے صراحت کی ہے کہ وقف کو تقسیم کرنا صرف اس وقت جائز ہے جب کہ وہ دو جہتوں پر ہو، ایک جہت پر وقف کے عین کی لازمی تقسیم بالاتفاق نہیں ہوگی اس لئے کہ دوسرے اور تیسرے طبقہ کا حق متعلق ہے، لیکن بلا اختلاف مھایاۃ جائز ہوگی، پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ ہمارے شیخ نے اصحاب سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی ایک قول ہے یعنی اس کے علاوہ دوسرے منقول اقوال کی طرح انہوں نے کہا: اور اصحاب کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ وقف ایک جہت پر ہو یا دو جہتوں پر ہو اس میں کوئی فرق

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۹۹، منح الجلیل ۳/۶۲۳۔
(۲) تحفۃ المحتاج ۴/۶۰۳، مغنی المحتاج ۲/۳۹۳۔

نہیں ہوگا، المنہج میں ہے: اس کا لزوم اس وقت ہوگا جب وہ خود سے تقسیم کریں(۱)۔

یہ معلوم ہے کہ مھایاۃ کی تقسیم جس کے قائل جمہور فقہاء ہیں اس وقت ہوگی جب وہ کسی معین قوم یا معین جماعت پر ہو۔

اگر وقف بے شمار لوگوں پر ہو جیسے فقراء پر ہو، تو ناظر اجتہاد کے ذریعہ آمدنی میں سے دے گا۔

مالکیہ نے کہا: آمدنی اور رہائش میں ناظر اجتہاد کے ذریعہ اہل حاجت، بال بچوں والے فقراء کو فوقیت دے گا(۲)۔

موقوف کے معطل ہونے پر لازمی تصرفات:

اگر موقوف کے منافع معطل ہوجائیں، تو ان پر جن تصرفات کا جاری ہونا ممکن ہے وہ یہ ہیں:

الف- اگر ممکن ہو تو جس کو اصلاح کی حاجت ہو، اس کی اصلاح کرنا۔

ب- اس کو فروخت کردینا، اور اس کے ذریعہ بدلہ میں دوسری چیز لے لینا۔

ج- واقف کی ملکیت میں اس کا لوٹ آنا(۳)۔

ان تصرفات کے بارے میں فقہاء کی کچھ تفصیل ہے جس کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) شرح منتہی الارادات ۳/۵۱۳۔
(۲) ملاحظہ کیا جائے: شرح منتہی الارادات ۲/۵۰۱، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/۹۶، فتح القدیر ۶/۲۴۵۔
(۳) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/۳۸۲، ۳۸۳، فتح القدیر ۶/۲۳۸، حاشیۃ الدسوقی ۴/۹۰، الخرشی ۷/۹۴، مغنی المحتاج ۲/۳۹۱، ۳۹۳، کشاف القناع ۴/۲۹۲-۲۹۴، شرح منتہی الارادات ۲/۵۱۴-۵۱۶، المغنی ۵/۶۳۱-۶۳۲۔

اول: موقوف کی اصلاح کرنا:

۸۵- موقوف کی اصلاح کا مقصد وقف کی اصل غرض کو پورا کرنے کے لئے اس کے عین کو انتفاع کے لائق باقی رکھنا ہے۔

موقوف کی اصلاح دو امور میں سے کسی ایک امر سے ہوگی:

اول: حفاظت ونگرانی اور ایسے عمل کے ذریعہ اس کی دیکھ بھال رکھنا جس سے دائمی طور پر اس سے انتفاع ہو سکے، حتی کہ اگر چہ اس وقت وہ انتفاع کے لائق ہو، اور اس میں کوئی خلل نہ ہو۔

الدر المختار کے قول ''مستحقین پر صرف کرنے سے پہلے وقف کی آمدنی سے اس کی اصلاح شروع کی جائے گی'' ابن عابدین نے حاشیہ لکھا ہے: عمارت (اصلاح) اس کا نام ہے جس سے جگہ کی اصلاح کی جائے، اس طور پر کہ اسے موقوف علیہ پر صرف کیا جائے، تاکہ وہ جس صفت پر ہے، اگر زیادتی کی شرط نہیں لگائی ہے تو زیادتی کے بغیر اس پر باقی رہے، اگر وقف ایسا درخت ہو جس کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ناظر کو اختیار ہوگا کہ اس کی آمدنی سے فصیل (وہ کھیتی جو ابھی تیار نہ ہوئی ہو) خریدے، اور اس کو لگادے، اس لئے کہ درخت امتداد زمانہ سے خراب ہو جائے گا،.....اسی طرح اگر زمین بنجر ہو، اس میں کچھ نہ اگتا ہو، تو اسے اختیار ہوگا کہ اس کی اصلاح کرے، اور اسی میں اس مرصد (یعنی دین) کا دینا ہے، جو موقوف پر ہو، اس لئے کہ مرصد وقف کی تعمیر کی ضرورت سے اس پر ہو جانے والا دین ہے، لہذا اگر وقف میں کوئی مال موجود ہو، اگر چہ ہر سال میں تھوڑا سا ہو، یہاں تک کہ وقف کا عین چھڑا لیا جائے، اور اسے اجرت مثل پر کرایہ پر دئے جانے کے لائق ہو جائے تو ناظر پر یہ لازم ہوگا، اور وقف کی آمدنی سے تعمیر اس وقت ہوگی، جب ویرانی کسی کے عمل سے نہ ہو (۱)۔

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۷۶۔

مسجد کی آبادی کے لئے وقف کی ہوئی چیز کی آمدنی جن چیزوں میں صرف کی جائے گی (جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں) ان میں یہ ہیں سیڑھی، سایہ حاصل کرنے کے لئے بوری اور ٹاٹ اور جھاڑو لگانے کے لئے جھاڑو، اور مٹی منتقل کرنے کے لئے پھاوڑے، اور سائبان جو بارش وغیرہ سے دروازے کی لکڑی کے خراب ہونے سے مانع ہو، بشرطیکہ وہ گزرنے والوں کو ضرر نہ پہنچائے (۱)۔

دوم: موقوفہ عمارتوں میں سے جو منہدم ہوگئی ہوں، یا جن میں دراڑ پڑ گئی ہو، ان کی اصلاح تعمیر، مرمت اور پلاسٹر کے ذریعہ مکمل کی جائے گی۔

خرشی کہتے ہیں: وقف کے عین کو باقی رکھنے اور اس کی منفعت کے دوام کے لئے اس کی مرمت اور اصلاح سے ابتدا کی جائے گی۔

شربینی کہتے ہیں: مسجد کی آبادی پر وقف کردہ چیز کی آمدنی تعمیر کرنے مضبوط پلاسٹر والے، سیڑھی اور بوری اور ٹاٹ میں صرف کی جائے گی.....الخ (۲)۔

الف- اصلاح کو دوسرے مصارف پر مقدم رکھنا:

۸۶- حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے کہ وقف کی اصلاح کرنا دوسرے تمام مصارف پر مقدم ہوگا، خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، اس لئے کہ واقف کا مقصد دائمی طور پر آمدنی کو صرف کرنا ہے، اور اصلاح کے بغیر وہ دائمی طور پر باقی نہیں رہے گا، لہذا اصلاح کی شرط اقتضاءً ثابت ہو جائے گی۔

بلکہ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی سے اس کی اصلاح سے شروعات نہ کرنے کی شرط لگائے، یا اس کو جس خرچ کی حاجت ہے، اس میں خرچ سے شروعات

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳۔

(۲) الخرشی ۷/ ۹۳-۹۴، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۰، مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۳۔

نہ کرنے کی شرط لگائے، تو اس کی شرط کی پیروی نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ وہ سرے سے وقف کو باطل کرنے کا سبب ہوگا، بلکہ اس کی آمدنی سے اس کی مرمت کرنے اور اس پر خرچ کرنے سے ابتدا کی جائے گی، تا کہ اس کا عین باقی رہے(۱)۔

حنابلہ کا مذہب ہے کہ واقف کی شرط کی پیروی کی جائے گی، لہذا اگر وقف مثلا جائداد، اور اس جیسی چیز جیسے ہتھیار سامان اور کتابیں- ہوں، تو شرط کے بغیر کسی پر اس کی اصلاح واجب نہ ہوگی، اگر واقف نے اس کی تعمیر کی شرط لگائی ہو، تو اس پر مطلقاً عمل کیا جائے گا، خواہ اس نے اصلاح سے شروعات کی شرط لگائی ہو، یا اس کو مؤخر کرنے کی، اس نے جو بھی شرط لگائی ہو اسی پر عمل کیا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے اصلاح پر جہت کو مقدم کیا ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، لیکن حارثی نے کہا: بشرطیکہ وقف کو معطل کر دینے کا سبب نہ ہو، اگر اس کا سبب ہو تو اصل وقف کی حفاظت کے لئے اصلاح کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر واقف نے مطلق رکھا ہو، تحدید نہ کی ہو، تو اصلاح کو اصحاب وظائف پر مقدم رکھا جائے گا، التنقیح میں ہے: بشرطیکہ اس کے مصالح کو معطل کرنے کا سبب نہ ہو، چنانچہ ممکن حد تک دونوں کو جمع کیا جائے گا(۲)۔

حنفیہ نے ضروری اور غیر ضروری اصلاح میں فرق کیا ہے، چنانچہ اگر اصلاح ضروری ہو، اور اس کی حاجت ہو، جیسے چھت اٹھانا، یا دیوار کی تعمیر کرنا، تو اسے مصارف کے تمام جہت پر مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ امام اور مؤذن کو جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے مسجد کو ویران کرنا، دیکھ بھال کرنا نہیں ہے، اگر اصلاح سے کچھ بچ رہے، تو اسے اس کو دیا جائے گا جو اس کے قریب ہو اور اس کو الگ رکھنے میں

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۷۶، ۳۷۷، البحر الرائق ۵/ ۲۲۵، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۳۔

(۲) کشاف القناع ۴/ ۲۶۶، شرح المنتہی ۲/ ۵۰۷۔

کھلا ہوا ضرر ہو، اور اگر اصلاح غیر ضروری ہو، اس طرح کہ اگر اصلاح کو اگلے سال کی آمدنی تک موخر کر دیا جائے تو اس کو چھوڑ دینا عین کے برباد ہو جانے کا سبب نہ ہوگا تو الاہم فالاہم کو فوقیت دی جائے گی(۱)۔

البحر میں الخانیہ کے حوالہ سے ہے: اگر متولی کے قبضہ میں زمین کی آمدنی اکٹھا ہو جائے، اور اس کے سامنے نیکی کی جہتوں میں سے کوئی جہت ظاہر ہو جائے، جیسے مسلمانوں کے قیدیوں کو چھڑانا، یا پیچھے رہ جانے والے غازی کی مدد کرنا، اور وقف کو اصلاح و تعمیر کی حاجت ہو، متولی کو اندیشہ ہو کہ اگر آمدنی کو اصلاح میں صرف کرے گا، تو یہ نیکی چھوٹ جائے گی، تو وہ غور کرے گا: اگر زمین کی اصلاح و مرمت کو دوسری آمدنی تک موخر کرنے میں کوئی ایسا واضح ضرر نہ ہو، جس سے وقف کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو آمدنی اس نیکی میں صرف کی جائے گی، اور مرمت کو دوسری آمدنی تک موخر کر دیا جائے گا۔

اگر مرمت کو موخر کرنے میں واضح ضرر ہو، تو آمدنی مرمت میں صرف کی جائے گی، اگر کچھ بچ جائے، تو اسے اس نیکی پر صرف کیا جائے گا، ابن نجیم نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں مستحقین پر صرف کرنا، اور اصلاح کو دوسری آمدنی تک مؤخر کرنا جائز ہوگا جب کہ کسی واضح ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔

پھر ابن نجیم نے فرمایا: اگر متولی مستحقین پر صرف کر دے، اور وہاں کوئی ایسی اصلاح ہو جس کو مؤخر کرنا جائز نہ ہو، تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ وقف کو جس اصلاح و خرچ کی حاجت ہو، وہ فقراء کے حق سے مستثنی ہوتا ہے، لہذا اگر ان کو یہ چیز دے دے گا تو ضامن ہوگا(۲)۔

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۷۷-۳۷۹۔

(۲) البحر الرائق ۵/ ۲۲۵۔

اسی طرح حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر واقف اصلاح کو مقدم کرنے، پھر باقی ماندہ کو فقراء اور مستحقین پر صرف کرنے کی شرط لگائے، تو ناظر پر ہر سال اصلاح کے بقدر کا روک لینا لازم ہوگا، اگرچہ فی الوقت اس کو اس کی ضرورت نہ ہو، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی نئی بات پیش آجائے، اور آمدنی نہ ہو، برخلاف اس صورت کے جب واقف اس کی شرط نہ لگائے لہذا ہر سال اصلاح کو مقدم رکھنے کی شرط لگانے اور اس سے سکوت اختیار کرنے کے درمیان فرق کیا جائے گا، چنانچہ سکوت کے وقت اصلاح کو اس کی ضرورت کے وقت مقدم رکھا جائے گا، اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کے لئے بچا کر نہیں رکھا جائے گا، شرط لگانے کی صورت میں ضرورت کے وقت اصلاح کو مقدم رکھا جائے گا، اور ضرورت نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے بچا کر رکھا جائے گا، پھر باقی کو تقسیم کیا جائے گا، اس لئے کہ واقف نے اس سے بچ جانے والی آمدنی کو فقراء کے لئے کیا ہے (۱)۔

اسی طرح حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ وقف کی عمارت کا منہدم شدہ ملبہ اور اس کے سامان کو حاکم اصلاح میں صرف کرے گا، اگر اصلاح کے لئے تیاری فی الحال ثابت ہو، تو اسے اس میں لگا دے گا، ورنہ اس کو محفوظ رکھے گا، یہاں تک کہ وہ تیار ہوجائے، اور حاجت ثابت ہوجائے۔

اس کے قریب قریب ہی شافعیہ نے بیان کیا ہے، چنانچہ مغنی المحتاج میں ہے: مسجد کی زائد آمدنی میں سے اس کے ٹوٹ پھوٹ کا اندازہ لگا کر تعمیر کی ضرورت کے مطابق سرمایہ کو بچا کر رکھے گا اور باقی سے جائداد خریدے گا، اور اس کو وقف کر دے گا، اس لئے کہ یہ چیز اس کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہے، جائداد اس مال سے نہیں خریدے گا جس کو مسجد کی اصلاح و مرمت کے لئے وقف کیا گیا ہے، اس لئے کہ واقف نے اس کو اصلاح و مرمت کے لئے ہی وقف کیا ہے (۱)۔

ب- وہ جہت جس میں سے موقوف اور اس کی اصلاح پر خرچ کیا جائے گا:

۸۷- اس جہت کے بارے میں جس میں سے موقوف اور اس کی اصلاح پر خرچ کیا جائے گا، فقہاء کے درمیان اختلاف ہے حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے کہ وہ جہت جس میں سے موقوف اور اس کی اصلاح، نیز اس کی کمزور ہوجانے والی عمارت کی اصلاح اور دوسرے تمام ضروری اخراجات پر وقف کی آمدنی سے خرچ کیا جائے گا، خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، اس لئے کہ وقف اللہ تعالی کی راہ میں صدقہ جاریہ ہے، اور وہ اس طریقہ کے بغیر جاری نہیں رہ سکے گا (۲)۔

مالکیہ نے کہا: اگر واقف اس کے علاوہ کوئی شرط لگائے، تو اس کی شرط باطل ہوگی (۳)۔

حنفیہ نے کہا: اگر اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش پر وقف کرے تو جس کو رہائش کا حق ہے، اس پر اپنے مال سے اصلاح واجب ہوگی اگرچہ وہ متعدد ہوں، آمدنی سے نہیں، اس لئے کہ غنم (فائدہ) کی وجہ سے غرم (تاوان وخرچ) ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ منفعت اس کو حاصل ہے تو خرچ بھی اسی پر ہوگا، لہذا اگر وہ اصلاح سے گریز کرے، یا اپنے فقر کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو، تو قاضی اسے اسی کو یا دوسرے کو کرایہ

---

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۹۔

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۲، الہدایہ مع الفتح ۶/ ۲۲۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۳، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۲- ۳۹۳۔

(۲) البدائع ۶/ ۲۲۱، الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۰، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۰۔

(۳) الخرشی ۷/ ۹۴۔

پر دے دے گا، اور وقف کی اصلاح کی طرح اس کی اصلاح کرایہ سے کرے گا، انکار کرنے والے کو اصلاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہی مالکیہ کا مذہب ہے (۱)۔

مالکیہ نے کہا: جنگ کے لئے وقف کردہ گھوڑے پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا، اس کا نفقہ نہ واقف پر لازم ہوگا، نہ موقوف علیہ پر، اگر بیت المال نہ ہو تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کے ثمن کے عوض ہتھیار وغیرہ ایسی چیز لی جائے گی جس میں نفقہ کی حاجت نہیں ہوتی ہے (۲)۔

شافعیہ وحنابلہ کا مذہب ہے کہ واقف کی شرط کی پیروی کی جائے گی۔

چنانچہ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ موقوف کا نفقہ اس کو تیار کرنے اور اصلاح کرنے کا خرچ وہاں سے ہوگا جہاں سے ہونے کی شرط لگائی گئی ہو، خواہ واقف نے اس کی شرط اپنے مال سے لگائی ہو، یا وقف کے مال سے، ورنہ موقوف کے منافع جیسے غلام کی کمائی اور زمین کی پیداوار سے ہوگا، اگر اس کے منافع معطل ہو جائیں، تو نفقہ اور تیار کرنے کے مصارف بیت المال سے ہوں گے، اصلاح کا خرچ نہیں، جیسے کہ کوئی شخص ایسے شخص کو آزاد کرے جس کی کوئی کمائی نہ ہو، اس وقت مطلق ملک کی طرح اصلاح کسی پر واجب نہ ہوگی، جانور کی جان بچانے اور اس کی حرمت کے سبب اس کا حکم اس کے برخلاف ہے (۳)۔

اسی کے مثل حنابلہ نے کہا ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے: موقوف پر خرچ کرنے کے بارے میں اس صورت میں واقف کی شرط پر عمل کیا جائے گا، جب کہ وہ جانور ہو، یا جانور کے علاوہ ہو، اور ویران ہو گیا ہو، بایں طور کہ وہ کہے: فلاں جہت سے اس پر خرچ کیا جائے گا، یا اس کی اصلاح کی جائے گی، اگر واقف اس کی آمدنی یا اس کے علاوہ سے اس پر خرچ کرنے کو متعین کردے، تو اس پر عمل کیا جائے گا، اگر اس کو متعین نہ کرے اور موقوف ذی روح ہو، جیسے غلام اور گھوڑا، تو اس پر اس کی آمدنی سے خرچ کیا جائے گا اگر اس کی آمدنی نہ ہو، تو اس کا نفقہ معین موقوف علیہ پر ہوگا، اگر اس کی عاجزی کی وجہ سے اس پر خرچ کرنا ناممکن ہو، تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کا ثمن کسی دوسرے عین میں لگا دیا جائے گا جو وقف ہوگا، اگر اس کو کرایہ پر دینا ممکن ہو، تو اس کے نفقہ کے بقدر اس کو کرایہ پر دے دیا جائے گا، اسی طرح اگر اللہ کی راہ میں کئے ہوئے کسی سرائے کو مرمت کی حاجت ہو، تو اسی کے بقدر اسے کرایہ پر دے دیا جائے گا۔

اگر وقف غیر معین جیسے مساکین پر ہو، تو اس کا نفقہ بیت المال سے ہوگا۔

اگر وقف زمین اور اس جیسی چیز جیسے ہتھیار اور سامان ہو تو اس کی اصلاح واقف کی شرط کے بغیر کسی پر واجب نہیں ہوگی (۱)۔

ج - وقف کی عمارت پر تعدی کا حکم:

۸۸ - فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص گرانے یا اس کے علاوہ کسی عمل کے ذریعہ وقف پر تعدی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، چنانچہ ابن عابدین نے البحر سے نقل کیا ہے کہ وقف کی آمدنی سے اصلاح کا ہونا اس صورت میں ہے جب کہ ضائع ہونا کسی کے عمل سے نہ ہو، اسی لئے الولوالجیہ میں ہے: اگر کوئی شخص وقف کا گھر کرایہ پر دے، اور کرایہ دار اس کے برآمدہ کو جانوروں کے باندھنے کی جگہ بنا دے، اور

(۱) البدائع ۶/ ۲۲۱، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۳۸۰، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۰۔

(۲) جواہر الاکلیل ۲/ ۲۰۹، اسہل المدارک ۳/ ۱۰۹، الخرشی ۷/ ۹۴۔

(۳) حاشیۃ الشبر املسی علی نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۷، اسنی المطالب ۲/ ۴۷۳۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۶۵-۲۶۶۔

اس کو ضائع کرے، تو ضامن ہوگا، اس لئے کہ یہ اجازت کے بغیر عمل ہے(۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر کوئی شخص تعدی کر کے کسی وقف کو منہدم کردے تو اس کو دوبارہ سابقہ حالت پر کرنا اس پر لازم ہوگا، اگرچہ منہدم (وقف) پرانا ہو، اس لئے کہ گرانے والا اپنی تعدی کی وجہ سے ظالم ہے، اور ظالم اس کا زیادہ حق دار ہے کہ بوجھ اسی پر لادا جائے، اور منہدم شدہ کی قیمت نہیں لی جائے گی، اور یہ جیسا کہ ابن لحاجب اور ابن شاس نے کہا ہے، راجح یہ ہے کہ: تمام تلف کردہ چیزوں کی طرح اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی، اس کو ابن عرفہ نے پسند کیا ہے، عیاض نے مشہور قرار دیا ہے، اور المدونہ کا ظاہر بھی یہی ہے(۲)۔

اسی کے مثل- یعنی تعدی کی وجہ سے ضمان کا ہونا- شافعیہ کا مذہب ہے مغنی المحتاج میں ہے: طلبہ علم پر وقف کی ہوئی کتابوں میں سے کوئی کتاب اگر تعدی کے بغیر ان میں سے کسی کے ہاتھ میں تلف ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا، اگر تعدی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، اس کو اس کے علاوہ میں استعمال کرنا جس میں اس کو وقف کیا گیا ہے تعدی میں داخل ہے(۳)۔

وقف کے مفاد کے لئے قرض لینا:

۸۹ - اگر موقوف کو تعمیر واصلاح کی حاجت ہو، یا اسے نفقہ کی حاجت ہو، اور آمدنی سے اتنا حاصل نہ ہو جو تعمیر اور اصلاح کی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہو، تو کیا اس سبب سے وقف کے ناظر کے لئے وقف پر قرض لینا جائز ہوگا؟ اور کیا اس کے متعلق اسے اجازت کی حاجت ہوگی یا نہیں؟

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۶ ۷ ۳۔
(۲) الشرح الکبیر وحاشیہ الدسوقی علیہ ۴/ ۹۲۔
(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۱۔

اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

مالکیہ حنابلہ اور ایک قول میں حنفیہ کا مذہب ہے کہ ناظر کے لئے حاکم کی اجازت کے بغیر وقف کے مفاد کے لئے قرض لینا جائز ہوگا جیسے نقد یا ادھار وقف کے لئے خریداری کرنا جیسے اس کے تمام تصرفات کا حکم ہے، اس لئے کہ ناظر امانت دار اور مطلق التصرف ہے، لہذا اجازت اور بھروسہ مندی دونوں موجود ہیں جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں۔

مالکیہ نے کہا: اگر وہ دیکھ بھال کی ذمہ داری لیتے وقت اس بات کا التزام کرے کہ اگر وقف کو ضرورت ہوگی تو وہ اس پر اپنے مال سے صرف کرے گا، تو یہ اس پر لازم نہیں ہوگا، اور جو کچھ صرف کرے گا اس کو واپس لینے کا حق ہوگا(۱)۔

شافعیہ کے نزدیک: واقف کی شرط، یا امام کی اجازت کے بغیر ناظر کے لئے قرض لینا جائز نہیں ہوگا، اور یہ جائز ہے کہ امام ناظر کو بیت المال سے قرض دے، یا قرض لینے یا واپس لینے کی شرط کے ساتھ اصلاح پر اپنے مال سے خرچ کرنے کی اجازت دے، اگر حاکم کی اجازت اور واقف کی شرط کے بغیر ناظر قرض لے گا، تو جائز نہیں ہوگا، اور اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے اسے واپس نہیں لے گا، اس لئے کہ اس نے تعدی کی ہے(۲)۔

معتمد قول میں حنفیہ کا مذہب ہے کہ وقف کے نام پر قرض لینا جائز نہیں ہوگا، الا یہ کہ وقف کی مصلحت کے لئے اس کی ضرورت ہو، جیسے اصلاح، بیج کی خریداری تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہوگا:

اول: قاضی کی اجازت- اگر وہ اس سے دور ہو تو خود سے قرض لے گا۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۹، مواہب الجلیل ۶/ ۴۰، کشاف القناع ۴/ ۲۶۷، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۹۔
(۲) روضۃ الطالبین ۵/ ۳۶۱، نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشبر املسی ۵/ ۳۹۷۔

دوم: سامانِ وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے صرف کرنا آسان نہ ہو۔

ابن عابدین نے ذکر کیا ہے: وقف کے نام پر قرض لینا اگر واقف کے حکم سے نہ ہو، تو جائز نہ ہوگا اس لئے کہ دین ابتداءً صرف ذمہ میں ثابت ہوتا ہے، اور وقف کا کوئی ذمہ نہیں ہوتا، اور فقراء کا ذمہ اگرچہ ہوتا ہے، لیکن ان کی کثرت کے سبب ان سے مطالبہ کرنے کا تصور نہیں ہے، لہذا وہ صرف متولی پر ثابت ہوگا، اور جو متولی پر واجب ہو اسے فقراء کی آمدنی سے ادا کرنے کا اختیار اس کو نہیں ہے، یہی قیاس کا تقاضا ہے، لیکن ضرورت کے وقت قیاس کو ترک کردیا گیا ہے، جیسا کہ ابو اللیث نے ذکر کیا ہے، اور یہی مختار ہے کہ اگر قرض لینے سے کوئی چارہ کار نہ ہو تو اگر قاضی متولی سے دور نہ ہو تو قاضی کے حکم سے جائز ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے مصالح میں قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے۔

لیکن جس سے کوئی چارہ کار ہو جیسے مستحقین پر صرف کرنا تو اس کے لئے قرض لینا جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ القنیہ میں ہے، سوائے اس کے جو امام، خطیب، اور مؤذن کو دیا جاتا ہے، اس لئے کہ جیسا کہ ظاہر ہے یہ مسجد کی مصالح کی ضرورت میں سے ہے، اسی طرح اگر قرض لینا چٹائی اور تیل کے لئے ہو اس لئے کہ راجح قول کے مطابق یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے۔

اگر قاضی کی اجازت ضروری ہو، اور متولی دعوی کرے کہ اس نے اجازت لی ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ اس کی بات کو بینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، اگرچہ متولی ایسا ہو جس کا قول قبول کیا جاتا ہو، اس لئے کہ وہ آمدنی سے وصول کرنا چاہے گا، اور اس کا قول صرف اس چیز کے بارے میں قبول کیا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے، اس لئے اگر واقعہ یہ ہو کہ اس نے اجازت نہ لی ہو، تو اس کے لئے آمدنی میں سے لینا حرام ہوگا، اس لئے کہ جب تک اجازت نہ پائی جائے، اسے تبرع سمجھا جائے گا (۱)۔

ابن عابدین نے کہا: جب وقف کی کوئی آمدنی ہو، اور متولی وقف کی اصلاح کے لئے خود اپنے مال سے خرچ کرے تو اسے اختیار ہوگا کہ وقف کی آمدنی میں سے اسے وصول کرے، لیکن فتاوی الحانوتی میں ہے کہ دیانۃً اس کو واپس لینے کا حق ہوگا، لیکن اگر اس کا دعوی کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ گواہ بنالے کہ اس نے واپس لینے کے لئے خرچ کیا ہے، ابن عابدین نے کہا: لیکن اس میں یہ قید لگانا واجب ہوگا کہ وقف کی کوئی آمدنی ہو، اگر اس کی کوئی آمدنی نہ ہو، تو قاضی کی اجازت ضروری ہوگی (۲)۔

دوم: موقوف کو فروخت کرنا، اور اس کو بدلنا:

۹۰ - اگر موقوف معطل ہوجائے، اور اس حال میں ہوجائے کہ اس سے انتفاع نہ ہوسکے، تو حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور ایک رائے میں شافعیہ نے اس کو فروخت کرنے اور اس کے ثمن کو اس کے مثل میں کردینے کی اجازت دی ہے۔

اگر موقوف معطل نہ ہوا ہو، تب بھی حنفیہ نے بیع اور استبدال کی اجازت دی ہے، لیکن خاص شرائط کے ساتھ۔

اسی طرح مالکیہ نے غیر منقول جائداد اور منقول کے درمیان فرق کیا ہے، یہ فی الجملہ ہے، اور ہر مذہب کی کچھ تفصیل ہے، جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک موقوف کا استبدال:

حنفیہ کے نزدیک استبدال کی تین صورتیں ہیں:

---

(۱) الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۹۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۲۰۔

پہلی صورت:

۹۱- واقف وقف کرتے وقت اپنے یا دوسرے کے لئے وقف کی زمین کو کسی دوسری زمین سے استبدال کی شرط لگا دے، اور اس صورت کے دو صیغے ہیں:

پہلا صیغہ: وہ کہے: میری یہ زمین اللہ تعالی کے لئے ہمیشہ کے لئے اس شرط پر صدقہ موقوفہ ہے کہ میں اسے بیچ دوں گا، اور اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدوں گا، تو یہ پہلی زمین کی شرائط کے ساتھ وقف ہوگی (۱)۔

اس صورت کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

امام ابو یوسف، ہلال اور خصاف کے نزدیک استحساناً وقف اور شرط دونوں جائز ہیں (۲)۔

یہی قول صحیح ہے جیسا کہ فتاوی قاضیخان میں ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو وقف کے حکم کو باطل نہیں کر رہی ہے، کیوں کہ وقف ان چیزوں میں سے ہے جس میں ایک زمین کا دوسری زمین سے بدلنے کا احتمال ہوتا ہے، اور دوسری زمین پہلی کے قائم مقام ہوگی، کیوں کہ اگر وقف کی زمین کو کوئی غاصب غصب کرے، اور اس پر پانی جاری کردے، یہاں تک کہ وہ سمندر بن جائے زراعت کے لائق نہ رہے، تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید دے گا، اور دوسری زمین پہلی کے شرائط کے مطابق وقف ہو جائے گی، اسی طرح اگر وقف کی زمین کی پیداوار (آمدنی) کسی آفت کی وجہ سے کم ہو جائے، اور اس طرح ہو جائے کہ زراعت کے لائق نہ رہے، یا اس کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ نہ ہو، تو وقف کی بھلائی اس کو دوسری زمین سے بدلنے میں ہوگی، تو واقف کا ولایت استبدال کی شرط لگانا صحیح ہوگا، اگرچہ فی الحال ضرورت اس کی متقاضی نہ ہو (۱)۔

امام محمد اور یوسف بن خالد سمتی نے کہا: وقف صحیح ہوگا، اور شرط باطل ہوگی، قیاس کا تقاضا یہی ہے (۲)۔

اور سرخسی نے امام محمد کی رائے کو کہ استبدال کی شرط کا فاسد ہونا وقف کے صحیح ہونے پر اثر انداز نہیں ہوگا، راجح قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: امام محمد کے نزدیک اور یہی اہل بصرہ کا بھی قول ہے وقف جائز ہوگا، اور شرط باطل ہوگی، اس لئے کہ یہ شرط اپنے زائل ہونے کی وجہ سے ممانعت کے بارے میں مؤخر نہیں ہے، اور وقف اس سے پورا ہو جائے گا، اور اس سے اصل وقف میں تابید کا معنی ختم نہیں ہوگا، لہذا وقف اپنے شرائط کے ساتھ پورا ہو جائے گا، اور استبدال شرط فاسد کے طور پر باقی رہے گا، لہذا شرط فی نفسہ باطل ہوگی، جیسے اگر مسجد میں استبدال کی شرط لگا دے، یا یہ شرط لگا دے کہ اس میں فلاں قوم نماز پڑھے گی دوسری قوم نماز نہیں پڑھے گی، تو شرط باطل ہوگی، اور مسجد بنانا صحیح ہوگا، تو یہ بھی اسی کے مثل ہوگا (۳)۔

بعض فقہاء حنفیہ نے کہا: وقف اور شرط دونوں فاسد ہیں (۴)۔

کمال بن الہمام نے انصاری سے نقل کیا ہے کہ شرط صحیح ہے، لیکن حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو فروخت نہیں کرے گا، حاکم کو چاہئے کہ اگر معاملہ اس کے پاس لایا جائے، اور وقف میں کوئی منفعت نہ ہو اور

---

(۱) الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۸۷، ۳۸۸، الاسعاف ر ۳۱۔

(۲) الاسعاف ر ۳۱، فتح القدیر ۶/۲۲۷۔

(۱) البحر الرائق ۵/۲۳۹، الاسعاف ر ۳۱، فتح القدیر ۶/۲۲۸، فتاوی قاضیخان بہامش الہندیہ ۳/۳۰۶۔

(۲) الاسعاف ر ۳۱، البحر الرائق ۵/۲۳۹، الہدایہ مع فتح القدیر ۶/۲۲۷، ۲۲۸۔

(۳) المبسوط ۱۲/۴۱-۴۲۔

(۴) الاسعاف ر ۳۱، فتاوی الخانیہ ۳/۳۰۶۔

وہ اہل وقف کے لئے اس کو زیادہ مناسب سمجھے تو فروخت کرنے کی اجازت دے دے (۱)۔

اگر واقف یہ شرط لگائے کہ وہ اسے بیچے گا، اور اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدے گا، اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے، تو یہ استحساناً صحیح ہے، اور دوسری زمین پہلی کے شرائط کے مطابق وقف ہوگی، اس کو وقف کرنے کی حاجت نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ زمین وقف کے لئے متعین ہوگئی ہے، لہذا حکم میں اس کا ثمن اس کے قائم مقام ہوگا، اور اس کی قیمت سے محض زمین خرید لینے سے وقف کی تجدید کئے بغیر وہ پہلی کے شرائط کے مطابق وقف ہوجائے گی۔

قیاس یہ ہے کہ وقف باطل ہو، اس لئے کہ پہلی کی جگہ دوسری زمین کو قائم کرنے کا ذکر اس نے نہیں کیا ہے (۲)۔

دوسرا صیغہ: اگر متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائے اپنے لئے اس کی شرط نہ لگائے، تو اسے اختیار ہوگا کہ خود سے استبدال کرے، اس لئے کہ دوسرے کو اس کی ولایت کا اختیار دینا خود اس کے مالک ہونے کی فرع ہے (۳)۔

اگر اپنے ساتھ دوسرے آدمی کے لئے استبدال کی شرط لگائے، تو واقف تنہا استبدال کا مالک ہوگا، وہ فلاں تنہا استبدال کا مالک نہیں ہوگا (۴)۔

ابن عابدین نے کہا: اگر اپنے لئے یا دوسرے کے لئے، یا اپنے لئے اور دوسرے دونوں کے لئے استبدال کی شرط لگائے، تو صحیح قول کے مطابق، اور ایک قول ہے کہ بالاتفاق استبدال جائز ہوگا۔

اگر اپنی زمین وقف کرے اور شرط لگائے کہ وہ کسی زمین سے اس کا استبدال کرے گا، تو اسے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اس کا استبدال کسی گھر سے کرے، اور اگر شرط لگائے کہ بدل گھر ہوگا، تو اس کا استبدال کسی زمین سے کرنا جائز نہ ہوگا، اور اگر کسی گاؤں کی زمین کی شرط لگائے، تو دوسرے گاؤں کے زمین سے استبدال نہیں کرے گا، اس لئے کہ خرچ اور آمدنی کے اعتبار سے گاؤں کی زمین مختلف ہوتی ہیں، لہذا شرط لازم ہوگی۔

اگر بدل میں کسی زمین یا گھر کی قید نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ اراضی کی جنس میں سے جس زمین، گھر، یا شہر سے چاہے استبدال کرے اس لئے کہ معاملہ مطلق ہے (۱)۔

اگر استبدال کی شرط لگائے، تو اسے اختیار نہیں ہوگا کہ دوسری زمین کا استبدال کسی تیسری زمین سے کرے، اس لئے کہ شرط صرف پہلی کے بارے میں موجود ہے، الا یہ کہ ایسی عبارت ذکر کرے جس سے یہ سمجھا جائے (۲)۔

استبدال کی شرط لگانے کی حالت میں استبدال جائز ہوگا، اگر چہ عین، آمدنی اور نفع والا ہو، ابن عابدین نے کہا: اگر واقف اپنے یا دوسرے کے لئے استبدال کی شرط لگائے، تو نہ تو وقف کا ناقابل انتفاع ہوجانا لازم ہوگا، نہ اس کو قاضی کو انجام دینا ضروری ہوگا نہ آمدنی کا معدوم ہونا لازم ہوگا جس سے اس کی اصلاح کی جاسکے (۳)۔

دوسری صورت:

۹۲- واقف وقف کے وقت استبدال کی شرط نہ لگائے، خواہ عدم استبدال کی شرط لگائے، یا خاموش رہے، لیکن وقف ایسا ہوجائے کہ اس سے انتفاع بالکل نہ ہو رہا ہو، اس طور پر کہ اس سے سرے سے کچھ

(۱) فتح القدیر ۶/ ۲۲۸۔
(۲) الاسعاف/ ۳۱، البحر الرائق ۵/ ۲۴۰، فتح القدیر ۶/ ۲۲۹۔
(۳) فتح القدیر ۶/ ۲۲۸۔
(۴) البحر الرائق ۵/ ۲۴۰، فتح القدیر ۶/ ۲۲۹۔

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۴۰، الاسعاف/ ۳۲، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۷۔
(۲) الدر المختار وابن عابدین ۳/ ۳۸۸، فتح القدیر ۶/ ۲۲۸۔
(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۸۔

حاصل نہ ہو رہا ہو، یا وہ اس کے خرچ کے برابر نہ ہو، تو اصح قول کے مطابق اس صورت میں استبدال اس وقت جائز ہوگا جب کہ وہ قاضی کی اجازت سے ہو، اور وہ اس میں مصلحت سمجھے(۱)۔

ابن عابدین نے البحر الرائق سے نقل کیا ہے کہ قاضی خان کے کلام میں اختلاف ہے، چنانچہ ایک جگہ انہوں نے واقف کی طرف سے کسی شرط کے بغیر قاضی کے لئے اس جگہ استبدال کو جائز قرار دیا ہے، جہاں وہ مصلحت سمجھے، اور دوسری جگہ انہوں نے اس سے منع کیا ہے، اگرچہ زمین اس حال میں ہو جائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو رہا ہو، اور معتمد قول یہ ہے کہ درج ذیل شرطوں کے ساتھ قاضی کیلئے استبدال جائز ہوگا:

الف-موقوف انتفاع سے بالکلیہ نکل جائے۔

ب-وہاں وقف کی کوئی آمدنی نہ ہو، جس سے اس کی اصلاح کی جاسکے۔

ج-بیع غبن فاحش (کھلے ہوئے نقصان) کے ساتھ نہ ہو۔

د-استبدال کرنے والا قاضیٔ جنت ہو جس کی تفسیر علم وعمل والے سے کی جاتی ہے، تاکہ مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرنے کا راستہ نہ پیدا ہو جائے، قاضی جنت وہی ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے: "**القضاة ثلاثة: واحد فی الجنة واثنان فی النار**"(۲) (قاضی تین ہیں: ان میں سے ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے)۔

ھ-بدل زمین ہو، دراہم ودنانیر نہ ہوں۔

و-اس کو نہ ایسے شخص سے بیچے جس کی شہادت اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی ہے، نہ ایسے شخص سے جس کا اس پر دین ہو۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۸۷۔

(۲) حدیث: "القضاة ثلاثة...." کی روایت ابوداؤد (۴/۵ طحمص) نے حضرت بریدہؓ سے کی ہے۔

ز-بدل اور مبدل ایک ہی جنس سے ہوں، اس لئے کہ الخانیہ میں ہے: اگر کسی گھر سے اس کے استبدال کی شرط لگائے، تو کسی زمین میں اس کا استبدال جائز نہ ہوگا نہ اس کا برعکس جائز ہوگا، ابن عابدین نے علامہ قنالی زادہ سے نقل کرتے ہوئے کہا: ظاہر یہ ہے کہ آمدنی کے لئے وقف کردہ میں اتحاد جنس کی شرط نہ ہو، اس لئے کہ اس میں دیکھی جانے والی چیز آمدنی کا زیادہ ہونا اور مرمت وخرچ کا کم ہونا ہے، اس لئے اگر دوکان کا استبدال ایسی زمین سے کرے جس میں زراعت کی جائے، اور دوکان کے کرایہ کے بقدر اس سے آمدنی حاصل ہو جائے، تو یہ بہتر ہوگا، اس لئے کہ زمین ہمیشہ رہنے والی، زیادہ باقی رہنے والی، اور مرمت اور اصلاح کی مشقت سے زیادہ بے نیاز کرنے والی ہوتی ہے، رہائش کے لئے وقف کردہ اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ واقف کی نیت سکونت کے ذریعہ انتفاع ہے۔

ح-القنیہ میں ہے: وقف کے گھر کا دوسرے گھر سے تبدیل کرنا، اسی وقت جائز ہوگا جب کہ وہ ایک ہی محلّہ میں یا دوسرے اچھے محلّہ میں ہو، اس کے برعکس جائز نہ ہوگا، اگرچہ ملکیت میں آنے والی چیز، رقبہ، قیمت اور کرایہ میں زیادہ ہو، اس لئے کہ دونوں محلوں میں سے گھٹیا میں اس کے گھٹیا ہونے اور اس میں کم رغبت ہونے کے سبب، اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے(۱)۔

البحر الرائق میں شرح منظومۃ ابن وہبان کے حوالہ سے ہے: اگر واقف عدم استبدال کی شرط لگا دے، یا متولی استبدال سے پہلے معزول کر دیا جائے، یا جب وہ استبدال کا عزم کرے، معزول ہو جائے، تو کیا اس کا استبدال جائز ہوگا؟ طرسوسی نے کہا: اس کے بارے میں کچھ منقول نہیں ہے، مذہب کے قواعد کا مقتضی یہ ہے کہ قاضی کو اس صورت میں استبدال کا اختیار ہوگا جب وہ استبدال میں

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۸۸، البحر الرائق ۵/۲۴۰، ۲۴۱، الاسعاف/۳۲۔

مصلحت سمجھے (۱)۔

البحر الرائق میں یہ بھی ہے: امام محمد سے منقول ہے: اگر موقوفہ زمین آمدنی سے کمزور پڑ جائے، اور متولی کو اس کے ثمن سے دوسری اس سے زیادہ آمدنی والی زمین مل جائے، تو اسے اختیار ہوگا کہ اس کو بیچ دے، اور اس کے ثمن سے اس سے زیادہ آمدنی والی زمین خریدے، پھر فرمایا: بعض مشائخ نے اس کے بیچنے کی اجازت نہیں دی ہے، وقف معطل ہوگیا ہو، یا معطل نہ ہوا ہو، اسی طرح وقف میں استبدال کی بھی اجازت نہیں دی ہے قاضیخان نے کہا: اگر وقف مرسل ہو، یعنی اس میں استبدال کی شرط کا ذکر نہ ہو، تو اس کو بیچنا، اور اس کا استبدال جائز نہیں ہوگا، اگر چہ وقف کی زمین ایسی بنجر ہو کہ اس سے انتفاع نہ ہوتا ہو، اس لئے کہ وقف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسا مؤبد ہو کہ اس کی بیع نہ کی جائے، استبدال کی ولایت صرف شرط سے ثابت ہوتی ہے، شرط کے بغیر ثابت نہیں ہوگی (۲)۔

تیسری صورت:

۹۳ - واقف استبدال کی شرط نہ لگائے، اور وقف کا کچھ فائدہ اور آمدنی ہو، وہ معطل نہ ہو، لیکن استبدال میں فی الجملہ نفع ہو، اور اس کا بدل نفع اور فائدہ میں اس سے بہتر ہو، ابن عابدین نے کہا: اصح اور مختار قول کے مطابق اس کا استبدال جائز نہیں ہوگا، علامہ قنالی زادہ نے ایسا ہی تحریر فرمایا ہے (۳)۔

پھر ابن عابدین نے الاشباہ سے نقل کیا ہے: چار مسائل کے علاوہ میں استبدال جائز نہ ہوگا:

اول: اگر واقف استبدال کی شرط لگائے ہو۔

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۴۱۔
(۲) البحر الرائق ۵/ ۲۲۳۔
(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۷۔

دوم: جب کوئی غاصب اس کو غصب کر لے اور اس پر پانی جاری کر دے، یہاں تک کہ وہ سمندر بن جائے، تو وہ قیمت کا ضمان دے گا، اور متولی اس کے بدلہ میں کوئی زمین خرید لے گا۔

سوم: غاصب اس کا انکار کرے اور کوئی بینہ موجود نہ ہو اور قیمت دینا چاہے تو متولی کو اختیار ہوگا کہ قیمت لے لے تا کہ اس سے دوسری زمین خرید لے۔

چہارم: کوئی انسان اس کے بارے میں ایسا بدل دینے کی رغبت ظاہر کرے، جو زیادہ آمدنی والا اور اچھی جگہ والا ہو، تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہوگا، اور فتوی اسی پر ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے، صاحب النہر نے کہا: قاری الہدایہ کا قول کہ: عمل امام ابو یوسف کے قول پر ہے، اس کے خلاف ہے جو صدر الشریعہ نے کہا ہے: ہم لوگ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی نہیں دیتے ہیں (۱)۔

مالکیہ کے نزدیک موقوف کا استبدال:

۹۴ - مالکیہ کے یہاں دوسری تفصیل ہے: اس لئے کہ وہ موقوف کو بیچنے، اور دوسرے سے اس کا استبدال کرنے میں غیر منقول اور منقول کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس صورت میں منقول میں استبدال کی اجازت دی ہے، جب کہ کوئی ایسی جہت موجود نہ ہو جس پر اس کو خرچ کیا جا سکے، اور اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا اس کے منافع معطل ہو جائیں، اور جس کے لئے اس کو وقف کیا گیا ہے اس میں اس سے انتفاع نہ ہو رہا ہو۔

الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی میں ہے: اللہ کی راہ جیسے جنگ اور سرحد پر وقف گھوڑے کا نفقہ بیت المال میں ہوگا، اور اگر بیت المال نہ ہو، تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کے عوض میں ہتھیار اور اس جیسی

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۸۹۔

چیز لی جائے گی جس میں نفقہ کی حاجت نہ ہو، اسی طرح ہر وہ وقف اراضی کے علاوہ بیچ دیا جائے گا، جس سے انتفاع نہ ہو رہا ہو۔ جیسے وہ گھوڑا جو کتا کاٹنے سے باولا ہو جائے یعنی کتا کاٹنے کی بیماری میں مبتلا ہو جائے، اور اس طرح ہو جائے کہ جس چیز میں اس کو وقف کیا گیا ہے، اس میں اس سے انتفاع نہ ہوتا ہو، یا جیسے کپڑا جو پرانا ہو جائے، یا غلام جو بوڑھا ہو جائے، یا کتابیں جو بوسیدہ ہو جائیں، اور جب ان کو بیچا جائے گا، تو اگر ممکن ہو تو اس کا ثمن اس کے مثل میں یا اگر کامل طور سے اس چیز کی خریداری ممکن نہ ہو تو اس کے کسی جزء میں کر دیا جائے گا، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ثمن صدقہ کر دے (۱)، جیسے کہ جنگ کے لئے وقف کئے ہوئے نر جانور ہوں، اور ان میں کچھ دودھ اور نسل حاصل کرنے سے زائد ہوں، اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور اس حال میں ہو جائیں کہ ان سے انتفاع نہ ہو رہا ہو، تو انہیں بیچ دیا جائے گا، اور ان سب کا ثمن مادہ جانوروں میں لگا دیا جائے گا تا کہ ان سے دودھ اور بچے حاصل کئے جائیں، تا کہ وقف ہمیشہ باقی رہے۔

دردیر نے کہا: یعنی اگر کوئی شخص چوپایوں میں سے کچھ کو وقف کرے، تا کہ ان کے دودھ، اون، اور بالوں، سے انتفاع کیا جائے، تو ان کی نسل وقف ہونے میں ان کی اصل کی طرح ہوگی، چنانچہ اس کی نسل میں سے جو نر جفتی (کی ضرورت) سے زائد ہوں، اور ان میں سے جو مادائیں بوڑھی ہو جائیں انہیں بیچ دیا جائے گا، اور ان کے عوض چھوٹے مادہ جانور لیے جائیں گے تا کہ پورا ہو، اور وہ اپنی اصل کی طرح وقف ہوں گے (۲)۔

مالکیہ کے نزدیک راجح مذہب یہ ہے کہ اراضی کو بیچنا جائز نہیں ہے، اگر چہ وہ ویران ہو جائے، اور اس حال میں ہو جائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو رہا ہو، اور خواہ وہ گھر، دوکان، یا کوئی دوسری چیز ہو، اسی طرح اسی کے مثل غیر ویران سے ان کا استبدال بھی جائز نہیں ہے، امام مالک نے کہا: وقف کی ہوئی اراضی فروخت نہیں کی جائے گی، اگر چہ ویران ہو جائے، گھوم پھر کر سلف کے اوقاف کا باقی رہنا اس کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے، لیکن ابوالفرج نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام اگر کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی بیع کو مناسب سمجھے تو جائز ہوگا، اور اس کا ثمن اسی کے مثل میں لگا دیا جائے گا (۱)۔

اسی طرح بعض مالکیہ نے ویران اراضی کے استبدال کی اجازت دی ہے، چنانچہ التاج والاکلیل میں ہے: وقف کی زمین میں سے جو ویران ہو جائے، اس کی بیع مطلقاً ممنوع ہوگی، ابن الجہم نے کہا: ویران ہونے کی صورت میں موقوف زمین کو نہیں بیچا جائے گا، اس لئے کہ چند سالوں کے لئے اسے اجارہ پر دے کر ایسا شخص مل جائے گا جو اس کو درست کر دے، اور جیسے تھی اسی طرح ہو جائے، اور ویران زمین کے غیر ویران زمین سے تبادلہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ابن رشد نے کہا: وقف کردہ زمین کے اس پلاٹ کی منفعت اگر مکمل طور پر ختم ہو گئی ہو، اور وہ اس کی اصلاح اور اس کو کرایہ پر دینے سے عاجز ہو، تو ایسی جگہ میں اس کا تبادلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو اس کی جگہ وقف ہو جائے، اور یہ قاضی کے حکم سے اس سبب کے ثابت ہو جانے، اور اس بابت معوض عنہ کے لئے رغبت ثابت ہو جانے کے بعد ہوگا، اور اس کا اندراج کیا جائے گا، اور اس کے گواہ بنائے جائیں گے (۲)۔

مالکیہ نے جامع مسجد کی توسیع کی ضرورت سے اراضی بیچنے کی اجازت دی ہے، خواہ یہ وقف معین لوگوں پر ہو، یا غیر معین لوگوں پر،

---

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۷، الدسوقی ۴/ ۹۰-۹۱۔
(۲) الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۷، ۳۰۸، الدسوقی ۴/ ۹۱۔

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۸، الدسوقی ۴/ ۹۱۔
(۲) التاج والاکلیل ۶/ ۴۲۔

اور جامع مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہو، ابن رشد نے کہا: ابن القاسم کے سماع کا ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر مسجد میں جائز ہوگا، اور یہی سحنون کا قول ہے، النوادر میں امام مالک، اخوین، اصبغ اور ابن عبدالحکم کے حوالہ سے ہے کہ یہ جامع مسجدوں میں ہوگا، بشرطیکہ اس کی حاجت ہو، جماعت کی مسجدوں میں نہیں اس لئے کہ ان میں جامع مسجدوں کی طرح ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح کسی قبرستان، یا لوگوں کے گزرنے کے راستہ کی توسیع کے لئے بھی وقف کو بیچنا جائز ہے، چنانچہ اس کے لئے وقف کو بیچنا جائز ہوگا، اگرچہ مستحقین یا ناظر پر جبر کرکے ہو، اور مستحقین کو لازمی طور پر اس کا ثمن اس کے علاوہ دوسرے وقف میں لگانے کا حکم دیا جائے گا، حاکم اس کے علاوہ وقف میں لگانے پر ان کو مجبور نہیں کرے گا، یعنی ان کے خلاف اس کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

الشرح الصغیر میں ہے کہ جن اراضی سے مسجد کی توسیع کی جائے گی، اگر وہ معین پر وقف ہوں تو ان کا ثمن دیا جائے گا، لیکن جو غیر معین جیسے فقراء پر وقف ہو، تو اس کا معاوضہ یعنی اس میں ثمن کا دینا لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ غیر معین پر ہو، تو اس سے کسی معین کا حق متعلق نہیں ہوگا، اگر وہ مسجد میں داخل ہوجائے، تو واقف کو جو ثواب حاصل ہوگا وہ اس سے بڑھ کر ہوگا جس کے لئے اس نے اولاً وقف کرنے کا قصد کیا تھا(۱)۔

مالکیہ نے کہا: اگر واقف تغییر وتبدیل کی شرط لگادے، تو اس پر عمل کیا جائے گا، النوادر اور المتیطیہ وغیرہ میں ہے: واقف اگر اپنے وقف میں شرط لگادے کہ اگر اس میں وہاں رغبت یعنی ایسا ثمن جس کی طرف رغبت ہو پائی جائے، تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور دوسرے کو خرید لیا جائے گا، تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر واقع ہوجائے تو

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۸، الدسوقی ۴/ ۹۱-۹۲۔

بیع نافذ ہوگی، اور اس کی شرط پر عمل کیا جائے گا(۱)۔

فتح العلی المالک میں ہے: کسی کارخیر پر وقف کردہ زمین مسلمانوں کے راستہ میں ہو، جس کا وقف کرنے والا شرط لگادے کہ اسے نہ بیچا جائے، نہ دوسری سے اس کا تبادلہ کیا جائے، پھر کارخیر کا نگران دیوان کی زمینوں میں سے کسی دوسری زمین سے اس زمین کا تبادلہ کرلے، اس طور پر کہ وقف کی زمین کسی کسان کو دے دے، اور اس سے دیوان کی زمینوں میں سے کوئی زمین لے لے، ناظر وقف کے مصارف اور کسان وہ خراج جو اس پر ہے ادا کرنے لگے، دردیر نے کہا: جہاں واقف نے عدم استبدال کی شرط لگائی ہو، اور مطلق رکھا ہو، وہاں ناظر کی طرف سے کیا جانے والا مبادلہ باطل ہوگا، ناظر پر دیوان کی زمین اس کے مالک کو واپس کرنا اور بعینہ وقف کی زمین واپس لینا واجب ہوگا، جو گریز کرے گا اس کو زجر کرنا حاکم پر واجب ہوگا(۲)۔

شافعیہ کے نزدیک موقوف کا استبدال:

۹۵ - شافعیہ کے نزدیک استبدال کے بارے میں کچھ تفصیل ہے:

المہذب میں ہے: اگر کوئی مسجد وقف کرے اور وہ جگہ ویران ہوجائے، اور اس میں نماز بند ہوجائے، تو وہ دوبارہ ملک میں نہیں لوٹے گی، اور اس کے لئے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس میں اللہ تعالی کے حق کے لئے ملکیت زائل ہوجائے، وہ خلل پیدا ہوجانے کے سبب ملک میں نہیں لوٹتی ہے، جیسے اگر وہ کوئی غلام آزاد کردے پھر وہ معذور واپاہج ہوجائے۔

شربینی نے کہا: اصح قول ہے کہ مسجد کی موقوفہ چٹائیاں اگر بوسیدہ ہوجائیں، اور اس کی شہتیرا اگر ٹوٹ جائیں، یا اس کے قریب ہوجائیں

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۷، مواہب الجلیل ۶/ ۳۳۔
(۲) فتح العلی المالک ۲/ ۲۴۳۔

جیسا کہ "الروضہ" میں ہے اور جلانے کے علاوہ کسی کام کے لائق نہ ہوں تو ان کی بیع جائز ہے تا کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں، اور بغیر کسی فائدہ کے ان سے جگہ تنگ نہ ہو، اس کے ثمن کا معمولی حصہ حاصل کر لینا جو وقف کی طرف لوٹ آئے، اس کے ضائع ہو جانے سے بہتر ہے، اور اس کی وجہ سے وہ وقف کی بیع میں داخل نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہو گئے ہیں، اس کو شیخین نے اختیار کیا ہے، اور یہی معتمد قول ہے، اس لئے اس کا ثمن مسجد کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، رافعی نے کہا: اور قیاس یہ ہے کہ چٹائی کے ثمن سے چٹائی خریدی جائے کوئی دوسری چیز نہ خریدی جائے۔

انہوں نے کہا: اشبہ یہ ہے کہ ان حضرات کی مراد یہی ہے، اگر یہ ممکن ہو تو یہی ظاہر ہے، ورنہ پہلا قول قابل عمل ہوگا، اس کے بارے میں چٹائیوں ہی کی طرح لکڑی کے تراشے اور کعبہ کے پردے ہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی نفع اور خوبصورتی باقی نہ رہے۔ دوم: مذکورہ چیزیں فروخت نہیں کی جائیں گی تا کہ وقف اس کے عین میں ہمیشہ باقی رہے، نیز اس لئے کہ اس سے چونا یا اینٹ پکانے میں انتفاع کرنا ممکن ہے۔

سبکی نے کہا: اور کبھی شہتیر کا کوئی ٹکڑا اینٹ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور کبھی تراشے مٹی کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، اور اس میں ملا دیئے جاتے ہیں، اذرعی نے کہا: غالباً انہوں نے اس بھوسے کا قائم مقام مراد لیا ہے جسے گارے میں ملایا جاتا ہے، متاخرین کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

مسجد کے لئے ہبہ کی ہوئی یا خریدی ہوئی چٹائیاں ضرورت کی وجہ سے فروخت کی جائیں گی۔

شہتیر اور اس کی مشابہ چیزیں اگر جلانے کے علاوہ کے لائق ہوں، اس طور پر کہ اس سے تختے اور دروازے بنانا ممکن ہو تو ان کو قطعی طور پر نہیں بیچا جائے گا۔

اگر مسجد کے گر جانے کا اندیشہ ہو جیسے وہ گرنے کی طرف مائل ہو تو اسے توڑ دیا جائے گا اور حاکم اس کے ملبہ سے اگر مناسب سمجھے گا تو دوسری مسجد بنائے گا، ورنہ اس کو محفوظ کر دے گا، اور اس کو اسی کے قریب تعمیر کرنا بہتر ہوگا، اور اس سے کنواں نہیں بنائے گا، اسی طرح ویران ہو جانے والے کنواں کے ملبہ سے کوئی مسجد نہیں بنائے گا، بلکہ دوسرا کنواں بنائے گا تا کہ ممکن حد تک واقف کی غرض کی رعایت ہو سکے اگر کسی پل پر وقف کرے اور وادی سوکھ جائے پل بیکار ہو جائے اور کسی دوسرے پل کی ضرورت ہو تو اس کو ضرورت کی جگہ تک منتقل کرنا جائز ہے، سرحد یعنی ہمارے ملک کا وہ کنارہ جو کفار کے ملک سے متصل ہو اس کنارہ کے وقف کی آمدنی کو اگر اس میں امن حاصل ہو جائے، ناظر محفوظ رکھے گا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دوبارہ (پرخطر) سرحد ہو جائے(۱)۔

اگر کوئی شخص کھجور کا درخت وقف کرے، اور وہ سوکھ جائے، یا جانور وقف کرے اور وہ معذور ہو جائے یا مسجد پر کچھ شہتیر وقف کرے، اور وہ لوٹ جائیں تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں:

اول: اس کی بیع اس وجہ سے جائز نہیں ہوگی جس کا ذکر ہم نے مسجد کے سلسلہ میں کیا ہے، اور وہی اصح قول ہے۔

دوم: جو کہ اصح کا مقابل قول ہے اس کی بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ اس کی منفعت کی امید نہیں ہے، لہذا اس کو فروخت کر دینا اس کو چھوڑ دینے سے بہتر ہوگا، برخلاف مسجد کے، اس لئے کہ مسجد میں اس کے ویران ہونے کے باوجود نماز پڑھنا ممکن ہے کہ جگہ آباد ہو جائے اور اس میں نماز پڑھی جائے اگر ہم کہیں: اسے بیچ دیا جائے گا تو اس کے ثمن کا حکم اس قیمت کے حکم جیسا ہوگا جو وقف کو تلف کرنے والے

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۲۔

سے حاصل ہوتی ہے۔

اصحاب میں سے بعض نے کہا: اگر ہم یہ کہیں: کہتے ہیں کہ: موقوف کی ذات میں ملکیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے یہ اظہر کے مقابل قول ہے تو اس کا ثمن موقوف علیہ کو ملے گا، اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت کا بدل ہے، اگر ہم کہیں کہ: ملکیت اللہ تعالی کی ہے یہی اظہر قول ہے تو اس سے اس کا مثل خریدا جائے گا، تا کہ وہ اس کی جگہ وقف ہوجائے شیخ ابوحامد اسفرائینی نے کہا: اس سے اس کا مثل خریدا جائے گا، تا کہ وہ اس کی جگہ وقف ہوجائے ایک ہی قول ہے (۱)۔

حنابلہ کے نزدیک موقوف کا استبدال:

۹۶ - حنابلہ کے نزدیک اگر وقف اس غرض کے لائق نہ ہو جس کے لئے اسے وقف کیا گیا ہے، اور وہ دوبارہ انتفاع کے لائق نہ ہو سکے تو اس کا استبدال جائز ہوگا خواہ موقوف منقول ہو یا غیر منقول ہو مسجد ہو یا اس کے علاوہ ہو۔

انہوں نے کہا: وقف کا بیچنا حرام ہوگا، صحیح نہیں ہوگا، اور اس کو بدلنا بھی صحیح نہیں ہوگا، اگر چہ اس سے بہتر سے ہو اس کی صراحت ہے، الا یہ کہ اس کے مقصود منافع ویرانی کی وجہ سے بند ہو گئے ہوں، اور وقف کی آمدنی میں اتنا نہ پایا جائے، جس سے اس کی اصلاح کی جا سکے تو اسے بیچ دیا جائے گا، یا اس کے مقصود منافع ویرانی کے بغیر بند ہوجائیں، جیسے وہ لکڑی جو بکھر جائے، اور اس کے گرنے کا اندیشہ ہوجائے، اس کی صراحت ہے اگر وقف کوئی مسجد ہو، اور اس کا مقصود نفع مسجد والوں پر اس کے تنگ ہوجانے کے سبب ختم ہوجائے، اور اس کی توسیع ناممکن ہو یا اس کے محلّہ کے ویران ہوجانے کی وجہ سے اس سے انتفاع ناممکن ہوجائے، یا وہ جگہ گندی ہو، تو قاضی نے کہا: یعنی اگر یہ اس میں نماز پڑھنے سے مانع ہوجائے تو اس کی بیع صحیح ہوگی، اور اس کا ثمن اس کے مثل میں صرف کیا جائے گا، اس لئے کہ اضاعت مال سے منع کیا گیا ہے، اس کو اسی طرح باقی رکھنا اس کو ضائع کرنا ہے، لہذا بیع کے ذریعہ اس کی حفاظت کرنا واجب ہوگا، نیز اس لئے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، تو جب بعینہ اس کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھنا ممکن نہیں رہے گا تو ہم غرض کو یعنی ہمیشہ کے لئے انتفاع کو دوسرے عین میں باقی رکھیں گے، اور بدلوں کا اتصال اعیان کے قائم مقام ہوتا ہے، عین کے معطل ہوجانے کے باوجود اس پر جمود غرض کا ضائع کرنا ہے (۱)۔

وقف کردہ خشک درخت کو بیچنا وقف کردہ ٹوٹی ہوئی شہتیر یا جو پرانی ہوگئی ہو، یا ٹوٹنے یا منہدم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو فروخت کرنا صحیح ہے، التلخیص میں ہے: اگر وقف کی شہتیر ٹوٹنے کے قریب ہو یا اس کا گھر منہدم ہونے کے قریب ہو اور یقین ہوجائے کہ اگر اس میں تاخیر کی جائے گی تو قابل انتفاع نہیں رہ جائے گا، تو مالیت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو بیچ دیا جائے گا، اور فی سبیل اللہ کئے ہوئے مدارس رباط اور سرائے وغیرہ کے ویران ہوجانے کی صورت میں ان کی بیع کرنا جائز ہے ایک ہی قول ہے (۲)۔

جنگ کے لئے وقف کیا ہوا گھوڑا اگر جنگ کے لائق نہ رہے، تو اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کے ثمن سے جنگ کے لائق کوئی گھوڑا خرید لیا جائے گا، ابو داؤد کی روایت میں ہے: وقف کئے ہوئے جانوروں میں سے جو لاغر ہوجائے، اس سے انتفاع نہ ہو رہا ہو تو اسے بیچ دیا جائے گا، پھر اس کا ثمن کسی وقف میں لگا دیا جائے گا، اور محض بدل کی خریداری سے بدل وقف ہوجائے گا (۳)۔

---

(۱) المہذب ۱/ ۴۵۰، ۴۵۲، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۱، ۳۹۱-۳۹۲۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۱۴-۵۱۵، کشاف القناع ۴/ ۲۹۲۔

(۲) کشاف القناع ۴/ ۲۹۳۔

(۳) کشاف القناع ۴/ ۲۹۴-۲۹۵۔

اسی طرح ان حضرات نے فرمایا: جس کے منافع معطل ہوجائیں، اس کو فروخت کر دینا واجب ہوگا اگر واقف اس کو نہ بیچنے کی شرط لگائے، تو اس کی شرط فاسد ہوگی، اگر وقف بھلائی کی راہ میں ہو، جیسے مساکین، مساجد، اور پل وغیرہ میں ہوتو موقوف کوفروخت کرنے کا ذمہ دار جہاں فروخت کرنا جائز ہو حاکم ہوگا، اس لئے کہ یہ ایک ایسے لازم عقد کو فسخ کرنا ہے، جس میں قوی اختلاف ہے، لہذا وہ دوسرے مختلف فیہ فسخ کے معاملات کی طرح حاکم پر موقوف ہوگا، اور اگر وقف کسی معین شخص، یا معین جماعت، یا اس مسجد میں امامت کرنے والے، یا اذان دینے والے، یا (اس کی) ذمہ داریاں انجام دینے والے وغیرہ پر ہو، تو اس کی بیع کا ذمہ دار اس کا مخصوص متولی ہوگا، اور احتیاط یہ ہے کہ حاکم کی اجازت کے بغیر یہ نہ کرے، اس لئے کہ یہ ان لوگوں کے خلاف بیع ہے، جن کی طرف اس وقت موجود لوگوں کے بعد وہ عنقریب منتقل ہوگا، تو یہ غائب کے خلاف بیع سے مشابہ ہے، وقف کی جہت کے لئے محض بدل کی خریداری سے وہ وقف ہوجائے گا، اور احتیاط یہ ہے کہ نئے صیغہ سے اس کو وقف کیا جائے، تاکہ جس کی رائے ہے کہ وہ محض خریداری سے وقف نہیں ہوگا، وہ اس کے بعد اس کو توڑ نہ دے(۱)۔

سوم: وقف کا واقف کی ملکیت میں لوٹ آنا:

۹۷- حنفیہ میں سے محمد بن الحسن کا مذہب ہے کہ اگر مسجد کا ارد گرد جو ہے وہ ویران ہوجائے، مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے، اگر چہ وہ آباد باقی رہے، اسی طرح اگر مسجد ویران ہوجائے، اور اس کے پاس اتنا نہ ہو جس سے اس کی اصلاح کی جا سکے، اور دوسری مسجد کی تعمیر کی وجہ سے لوگوں کو اس کی حاجت نہ رہے تو، اگر تعمیر کرنے والا زندہ ہو تو اس کی ملکیت میں، اور اگر مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کی ملکیت میں لوٹ آئے گی اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، اور اس کی علت امام محمد نے یہ بیان کی ہے کہ واقف نے وقف کو ایک خاص قسم کی قربت کے لئے متعین کیا ہے، اور وہ عبادت ختم ہو چکی ہے، لہذا وقف بھی ختم ہو جائے گا، مسجد کی چٹائی اور گھاس کی طرح ہوجائے گی جس کی ضرورت نہ ہو، اس کے چراغ کی طرح ہو جائے گی جب کہ مسجد ویران ہوجائے، کہ وہ اس کے دینے والے کی ملکیت میں لوٹ آئے گا، اور جیسا کہ اگر مردے کو کفن پہنائے، اور اس میت کو کوئی درندہ پھاڑ کھائے، تو کفن اس کے مالک کی ملکیت میں لوٹ آئے گا، اور جیسے کہ احصار کی ہدی جب کہ احصار زائل ہو جائے، اور وہ حج کو پالے، تو اسے اختیار ہوگا کہ اس ہدی کے ساتھ جو چاہے کرے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اسے قاضی کی اجازت سے دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے گا، اس کا ملبہ قاضی کی اجازت سے بیچ دیا جائے گا، اور اس کا ثمن کسی مسجد میں لگا دیا جائے گا۔

امام محمد اور امام ابو یوسف کے درمیان اختلاف سے یہ جزئیہ نکلتا ہے کہ اگر وقف منہدم ہوجائے، اور اس کی کوئی آمدنی نہ ہو جس سے اس کی تعمیر کی جا سکے، تو وہ امام محمد کے نزدیک بانی (تعمیر کرنے والے) یا اس کے ورثہ کے پاس لوٹ آئے گا، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، لیکن امام محمد کے نزدیک اس کی ملکیت میں صرف وہ چیز لوٹے گی جو واقف کے مقصود انتفاع سے بالکل نکل جائے، جیسے کوئی دوکان جو جل جائے، اور کسی بھی چیز کے بدلہ اسے کرایہ پر نہ لیا جائے، کسی محلّہ کا رباط اور حوض جو ویران ہو جائے، اور اس کے پاس اتنا نہ ہو جس سے اس کو آباد کیا جائے۔

لیکن جو وقف آمدنی کے لئے تیار حالت میں ہو، تو اس کے ملبہ کے علاوہ کچھ بھی ملکیت کی طرف واپس نہ ہوگا، اس کی زمین وقف

---

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۱۵، ۵۱۶۔

باقی رہے گی، جو اجارہ پر دی جائے گی، اگرچہ تھوڑی چیز کے بدلہ میں ہو۔

الخلاصہ میں ہے: امام محمد نے گھوڑے کے بارے میں فرمایا: اگر اسے اللہ کے راستہ میں وقف کردے، اور وہ ایسا ہوجائے کہ اس پر سواری نہ کی جاسکے: اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کا ثمن اس کے مالک یا ورثہ کو دے دیا جائے گا، جیسا کہ مسجد میں ہوتا ہے(۱)۔

اصح کے مقابل قول میں شافعیہ نے کہا: اگر موقوف کی منفعت کسی ناقابل ضمان سبب سے معطل ہوجائے، جیسے درخت سوکھ جائے، یا اس کو آندھی یا سیلاب وغیرہ اکھاڑ پھینکے، اور اس کے لگائے جانے کی جگہ میں اس کے سوکھنے سے پہلے اس کو دوبارہ لگانا ممکن نہ ہو، تو وقف ختم ہوجائے گا، اور وہ واقف یا اس کے وارث کی ملکیت میں لوٹ جائے گا۔

لیکن ان کے نزدیک اصح قول میں ملکیت میں واپس نہیں ہوگا، بلکہ وقف رہے گا، اور حنابلہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے(۲)۔

وقف پر نظر رکھنا:

۹۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقف کی نگرانی کے بارے میں واقف کی شرط کی پیروی کی جائے گی، لہذا اگر وہ نگرانی کسی معین شخص کے لئے کردے، تو اس کی شرط کی پیروی کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنا وقف اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے حوالہ کر دیا کہ جب تک زندہ رہیں گی، اس کی ذمہ دار رہیں گی، پھر ان کے گھر والوں میں سے اہل الرای کے پاس (ذمہ داری جائے گی)(۳)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۷۱۳، الہدایہ مع فتح القدیر ۶/۲۳۶-۲۳۷۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۳۹۱، الروضہ ۵/۳۵۶، کشاف القناع ۴/۲۹۶-۲۹۷۔

(۳) اثر: "جعل وقف عمر إلى ابنته حفصة" کی روایت بیہقی نے السنن الکبری (۶/۱۶۱) میں کی ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: نیز اس لئے کہ وقف کے مصرف میں واقف کی شرط کی پیروی کی جاتی ہے، تو اسی طرح اس کے ناظر میں (بھی پیروی کی جائے گی)(۱)۔

لیکن اگر واقف اپنی نگرانی کی شرط لگادے تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ جائز ہوگا(۲)۔

مالکیہ کی رائے ہے: اگر موقوف علیہ وقف پر قبضہ نہ کرے، تو اگر واقف مر جائے یا بیمار ہو جائے یا مفلس ہوجائے تو وقف باطل ہوجائے گا۔

لیکن اگر موقوف علیہ وقف پر قبضہ کرلے، اور اپنے لئے نگرانی کی شرط لگا لی ہو، تو وقف صحیح ہوگا، اور واقف کو مجبور کیا جائے گا کہ نگرانی دوسرے کے لئے کردے، کیونکہ واقف کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ نگرانی اپنے لئے رکھے(۳)۔

اگر واقف وقف پر کسی ناظر کی شرط نہ لگائے، بایں طور کہ اس کو چھوڑ دے، تو اس کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

چنانچہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر وقف غیر معین جیسے فقراء مساکین اور مساجد پر ہو تو حاکم جس کو چاہے گا اس کا متولی بنادے گا، اس لئے کہ حاکم کے لئے خود سے نگرانی کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر وقف کسی سمجھدار معین پر ہو تو وہی وقف کا متولی ہوگا۔

ابن قدامہ نے کہا: اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت ہے، اور اس کا نفع

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۴۰۹، فتح القدیر ۶/۲۳۰-۲۳۱، حاشیۃ الدسوقی ۴/۸۸، الخرشی ۷/۹۲، مغنی المحتاج ۲/۳۹۳، المہذب ۱/۴۵۲، المغنی ۵/۶۴۶-۶۴۷۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/۳۸۴، فتح القدیر ۶/۲۳۰-۲۳۱، مغنی المحتاج ۲/۳۹۳، المغنی ۵/۶۴۷۔

(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/۸۱، الحطاب ۶/۲۵، الخرشی ۷/۸۴، الزرقانی ۷/۹۷، منح الجلیل ۴/۷۴۔

اسی کے لئے ہے، تو اس پر اس کی نگرانی اس کے ملک مطلق کی طرح ہوگی۔

اگر غیر سمجھدار ہو، تو وقف کا متولی اس کا ولی ہوگا، اور حنابلہ کے نزدیک ایک احتمال جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے یہ ہے کہ اس میں نگرانی حاکم کرے گا، اور یہ ابن ابوموسیٰ کے نزدیک مختار ہے(۱)۔

حنفیہ کے اقوال: مختلف ہیں، چنانچہ امام ابو یوسف اور ہلال کے نزدیک یہی ظاہر مذہب ہے ولایت واقف کی ہوگی، پھر اگر اس کا وصی ہو تو اس کی ورنہ حاکم کی ہوگی اس لئے کہ متولی کو واقف کی جانب سے اس کی شرط کے ذریعہ ولایت حاصل ہوتی ہے، تو یہ محال ہے کہ اس کو ولایت نہ ہو، اور دوسرا اس سے ولایت حاصل کرے، نیز اس لئے کہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اس وقف سے زیادہ قریب ہے لہذا وہ اس کی ولایت کے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔

امام محمد کے نزدیک ولایت واقف کے لئے نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ اس کی شرط نہ لگالے، اس لئے کہ ان کی اصل یہ ہے کہ متولی کو سپرد کرنا وقف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، لہذا جب وہ حوالہ کردے گا، تو اس میں اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی (۲)۔

اگر واقف مرجائے، اور وہ اس کی ولایت کسی کے لئے نہ کرے، تو قاضی اس کے لئے متولی مقرر کرے گا، اور جب تک وقف کرنے والے کے گھر والوں میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس کے لائق ہو، اس وقت تک دوسرے کو نہیں بنائے گا، یا تو اس لئے کہ وہ زیادہ شفیق ہوگا، یا اس لئے کہ واقف کا ایک مقصد وقف کی نسبت اپنی طرف کرنا ہے، اگر موجود نہ ہو تو اجانب میں سے جو اس کے لائق ہو (اس کو بنادے گا) (۳)۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، الخرشی ۷/ ۹۲، المغنی ۵/ ۶۴۷۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۸۴، فتح القدیر ۶/ ۲۳۱۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۳/ ۴۱۰، ۴۱۱، الاسعاف / ۵۰۔

شافعیہ کے نزدیک اگر واقف کسی کے لئے نگرانی کی شرط نہ لگائے تو راجح مذہب کے مطابق نگرانی قاضی کی ہوگی، اس لئے کہ اس کو عام نگرانی حاصل ہے، لہذا اس کی نگرانی کے لئے وہ زیادہ بہتر ہوگا، نیز اس لئے کہ وقف میں ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک دوسری رائے: نگرانی واقف کے حوالہ ہوگی، اس لئے کہ نگرانی اسی کی تھی، لہذا اگر اس کی شرط نہ لگائے، تو وہ اسی کی نگرانی میں باقی رہے گا۔

سوم: وہ موقوف علیہ کی ہوگی، اس لئے کہ آمدنی اسی کے لئے ہے، لہذا نگرانی بھی اسی کی ہوگی (۲)۔

وقف کے ناظر میں کیا شرط ہے:

فقہاء نے وقف کی نگرانی کرنے والے کی لیاقت کے لئے چند شرطیں لگائی ہیں، ان میں سے کچھ ان کے مابین متفق علیہ ہیں، اور کچھ مختلف فیہ ہیں، اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

پہلی شرط: مکلّف ہونا:

۹۹ - اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقف کے ناظر میں بالغ عاقل ہونا شرط ہے، لہذا بچہ اور مجنون کو متولی بنانا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے ان دونوں میں اہلیت نہیں ہے یہ فی الجملہ ہے (۳)۔

فقہاء کے درمیان کچھ تفصیل ہے:

چنانچہ مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر واقف کسی معین ناظر کی شرط

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۹ - ۳۹۳۔

(۲) المہذب ۱/ ۴۵۲۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۵، البحر الرائق ۵/ ۲۴۴، فتح القدیر ۶/ ۲۴۲، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۴۷، کشاف القناع ۴/ ۲۷۰۔

نہ لگائے، اور موقوف علیہ معین ہو جیسے زید وعمرو، تو وہ خود وقف کے امور کی ذمہ داری سنبھالے گا، اور اس کا متولی ہوگا، اگر موقوف علیہ نابالغ یا مجنون ہو تو اس کا ولی نگرانی میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

مالکیہ نے کہا: کسی معین ناظر کو خاص کرنے سے متعلق واقف کی شرط کی پیروی کی جائے گی، اگر واقف ناظر معین نہ کرے، اور مستحق معین اور رشید (سمجھدار) ہو، تو وقف کے امور کا وہی متولی ہوگا، اگر وہ رشید نہ ہو تو اس کا ولی ہوگا، اگر مستحق غیر معین ہو، جیسے فقراء تو حاکم جسے چاہے گا، اس کو اس کا متولی مقرر کردے گا(۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر موقوف علیہ معین آدمی یا محدود جماعت ہو، جیسے اس کی اولاد یا زید کی اولاد تو موقوفہ عین میں ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جائے گی، اور اس کی نگرانی موقوف علیہ کرے گا، بشرطیکہ وہ عاقل، بالغ اور رشید ہو، یا اگر موقوف علیہ نابالغ، یا مجنون، یا سفیہ (غیر رشید) ہو، تو اس کی نگرانی اس کا ولی کرے گا، ابن ابوموسی نے کہا: اس کی نگرانی حاکم کرے گا(۲)۔

حنفیہ کے نزدیک ابن عابدین نے الاسعاف سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: اگر کسی نابالغ کو نگراں مقرر کرے، تو قیاس میں مطلقاً باطل ہوگا، اور استحسان میں باطل رہے گا جب تک وہ نابالغ رہے، جب بڑا ہو جائے گا تو ولایت اس کی ہوگی، اور اس کی اولاد اور نسل میں سے جس کی پیدائش نہیں ہوئی ہے، ولایت کے سلسلہ میں اس کا حکم قیاساً نابالغ کے حکم جیسا ہوگا، ابن عابدین نے کہا: فتاوی علامہ شلبی میں ہے: نابالغ کی طرف نسبت کرنا کسی حال میں صحیح نہیں ہوگا، نہ مستقل نگرانی کے طریقہ پر، نہ دوسرے کے ساتھ مشارکت کے طریقہ پر، اس لئے کہ وقف کی نگرانی ولایت کے باب سے ہے، اور نابالغ پر اس کے قاصر ہونے کی وجہ سے (دوسرے کی) ولایت ہوتی ہے، لہذا دوسرے پر اسے ولی بنانا صحیح نہیں ہوگا۔

ابن عابدین نے کہا: میں نے استروشنی کی احکام الصغار میں فتاوی رشید الدین کے حوالہ سے دیکھا ہے، انہوں نے کہا: قاضی اگر کسی بچہ کو تولیت سونپے، تو اگر وہ حفاظت کرنے کا اہل ہوگا تو جائز ہوگا، اور اس کو تصرف کرنے کی ولایت حاصل ہوگی، اسی طرح قاضی بچہ کو اجازت دینے کا اختیار رکھتا ہے، اگرچہ ولی اجازت نہ دے۔

ابن عابدین نے کہا: اس بناء پر اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ الاسعاف وغیرہ میں جو کچھ ہے اس کو حفاظت کے لئے نااہل پر محمول کیا جائے اس طور پر کہ وہ تصرف پر قدرت نہ رکھتا ہو، لیکن جو تصرف پر قدرت رکھنے والا، تو قاضی کی جانب سے اس کو متولی مقرر کرنا اس کو تصرف کی اجازت دینا ہوگا، اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ نابالغ کو اجازت دے، اگرچہ اس کا ولی اس کو اجازت نہ دے(۱)۔

جنون جس طرح ابتداءً تولیت سے مانع ہوتا ہے بقاءً بھی اس سے مانع ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ ناظر ہو، پھر پاگل ہو جائے، تو اس کو نگرانی سے معزول کردیا جائے گا، لیکن اگر اس کی عقل واپس آجائے، اور وہ اپنی بیماری سے شفایاب ہو جائے، تو کیا وہ دوبارہ ناظر ہوگا؟ ابن عابدین نے الفتح سے نقل کیا ہے: ناظر ایک سال کو گھیر لینے والے جنون کی وجہ سے معزول ہوگا، کم سے نہیں، اور اگر شفایاب ہو جائے، تو نگرانی واپس ہو جائے گی، النہر میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کے لئے نگرانی کی شرط لگائی گئی ہو، قاضی کے مقرر کردہ، میں یہ حکم نہیں ہوگا(۲)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ جنون کی وجہ سے ولایتیں سلب

---

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۴/ ۸۸۔

(۲) کشاف القناع ۴/ ۲۴۴-۲۵۵، ۲۷۰، المغنی ۵/ ۶۴۷، الانصاف ۷/ ۶۶-۶۷۔

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ ۳/ ۳۸۵، البحر الرائق ۵/ ۲۴۴-۲۴۵۔

(۲) حاشیہ ابن ابن عابدین ۳/ ۳۸۵۔

ہوجائیں گی (۱)۔ شبراملسی نے کہا: اگر مجنون کو افاقہ ہوجائے، تو اگر ولایت واقف کی شرط سے ہو، تو نئی تولیت کے بغیر صرف افاقہ سے نگرانی کی ولایت اس کے پاس واپس آجائے گی (۲)۔

دوسری شرط: عادل ہونا:

۱۰۰ - وقف کے نگراں کا عادل ہونا شرط ہے۔

اس شرط کے بارے میں فقہاء کے یہاں کچھ تفصیل ہے:

عدالت کے شرط صحت یا شرط اولویت ہونے کے بارے میں حنفیہ کی دو مختلف آراء ہیں:

اول: عدالت صحت وقف کی شرط ہے، چنانچہ ابن عابدین نے الاسعاف سے نقل کیا ہے: متولی صرف ایسے امانت دار کو بنایا جائے گا، جو خود یا اپنے نائب کے ذریعہ سے قدرت رکھتا ہو، اس لئے کہ ولایت میں نظر وفکر کی شرط کی قید ہوتی ہے، خائن کو ذمہ داری دینے میں کوئی نظر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مقصود میں خلل انداز ہے۔

دوم: عدالت اولویت کی شرط ہے، چنانچہ ابن عابدین نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ عدالت اولویت کی شرط ہے، صحت کی شرط نہیں ہے اگر نگراں فاسق ہوجائے، تو وہ معزول کئے جانے کا مستحق تو ہوجائے گا، لیکن معزول نہیں ہوگا، جیسے قاضی اگر فاسق ہوجائے، تو صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق معزول نہیں ہوگا (۳)۔

مالکیہ کے نزدیک عدالت اس صورت میں شرط ہوگی، جب کہ نگراں قاضی کی جانب سے، یا واقف کی جانب سے مقرر کیا گیا ہو، چنانچہ الحطاب میں ہے: وقف میں نگرانی کا حق اسی کو ہوگا جس کو اس کا وقف کرنے والا بنائے وہ اس کو مقرر کرے گا جس کی دینداری اور امانت پر اس کو بھروسہ ہو، واقف اگر اس سے غفلت برتے، تو اس کی دیکھ بھال حاکم کے ذمہ ہوگی، وہ کسی عادل کو مقرر کرے گا، وقف کا نگراں اگر صحیح دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو، امانت دار نہ ہو، تو قاضی اس کو معزول کردے گا، الا یہ کہ موقوف علیہ اپنے معاملہ کا مالک ہو، وہ اس سے راضی ہو، اور اس کو برقرار رکھے، البدر القرافی نے بیان کیا ہے کہ: قاضی نگراں کو کسی جرم کے بغیر معزول نہیں کرے گا واقف اس کو معزول کرسکتا ہے، اگرچہ بغیر جرم کے ہو (۱)۔

شافعیہ کے نزدیک: حاکم کے مقرر کردہ میں ظاہری اور باطنی عدالت مشروط ہے، سبکی نے کہا: واقف کے مقرر کردہ میں مناسب یہ ہے کہ ظاہری عدالت پر اکتفاء کیا جائے گا۔

اذرعی نے کہا: واقف کے مقرر کردہ میں بھی ظاہری اور باطنی عدالت شرط ہوگی، شربینی خطیب نے کہا: پہلا قول راجح ہے۔

اگر نگراں فاسق ہوجائے، تو وہ معزول ہوجائے گا، اور جب وہ فسق کی وجہ سے معزول ہوجائے، تو نگرانی کا ذمہ دار حاکم ہوگا (۲)۔

شافعیہ نے کہا: اگر نگراں فاسق ہوجائے، پھر عادل ہوجائے، تو اگر اس کی ولایت اصل وقف میں مشروط ہو، اور بعینہ اس کی صراحت کی گئی ہو، تو اس کی ولایت واپس ہوجائے گی، ورنہ نہیں، نووی نے اسی کا فتوی دیا ہے، اور ابن الرفعہ وغیرہ نے ان کی موافقت کی ہے، زرکشی نے کہا: ظاہر یہی ہے (۳)۔

حنابلہ نے کہا: اگر نگرانی موقوف علیہ کے علاوہ کی ہو، اور نگراں کی تقرری حاکم کی طرف سے ہو، اس طور پر کہ وقف فقراء پر ہو، یا حاکم موقوف علیہم کے علاوہ سے کسی نگراں کو مقرر کرے، یا نگرانی موقوف علیہم میں سے کسی کی ہو، اور اس کی تقرری حاکم کی طرف سے ہو، اس

---

(۱) نہایۃ المحتاج ۴؍ ۳۴۳۔
(۲) حاشیۃ الشبراملسی علی نہایۃ المحتاج ۴؍ ۳۴۵۔
(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳؍ ۳۸۵، البحر الرائق ۵؍ ۲۴۴۔

(۱) الحطاب ۶؍ ۳۷، حاشیۃ الدسوقی ۴؍ ۸۸۔
(۲) مغنی المحتاج ۲؍ ۳۹۳، نہایۃ المحتاج ۵؍ ۳۹۶، تحفۃ المحتاج ۶؍ ۲۸۸۔
(۳) المنثور فی القواعد للزرکشی ۲؍ ۱۷۹، نہایۃ المحتاج ۵؍ ۳۹۷۔

طور پر کہ وقف فقراء پر ہو، اور حاکم انہیں میں سے کسی کو اس کا نگراں بنائے یا تقرری کسی اصلی نگراں کی طرف سے ہو، تو اس میں عدالت کی شرط ضروری ہوگی، اس لئے کہ یہ مال پر ولایت ہے، لہذا یتیم کے مال پر ولایت کی طرح اس کے لئے عدالت شرط ہوگی، اگر وہ عادل نہ ہوگا، تو اس کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، وقف کی حفاظت کے لئے اس کا قبضہ وقف سے ہٹا دیا جائے گا پھر اگر وہ اہل ہو جائے گا تو اس کا حق واپس ہو جائے گا۔

ابن قدامہ نے کہا: اگر وہ امانت دار نہ ہو تو ولایت صحیح نہ ہوگی اور اس کا قبضہ ہٹا دیا جائے گا۔ اگر نگراں واقف کی طرف سے مشروط ہو تو اس میں عدالت شرط نہ ہوگی البتہ فاسق کے ساتھ کسی عادل کو شریک کر دیا جائے گا۔ ابن ابی موسی وسامری وغیرہ نے اس کو لکھا ہے اس لئے کہ اس میں شرط پر عمل ہوگا اور وقف کی حفاظت بھی ہو جائے گی، اس کا قبضہ نہیں ہٹایا جائے گا، الا یہ کہ اس سے اس کی حفاظت ممکن نہ ہو، تو اس کی ولایت زائل کر دی جائے گی، اس لئے کہ وقف پر کسی فاسق کی ولایت باقی رکھنے کے مقابلہ میں اس کی حفاظت کی رعایت کرنا زیادہ اہم ہے۔ خواہ نگراں کوئی اجنبی ہو، یا موقوف علیہم میں سے کوئی ہو۔

ابن قدامہ نے کہا: اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کی تولیت صحیح نہ ہو، اور اپنی ولایت کے درمیان فاسق ہو جانے کی صورت میں وہ معزول ہو جائے، اس لئے کہ وہ دوسرے کے حق پر ولایت ہے، لہذا فسق اس کی نفی کرے گا، اگر نگرانی موقوف علیہ کی ہو، یا تو واقف کی طرف سے اس کی نگرانی مقرر کرنے کی وجہ سے ہو، اس طور پر کہ وہ کہے: میں نے اس کو زید پر وقف کیا اور اس کی نگرانی بھی اسی کی ہوگی، یا اس کے زیادہ حق دار ہونے کی وجہ سے ہو اس لئے کہ ایسا نگراں نہ ہو جس کی شرط واقف نے لگائی ہو، تو موقوف علیہ نگرانی کا زیادہ حقدار ہوگا، خواہ عادل ہو یا فاسق، مرد ہو یا عورت، اس لئے کہ وہ وقف کا مالک ہے لہذا وہ خود نگرانی کرے گا، ایک قول ہے: فروخت کرنے اور ضائع کرنے سے اصل وقف کی حفاظت کے لئے فاسق کے ساتھ کسی امانت دار کو جوڑ دیا جائے گا (۱)۔

تیسری شرط: کفایت:

۱۰۱ - کفایت سے مقصود کسی شخص کا اس چیز میں تصرف کرنے پر طاقت اور قدرت رکھنا ہے جس کا وہ نگراں ہے۔

شافعیہ وحنابلہ نے صراحت کی ہے کہ نگراں میں کفایت شرط ہوگی، اس لئے کہ وقف کی حفاظت کی رعایت رکھنا شرعاً مطلوب ہے اگر نگراں اس صفت سے متصف نہ ہو تو اس کے لئے وقف کی حفاظت کی رعایت رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔

اگر کفایت کمزور ہو تو شافعیہ نے کہا: حاکم اس سے وقف کو لے لے گا، اگرچہ جس کے لئے نگرانی مشروط کی گئی ہے، وہ واقف ہی ہو، اور شیخین کے کلام کا تقاضا ہے کہ حاکم تنہا اس کا متولی ہوگا۔ اور جسے چاہے گا متولی بنا دے گا اگر واقف دوسرے کے بعد کسی انسان کی نگرانی کی شرط لگا دے، تو نگرانی اس کے بعد والے کو منتقل نہیں ہوگی، الا یہ کہ واقف اس کی صراحت کر دے، جیسا کہ سبکی وغیرہ نے کہا، اور اگر کمزوری زائل ہو جائے، تو اگر وہ متعین طور سے اس کی صراحت کرتے ہوئے وقف میں مشروط ہو، تو اس کی نگرانی لوٹ آئے گی، جیسا کہ نووی نے اس کو اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے، اگرچہ امام کے کلام کا مقتضی اس کے خلاف کا ہے۔

حنابلہ نے کہا: اگر کفایت کمزور ہو، تو اس کو معزول نہیں کیا جائے گا،

---

(۱) کشاف القناع ۴؍۲۷۰، ۲۷۲، الانصاف ۷؍۶۷، المغنی ۵؍۶۴۷، شرح المنتہی ۲؍۵۰۴۔

بہوتی نے کہا: کمزور نگراں کے ساتھ قوی اور امانت دار کو جوڑ دیا جائے گا، تاکہ مقصود حاصل ہوجائے، خواہ نگراں کسی شرط کی وجہ سے ہو، یا موقوف علیہ ہو(۱)۔

حنفیہ نے کہا: اگر واقف ناقابل اطمینان یا عاجز ہو، تو نگراں کو معزول کردینا واجب ہوگا۔

الاسعاف میں ہے: صرف ایسے امانت دار کو متولی بنایا جائے گا، جو خود سے یا اپنے نائب کے ذریعہ قادر ہو، اس لئے کہ ولایت نظر کی شرط سے مقید ہے، اور خائن کو متولی بنانے میں نظر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مقصود میں خلل انداز ہوگا، اور یہی معاملہ عاجز کی تولیت کا ہے، اس لئے کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

لیکن ابن عابدین نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ اولویت کی شرط ہے صحت کی شرط نہیں ہے(۲)۔

مالکیہ کے کلام سے بھی کفایت کی شرط لگانا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: وقف کا نگراں اگر اچھی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اور ناقابل اطمینان ہو، تو قاضی اس کو معزول کردے گا، الا یہ کہ موقوف علیہ اپنے معاملہ کا مالک ہو، اس سے راضی ہو اور اس کو برقرار رکھے(۳)۔

چوتھی شرط: اسلام:

۱۰۲ – حنابلہ نے کہا: اگر موقوف علیہ مسلمان ہو، یا جہت مسجد وغیرہ ہو، تو نگراں کا مسلمان ہونا شرط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً"**(۴)

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۶، ۳۹۷، کشاف القناع ۴/ ۲۷۰، شرح المنتہی ۲/ ۵۰۴۔
(۲) ابن عابدین ۳/ ۳۸۵، الاسعاف/ ۴۹۔
(۳) مواہب الجلیل ۶/ ۳۷۔
(۴) سورہ نساء: ۱۴۱۔

(اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا)۔ اگر وقف کسی معین کافر پر ہو، تو کسی کافر کے لئے اس میں نگرانی کی شرط لگانا جائز ہوگا جیسے کہ اپنی کافر اولاد پر وقف کرے، اور ان میں سے کسی کے لئے یا ان کے علاوہ کسی کافر کے لئے نگرانی کی شرط لگائے(۱)۔

حنفیہ نے نگراں کے ذمی ہونے کو جائز قرار دیا ہے یعنی اسلام شرط نہیں ہے، اگر نگراں ذمی ہو، اور قاضی کسی سبب سے اس کو نکال دے، پھر وہ ذمی اسلام لے آئے تو ولایت اس کی طرف واپس نہیں ہوگی(۲)۔

شافعیہ کے نزدیک رملی نے کہا: وصیت اور نکاح میں جو کچھ ہے اس پر قیاس کا تقاضا ہے کہ اگر مستحق ذمی ہو، تو ذمی کا ایسے ذمی کے لئے نگرانی کی شرط لگانا صحیح ہے، جو اپنے دین میں عادل ہو، لیکن باب وقف میں حقیقی عدالت کے مشروط ہونے کے سبب اس قیاس کو رد کردیا جاتا ہے، شبراملسی نے کہا: رد کردینے کا قول ہی معتمد ہے۔

وقف میں اور ذمی کا اپنی زیر ولایت کی شادی کرانے میں فرق یہ ہے کہ نکاح کے ولی میں ایک فطری مانع ہوتا ہے، جو اپنے سے عار کو دور کرنے کے لئے اپنے زیر ولایت کی پاک دامنی کی خواہش پر آمادہ کرتا رہتا ہے وقف اس کے برخلاف ہے(۳)۔

مالکیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ المواق میں ہے کہ ابن عرفہ نے کہا: وقف میں نگرانی اس کی ہوگی جس کے لئے واقف اسے مقرر کردے، متیطی نے کہا: جس کے دین اور امانت پر اس کو بھروسہ ہو اس کے لئے اس کو مقرر کردے گا(۴)۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۷۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۴۔
(۲) ابن عابدین ۳/ ۳۸۵، الاسعاف/ ۵۲، البحر الرائق ۵/ ۲۴۵۔
(۳) نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۶، اسنی المطالب ۲/ ۴۷۱، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۸۸ مع الحاشیتین۔
(۴) التاج والاکلیل بہامش مواہب الجلیل ۶/ ۳۷۔

وقف کے نگراں کی اجرت:

نگراں کی اجرت پر گفتگو میں چند مسائل ہیں، جیسے اجرت میں اس کا حقدار ہونا، واقف یا قاضی کی طرف سے اس کا مقرر ہونا اس کی مقدار، اگر واقف یا قاضی اس کے لئے کوئی اجرت مقرر نہ کرے، تو کیا وہ مستحق ہوگا؟ وغیرہ اور اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

الف-اجرت میں وقف کے نگراں کا حقدار ہونا:

۱۰۳-فقہاء کا قول ہے کہ وقف کا نگراں وقف کے انتظام کی انجام دہی، اور اس کے مصالح پر توجہ کرنے پر اجرت مثل کا مستحق ہوگا(۱)۔ اور انہوں نے اس پر استدلال اس سے کیا جس کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس وقت فرمایا تھا، جب انہوں نے خیبر کی اپنی زمین وقف کی تھی، انہوں نے فرمایا: ''اس کی ذمہ داری سنبھالنے والے پر کوئی حرج نہیں ہوگا کہ عرف کے مطابق کھائے، یا اس میں مال اکٹھا کئے بغیر دوست کو کھلائے''۔

نیز حضرت علیؓ کے عمل سے (بھی ان کا استدلال ہے) کہ انہوں نے ان غلاموں کا نفقہ آمدنی سے مقرر کیا تھا جن کو آپ نے صدقہ کے ساتھ اس لئے وقف کیا تھا کہ وہ اس کی اصلاح کا کام انجام دیں(۲)۔

نیز زکوۃ کے عامل پر قیاس کرکے کیا ہے(۳)۔

ان حضرات نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **"لا تقتسم ورثتي ديناراً ولا درهما، ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي فهو صدقة"**(۴)

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۶۴، الدسوقی ۴/ ۸۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰، ۳۹۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۹۵، ۵۰۳۔

(۲) الاسعاف/ ۵۳، المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۰۵، ۶۰۶۔

(۳) شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۹۵۔

(۴) حدیث: "لا تقتسم ورثتي ديناراً...." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۴۰۶) نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے کی ہے۔

(میرے ورثہ دینار و درہم تقسیم نہیں کریں گے، اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کے نفقہ کے بعد جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے)۔

ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کے موقع پر کہا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف پر کام کرنے والے کی اجرت مشروع ہے، اور اس حدیث میں عامل سے مراد: زمین کا قیم (منتظم) ہے(۱)۔

ب-نگراں کی اجرت مقرر کرنا یا نگراں جس اجرت کا مستحق ہوگا:

نگران کی اجرت یا واقف کی طرف سے مشروط ہوگی، یا قاضی کی طرف سے مقرر ہوگی۔

۱۰۴-اجرت اگر واقف کی طرف سے مشروط ہو، تو واقف نے نگراں کے لئے جو مشروط کیا ہو، وہ اس کو لے لے گا، اگر چہ وہ اس کی اجرت مثل سے زیادہ ہو، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر واقف نے اس کے لئے اجرت مثل سے کم متعین کی ہو، تو قاضی کو حق ہے کہ اس کے مطالبہ پر اس کی اجرت مثل مکمل کردے(۲)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر اس نے اپنے لئے نگرانی مشروط کی ہو، اور اپنے لئے کوئی اجرت مشروط کی ہو، تو وہ اجرت مثل سے نہیں بڑھے گی، لہذا اگر اس سے زیادہ پر نگرانی مشروط کرے، تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ اپنے اوپر وقف ہوگا(۳)۔

کشاف القناع میں ہے: اگر واقف نگراں کے لئے اجرت یعنی

(۱) فتح الباری ۵/ ۴۰۶۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۷، البحر الرائق ۵/ ۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۹۵، ۵۰۳۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۸۰، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۶۴۔

معلوم عوض کی شرط لگائے، تو مشروط اگر اجرت مثل کے بقدر ہو تو وہ اس کے ساتھ خاص ہوگی۔ اور وقف کو امانت داروں وغیرہ کی جو حاجت ہوتی ہے، وہ وقف کی آمدنی سے (پوری) ہوگی، اور اگر مشروط اجرت مثل سے زیادہ ہو، تو وقف کو امانت داروں، اور مزدوروں کی جو حاجت ہوگی اس کا خرچ نگراں پر ہوگا، جس کو وہ اضافہ میں سے صرف کرے گا، یہاں تک کے اس کے لئے اجرت مثل باقی رہ جائے، الا یہ کہ واقف نے خالص اس کے لئے شرط لگائی ہو(۱)۔

مالکیہ نے کسی چیز کی تحدید نہیں کی ہے، اور اس کو واقف، یا قاضی کے مقرر کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے(۲)۔

۱۰۵ - اگر اجرت قاضی کی طرف سے مقرر ہو، اس طور پر کہ واقف نگراں کے لئے کچھ مقرر نہ کرے، تو قاضی نگراں کے لئے جو مقرر کرے گا اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ وحنابلہ کا مذہب ہے کہ واجب ہے کہ قاضی کی طرف سے مقرر کردہ اجرت، اجرت مثل سے زائد نہ ہو اگر اس کے لئے اجرت مثل سے زائد مقرر کردے، تو زائد کو اس سے روک دیا جائے گا(۳)۔

مالکیہ نے کہا: معاملہ کو قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا، منح الجلیل میں ہے: وقف میں نگرانی کا حق اس کو ہوگا جس کو واقف مقرر کردے۔ وہ ایسے شخص کو مقرر کرے گا جس کی دیانت اور امانت پر اس کو اعتماد ہو، اور اگر واقف قابل بھروسہ شخص کے لئے نگرانی مقرر کرنے سے غفلت برتے، تو وقف میں نگرانی کا حق قاضی کو ہوگا، اور وہ اس پر کسی عادل شخص کو مقرر کرے گا، اور وقف کے کرایہ میں

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۷۱۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، منح الجلیل ۴/ ۶۴۔

(۳) حاشیۃ ابن عابدین ۳/ ۴۱۷، البحر الرائق مع ہامشہ منحۃ الخالق ۵/ ۲۶۴، الفروع لابن مفلح ۴/ ۵۹۵۔

سے جتنا اپنی صوابدید کے مطابق درست سمجھے گا اس کے لئے مقرر کردے گا۔

ابن فتوح نے کہا: قاضی کو اختیار ہے کہ اوقاف میں جس کو نگرانی کے لئے مقرر کرے، اس کے لئے ہر مہینہ متعین وظیفہ مقرر کردے اس کی مقدار اس کے کام کے مطابق اپنی صوابدید سے مقرر کرے گا، ائمہ نے یہ کام کیا ہے(۱)۔

شافعیہ نے کہا: اگر واقف ناظر کے لئے کسی اجرت کا ذکر نہ کرے، تو صحیح قول کے مطابق اس کے لئے کوئی اجرت نہ ہوگی، نگراں کو وقف کے مال سے کچھ لینے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر وہ ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا، اس پر حاکم کو قبضہ دلائے بغیر بری نہیں ہوگا، یہی معتمد قول ہے، اگر نگراں معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے تاکہ وہ اس کے لئے اجرت مقرر کردے، تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے ولی بچہ کے مال کی حفاظت کرنے سے زچ ہوجائے، اور معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے کہ وہ اس کے لئے اجرت مقرر کردے، یہ بات بلقینی نے کہی ہے، ان کے شاگرد عراقی نے کہا: اس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ حاجت کے ساتھ اجرت لے گا، یا تو اپنے نفقہ کے بقدر جیسا کہ رافعی نے اس کو راجح قرار دیا ہے یا اپنے نفقہ اور اجرت مثل میں سے جو کم ہو اس کے بقدر جیسا کہ نووی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، ایک قول ہے: وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اس کے لئے اجرت مثل مقرر کی جائے، اگر چہ وہ نفقہ سے زیادہ ہو(۲)۔

ج - اس صورت کا حکم جب کہ واقف نگراں کے لئے کوئی اجرت متعین نہ کرے:

۱۰۶ - اگر نگراں کے لئے کوئی اجرت متعین نہ کی گئی ہو تو اس کے

(۱) الدسوقی ۴/ ۸۸، منح الجلیل ۴/ ۶۴، الحطاب ۶/ ۴۰۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴۔

بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ میں سے رملی نے کہا اگر وقف کرنے والا نگراں کے لئے کسی چیز کی شرط نہ لگائے تو وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، سوائے اس صورت کے جب قاضی وقف میں اس کے کام کی اجرت مثل اس کے لئے مقرر کردے، تو وہ اس کو اجرت ہونے کی بنیاد پر لے لیگا(۱)۔

ابن عابدین نے اس مسئلہ کو تحریر کرتے ہوئے فرمایا: یہ بات منقح ہوگئی کہ اگر واقف اس کے لئے کچھ متعین کردے، تو وہ اس شرط کے مطابق جو اس نے لگائی ہے اس کی ہوجائے گی، چاہے وہ زیادہ ہو یا کم، اس نے کام کیا ہو یا نہیں، اس لئے کہ اس نے اس کو کام کے مقابلہ میں مشروط نہیں کیا ہے، اگر واقف اس کے لئے تعیین نہ کرے بلکہ قاضی اس کے لئے اجرت مثل متعین کردے، تو جائز ہوگا، اگر اس کے لئے زیادہ متعین کردے، تو اجرت مثل سے زائد کو اس سے روک دیا جائے گا، یہ اس وقت ہے جب وہ عمل کرے، اگر عمل نہیں کرے گا، تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، الاشباہ کی کتاب الدعوی میں اس کے مثل صراحت ہے۔

اگر قاضی اس کو مقرر کردے، اور اس کے لئے کچھ طے نہ کرے، تو دیکھا جائے گا: اگر یہ معروف ہو کہ وہ اپنی اجرت مثل کے بغیر کام نہیں کرتا ہے، تو اس کو اجرت مثل ملے گی، اس لئے کہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، ورنہ اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا(۲)۔

لیکن ابن نجیم نے القنیہ سے قاضی کے مقرر کردہ کے بارے میں حنفیہ کی دو آراء نقل کی ہیں جب کہ اس کے لئے اجرت طے نہ کی گئی ہو:

اول: قاضی اگر مطلقاً نگراں مقرر کردے، اس کے لئے اجرت متعین نہ کرے، اور وہ ایک سال اس میں دوڑ دھوپ کرے، تو اسے

(۱) منحۃ الخالق بہامش البحر الرائق ۵/ ۲۶۴۔

(۲) سابقہ حوالہ۔

کچھ نہیں ملے گا۔

دوم: نگراں اپنی کوشش کی اجرت مثل کا مستحق ہوگا، خواہ قاضی یا اہل محلّہ نے اس کے لئے اجرت کی شرط لگائی ہو یا نہیں، اس لئے کہ بظاہر وہ اجرت کے بغیر ذمہ داری قبول نہیں کرے گا، اور معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے(۱)۔

شافعیہ کے نزدیک: اگر واقف نگراں کے لئے کسی چیز کی شرط نہ لگائے، تو صحیح قول کے مطابق وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

وہ معاملہ اگر حاکم کے پاس پیش کرے گا تو حاجت کے مطابق اس کو دیا جائے گا جس کی وضاحت ف ۱۰۵ پر گزر چکی ہے(۲)۔

حنابلہ کے نزدیک تین آراء ہیں:

اول: نگراں کو معروف کے مطابق وقف کی آمدنی سے کھانے کا حق ہوگا، خواہ وہ محتاج ہو، یا محتاج نہ ہو، اس کو زکوۃ کے عامل کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے یہ ابوالخطاب کا مذہب ہے(۳)۔

دوم: وقف کے نگراں کو نابالغ کے ولی پر قیاس کرکے اجرت مثل یا اپنی کفایت میں سے جو کم ہو اس کو لینے کا حق ہوگا، اور وہ اس اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب کہ وہ فقیر ہو جیسا کہ یتیم کے وصی کا حکم ہے(۴)۔

سوم: وقف کے نگراں کو اگر وہ اس بات میں مشہور ہو کہ وہ اپنے کام کی مزدوری لیتا ہے اجرت مثل کا حق ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسے عمل کا بدل ہے جو وہ کررہا ہے، یہ مذہب کا قیاس ہے۔

چنانچہ الفروع میں ہے: اگر وہ اس کے لئے کچھ مقرر نہ کرے، تو مذہب کا قیاس یہ ہے کہ اگر وہ اپنے عمل کی اجرت لینے میں مشہور ہو، تو

(۱) البحر الرائق ۵/ ۲۶۴۔

(۲) اسنی المطالب ۲/ ۴۷۲، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۸۔

(۳) شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۹۵، الفروع ۴/ ۳۲۵، الکافی ۲/ ۴۵۷۔

(۴) شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۹۵، الفروع ۴/ ۳۲۴-۳۲۵۔

اس کو اس کی اجرت مثل ملے گی، ورنہ اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا(۱)۔

مالکیہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قاضی اوقاف میں اس کے لئے اجرت مقرر کرے گا، یا جیسا کہ ابن فتوح کہتے ہیں ہر ماہ میں متعین وظیفہ مقرر کرے گا اور اس کے عمل کے اعتبار سے اس کی مقدار اپنی صدابدید سے مقرر کرے گا(۲)۔

د- وہ جہت جس سے نگراں اپنی اجرت کا مستحق ہوگا:

۱۰۷- جمہور فقہاء (حنفیہ ابن عتاب کے علاوہ مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ) کا مذہب ہے کہ نگراں جس اجرت کا مستحق ہوگا، خواہ وہ واقف کی جانب سے مشروط ہو، یا قاضی کی جانب سے ہو۔ وہ وقف کی آمدنی سے ہوگی۔

اس میں اصل وہ ہے جو حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا تھا: اس صدقہ کے والی کو حق ہوگا کہ وہ اس میں سے مال جمع نہ کرتے ہوئے کھائے(۳)۔

مالکیہ میں سے ابن عتاب نے مشاور کے حوالہ سے کہا: نگراں کی اجرت بیت المال کے علاوہ سے ہوگی، لہذا اگر وہ اس کو اوقاف سے لے لے گا، تو وہ اس سے لے لی جائے گی، اور وہ اپنی اجرت بیت المال سے وصول کرے گا، اگر اس کو اس سے نہ دیا جائے تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہوگا، حطاب نے کہا: اس کے لئے اس میں کچھ اس لئے نہیں مقرر کیا جائے گا کہ یہ وصایا میں تبدیلی کرنا ہے، ابن ورد نے مشاور کے قول کے مطابق فتوی دیا ہے(۴)۔

لیکن دسوقی نے ابن عتاب کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے(۱)۔

ھ- وہ عمل جس کی وجہ سے نگراں اجرت کا مستحق ہوتا ہے:

۱۰۸- وہ عمل جس کی وجہ سے نگراں اجرت کا مستحق ہوتا ہے: وقف کی حفاظت کرنا، اس کی اصلاح کرنا، کرایہ پر دینا، اس کی آمدنی یعنی کرایہ، کھیتی، یا پھل حاصل کرنا، اس کو بڑھانے کی کوشش کرنا، اور اس کی جہات جیسے تعمیر، اصلاح نیز مستحق کو دینے میں صرف کرنا ہے، اس لئے کہ اس جیسے میں یہی معروف ہے(۲)۔

ناظر کو اس کی نگرانی کے وقت سے اجرت کا حق ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کے مقابلہ میں ہے، لہذا یہ صرف اسی کے بقدر کا مستحق ہوگا(۳)۔

حنابلہ نے کہا: اگر نگراں کوتاہی کرے، تو اس کی جو مقررہ اجرت ہوگی اس میں سے اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی جتنا اپنے اوپر واجب عمل میں سے وقف پر فوت کرے گا، چنانچہ اس نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ نہیں کیا ہے مقررہ اجرت کو اس پر تقسیم کیا جائے گا، اور جو نہیں کیا ہے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا(۴)۔

حنفیہ نے کہا: اور اگر اہل وقف نگراں سے نزاع کریں، اور حاکم سے کہیں: واقف نے اس کے لئے اجرت صرف عمل کے مقابلہ میں مقرر کی ہے، اور وہ کچھ نہیں کرتا ہے، تو حاکم اس کو اس عمل کا مکلّف نہیں بنائے گا جو متولی نہیں کرتے ہیں، اور اگر اس کو کوئی آفت پیش آجائے، جس کے ساتھ اس کے لئے امر و نہی اور لین دین ممکن ہو تو اس کو اجرت ملے گی، ورنہ اس کے لئے کوئی اجرت نہیں ہوگی، اگر واقف اس کے لئے اجرت مثل سے زیادہ مقرر کردے، تو جائز ہوگا،

---

(۱) الفروع ۴/ ۵۹۵، الاختیارات ر ۱۷۷، کشاف القناع ۴/ ۲۷۱۔
(۲) مواہب الجلیل ۶/ ۴۰۔
(۳) الاسعاف ر ۵۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۷، الحطاب ۶/ ۴۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، الفروع ۴/ ۳۲۳، ۳۲۵، شرح المنتہی ۲/ ۲۹۵۔
(۴) مواہب الجلیل ۶/ ۴۰۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸۔
(۲) کشاف القناع ۴/ ۲۶۸، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۴۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴۔
(۳) کشاف القناع ۴/ ۲۷۲، الاسعاف ر ۵۳-۵۴، مواہب الجلیل ۶/ ۴۰۔
(۴) کشاف القناع ۴/ ۲۷۱۔

اس لئے کہ اگر وہ اس کے لئے یہ چیز اس پر کام کی انجام دہی کی شرط لگائے بغیر کردے تو جائز ہوتا، تو یہ بدرجہ اولی جائز ہوگا(۱)۔

اگر اپنی زمین اپنے موالی (آزاد کردہ غلاموں) پر وقف کرے، پھر مر جائے اور قاضی وقف کے لئے کوئی نگراں مقرر کردے، اور آمدنی کا دسواں حصہ اس کے لئے مقرر کردے، اور وقف میں کوئی چکی ہو، جو کسی شخص کے قبضہ میں اجرت پر کام طے کرکے ہو، جس میں کسی نگراں کی ضرورت نہ ہو، اور اصحاب وقف اس کی آمدنی اس شخص سے لے لیتے ہوں تو نگراں اس کی آمدنی کے دسویں حصہ کا مستحق نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ جو کچھ لے گا صرف اجرت کے طور پر ہوگا، اور عمل کے بغیر کوئی اجرت نہیں ہوتی ہے(۲)۔

و-وقف کے نگراں کا محاسبہ:

۱۰۹-نگراں کی ذمہ داری، وقف کی آمدنی وصول کرنا، اس میں سے وقف کی ضروریات پر خرچ کرنا اور مستحقین کو دینا ہے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان جہات میں نگراں جو کچھ خرچ کرے گا، اس کا محاسبہ کیا جائے گا، خواہ یہ محاسبہ قاضی کی طرف سے ہو یا مستحقین کی طرف سے ہو۔

لیکن خرچ کرنے کے بارے میں نگراں کی بات قبول کرنے کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا اسے بغیر بینہ کے قبول کیا جائے گا، یا بینہ ضروری ہوگا؟ اگر وہاں کوئی بینہ نہ ہو، تو کیا یمین (قسم) کے ساتھ اس کی بات قبول کی جائے گی یا بغیر یمین کے؟

ہر مذہب میں کچھ تفصیل ہے، جو دوسرے مذہب سے مختلف ہے، اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

۱۱۰- حنفیہ نے کہا: یہ لازم نہیں ہے کہ قاضی، وقف کے متولی نے وقف کی آمدنی میں سے جو کچھ صرف کیا ہے اس میں اس کا تفصیل سے محاسبہ کرے، بلکہ وہ اگر امانت داری میں مشہور ہو، تو اجمال پر اکتفاء کرے گا، لیکن اگر وہ متہم ہو، تو قاضی اس کو ایک ایک چیز کی وضاحت کرنے پر مجبور کرے گا، اسے قید نہیں کرے گا، لیکن اس کو دو تین دن حاضر کرائے گا، اگر وضاحت نہ کرے، تو ڈرائے دھمکائے گا، پھر اگر کردے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کی یمین پر اکتفاء کرے گا(۱)۔

الدر میں القنیہ سے نقل کیا ہے: اگر قاضی اس کو متہم سمجھے گا تو وہ اس سے قسم لے گا، ابن عابدین نے کہا: یعنی اگرچہ وہ امانت دار ہو جیسے مودع اگر ودیعت کے ہلاک ہوجانے یا اس کو واپس کردینے کا دعوی کرے۔

ایک قول ہے: اس سے قسم صرف اس وقت لی جائے گی، جبکہ قاضی اس پر کسی معلوم چیز کا دعوی کرے گا، ایک قول ہے: اس سے ہر حال میں قسم لی جائے گی۔

اگر متولی مستحقین کو دے دینے کا دعوی کرے تو اس کے بارے میں حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں:

الدر المختار میں ہے: اس کا قول بغیر یمین کے قبول کرلیا جائے گا(۲)۔

لیکن البحر الرائق اور الاسعاف میں اس کے خلاف ہے، چنانچہ الاسعاف میں ہے: اگر متولی کہے: میں نے کرایہ پر قبضہ کیا، اور ان موقوف علیہم کے حوالہ کردیا، اور وہ اس کا انکار کریں، تو متولی کا قول اس کی یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا جیسے مودع (جس کے پاس امانت رکھی جائے) اگر ودیعت واپس کرنے کا دعوی کرے، اور ودیعت کا مالک انکار کرے، اس لئے کہ درحقیقت

---

(۱) الاسعاف ر ۵۳-۵۴۔

(۲) الاسعاف ر ۵۶۔

(۱) الدر المختار ۳ر ۴۲۵، البحر الرائق ۵ر ۲۶۲۔

(۲) الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین ۳ر ۴۲۵۔

وہ منکر ہے، اگر چہ صورت کے اعتبار سے مدعی ہے، اور اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے، وقف کی اراضی کا کرایہ دار کرایہ سے بری ہوجائے گا اس لئے کہ متولی نے اس پر قبضہ کر لینے کا اعتراف کرلیا ہے۔

اسی طرح اگر متولی کہے: میں نے کرایہ پر قبضہ کرلیا، اور وہ مجھ سے ضائع یا چوری ہو گیا، تو یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ امین ہے (۱)۔

ابن عابدین نے الخیر الرملی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ اس سے قسم لی جائے گی۔

الفتاوی الحامدیہ میں مفتی ابوالسعود کے حوالہ سے ہے: انہوں نے یہ فتوی دیا کہ متولی اگر مفسد اور اسراف کرنے والا ہو، تو وقف کا مال خرچ کرنے کے بارے میں اس کی یمین کے ساتھ اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

الحامدیہ میں یہ بھی ہے کہ امانت کے بارے میں یمین کے ساتھ امین کا قول معتبر ہوگا، الا یہ کہ ایسے امر کا دعوی کرے جس کو ظاہر جھٹلا رہا ہو، تو اس وقت امانت زائل ہوجائے گی اور خیانت ظاہر ہوجائے گی، لہذا اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح الحامدیہ میں فتوی الشلبی کے حوالہ سے ہے، جو شخص شریعت کی مخالف صفات سے متصف ہوجائے جس سے وہ فاسق ہوجاتا ہے تو اس نے جو کچھ صرف کیا ہے، اس کے بارے میں بینہ کے بغیر اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

پھر ابن عابدین نے کہا: کیا معزول ہونے کے بعد ثقہ نگراں کا قول قبول کیا جائے گا؟ حموی نے بیان کیا ہے کہ ان کے کلام کا ظاہر ہے کہ قبول کیا جائے گا، اس لئے کہ معزولی اس کو امین ہونے سے باہر نہیں کرے گی (۲)۔

(۱) الاسعاف / ۶۸-۶۹، البحر الرائق ۵ / ۲۶۳۔

(۲) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۳ / ۴۲۵۔

صاحب الدر نے ملا ابوالسعود سے ایک دوسری تفصیل نقل کی ہے، انہوں نے اس کا فتوی دیا ہے کہ متولی اگر اس وقف کی آمدنی سے دیدینے کا دعوی کرے جس کو اس نے اپنی اولاد، یا اولاد کی اولاد پر وقف کیا ہو، تو اس کا قول قبول کرلیا جائے گا۔

اگر ارباب وظائف جیسے امام اور موذن کو دینے کا دعوی کرے، تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اس کے بارے میں اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی شخص کو جامع مسجد میں تعمیر کے لئے معلوم اجرت پر مزدور رکھے، پھر اجرت اس کے حوالہ کردینے کا دعوی کرے، تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس تفصیل کو تمرتاشی نے مستحسن قرار دیا ہے، انہوں نے فرمایا: یہ تفصیل نہایت عمدہ ہے (۱)۔

۱۱۱ - مالکیہ نے کہا: اگر واقف مرجائے، اور وقف کی تحریر موجود نہ ہو، تو نگراں اگر امانت دار ہو، تو ان جہات سے متعلق اس کی بات قبول کی جائے گی جن پر وہ صرف کیا جائے گا، اگر ناظر دعوی کرے کہ اس نے آمدنی کو صرف کردیا ہے، تو اگر وہ امین ہو، تو اس کی تصدیق کی جائے گی، جب تک کہ اصل وقف میں اس کے خلاف گواہ نہ ہوں، تب تو ان کو اطلاع دیئے بغیر صرف نہیں کیا جائے گا، اور ان کے بغیر اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

اگر دعوی کرے کہ اس نے وقف پر اپنے پاس سے کچھ مال صرف کیا ہے، تو اگر وہ متہم نہ ہو تو بغیر یمین کے اس کی تصدیق کی جائے گی، ورنہ اس سے قسم لی جائے گی (۲)۔

الحطاب میں ہے: سیوری سے کسی مسجد کے امام، مؤذن، اور اس کے تمام امور کے متولی، کے بارے میں پوچھا گیا، جس کی دو کانوں

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳ / ۴۲۵۔

(۲) حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۵ / ۴۰۴، حاشیۃ الدسوقی ۴ / ۸۹۔

کی آمدنی کا چند سالوں کے بعد ایک محتسب (آڈیٹر) نے حساب کیا، اور اس نے کہا: جو کچھ تم نے خرچ کیا اس میں سے کچھ بچ گیا ہے، اور متولی نے کہا: کچھ نہیں بچا، محتسب نے اس سے کہا: قاضی اسے خرچ کی تفصیل بیان کرو، تو اس نے کہا: میرے اوپر یہ ضروری نہیں ہے، اگر میں جانتا کہ یہ چیز میرے اوپر واجب ہوگی، تو میں متولی نہ بنتا، اور نہ اس کام کو سنبھالتا، اور حال یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص اس کے علاوہ موجود نہیں ہے جو اس کام کو انجام دے، اگر وہ نہ ہوتا، تو وہ ضائع ہو جاتا، تو کیا اس کی بات مانی جائے گی، یا نہیں مانی جائے گی؟ تو سیوری نے جواب دیا: اس چیز سے متعلق بات اسی کی معتبر ہوگی جس کے بارے میں اس کا دعوی ہے کہ اس نے اس کو خرچ کیا ہے جب کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے مناسب ہو، برزلی نے کہا: یہ اس وقت ہوگا جب کہ گواہ بنائے بغیر اس پر آمد وخرچ کی شرط نہ لگائی گئی ہو(۱)۔

۱۱۲ - شافعیہ مستحقین کے معین ہونے جیسے مثلاً زید وعمرو ہونے اور ان کے غیر معین ہونے جیسے فقراء وغیرہ عام جہات ہونے کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

اگر وقف کا متولی آمدنی کو مستحقین پر صرف کرنے کا دعوی کرے، تو اگر وہ معین ہوں تو بات ان کی مانی جائے گی، اور ان کو اس سے حساب کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا، اگر وہ غیر معین ہوں، جیسے فقراء ہوں تو کیا امام کو اس سے حساب کے مطالبہ کا حق ہوگا یا نہیں؟ دو اقوال ہیں، جن کو قاضی امام ابونصر شریح رویانی نے ادب القضاء میں نقل کیا ہے، اور ان دونوں میں راجح پہلا قول ہے، اگر ممکن ہو تو اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کے مقدار کے بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اگر حاکم اس کو متہم قرار دے گا تو اس سے حلف لے گا، اور جیسا کہ اذرعی نے کہا ہے، مراد، اس کا اس چیز میں خرچ کرنا ہے جو عرف وعادت کے مطابق ہو، اسی کے معنی میں فقراء اور ان جیسی جہات عامہ پر صرف کرنا ہے، معین موقوف علیہ پر اس کا خرچ کرنا اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اس نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے(۱)۔

۱۱۳ - جو نگراں وقف کی نگرانی رضا کارانہ یعنی بلا اجرت کرنے والا ہو اور جو نگرانی پر اجرت لینے والا ہو، ان دونوں کے درمیان حنابلہ فرق کرتے ہیں۔ کشاف القناع میں ہے: مستحق کو دینے کے بارے میں بلا اجرت کام کرنے والے نگراں کی بات قبول کی جائے گی، اور اگر وہ اجرت پر کام کرنے والا ہو تو بینہ کے بغیر اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی(۲)۔

بہوتی اور مرداوی نے کہا: اہل وقف کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے جس کو واقف نے وقف کے امور کی ذمہ داری دی ہو، بشرطیکہ جس کو ذمہ داری دی گئی ہو وہ امانت دار ہو، اہل وقف کو نگراں سے اپنے وقف کے ان امور کے بارے میں سوال کرنے کا حق ہوگا جن میں وہ اس کے عمل کے محتاج ہوں گے، تا کہ ان کا علم اس کے علم کے برابر ہو جائے، حاکم کو اختیار ہوگا کہ وہ مصلحت کے وقت ایک ایسا رجسٹر معین کر دے جس میں اوقاف کے اموال کا پورا حساب موجود ہو(۳)۔

الانصاف میں ہے: امام کا خود محاسبہ کرنا امام کی طرف سے حاکم مقرر کرنے کے مثل (صحیح) ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ مدینہ میں بنفس نفیس خود حکومت سنبھالتے تھے، اور دور ہونے کی صورت میں والی مقرر فرماتے تھے(۴)۔

---

(۱) مواہب الجلیل ۶/ ۴۰۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴۔

(۲) کشاف القناع ۴/ ۲۶۹۔

(۳) کشاف القناع ۴/ ۲۷۷، الانصاف ۷/ ۶۸۔

(۴) الانصاف ۷/ ۶۸۔

ز- وقف کے نگراں کو معزول کرنا اور اس کا حقدار کون ہوگا:

ان شرائط کا بیان جن کا نگراں میں پایا جانا ضروری ہے، اسی طرح اگر ان شرطوں میں سے کسی شرط میں خلل پایا جائے تو اس کو معزول کرنے کا حکم کیا ہوگا، اس کی وضاحت گزر چکی۔

ذیل میں اس کی وضاحت ہے جس کو معزول کرنے کا حق ہوگا:

اول: وقف کے نگراں کو معزول کرنے میں واقف کا حق:

۱۱۴- واقف جس کو ذمہ دار بنائے اس کو معزول کرنے کے بارے میں اس کا کیا حق ہے۔ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

اگر وقف کی ابتدا میں واقف نگرانی کو اپنے لئے مشروط کرے، پھر نگرانی دوسرے کو سپرد کردے یا وقف کی ابتدا میں دوسرے کے لئے نگرانی کی شرط لگائے۔ تو ان دونوں میں شافعیہ وحنابلہ فرق کرتے ہیں۔

الف- اگر وقف کی ابتدا میں نگرانی کی شرط اپنے لئے لگائے، پھر نگرانی دوسرے کو سپرد کردے تو اسے اس کو معزول کرنے اور اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کرنے کا حق ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کا نائب ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے مؤکل اپنے وکیل کو معزول کرے اور دوسرے کو مقرر کرے(۱)۔

شافعیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے، حنابلہ کے نزدیک یہی صحیح اور صواب ہے جیسا کہ تصحیح الفروع میں ہے اور الرعایۃ الکبری میں اسی کو مقدم کیا ہے۔

شربینی خطیب نے تنبیہ کی ہے کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ واقف کو بلاسبب معزول کرنے کا اختیار ہوگا، سبکی نے اپنے فتاوی میں اس کی صراحت کی ہے، اور فرمایا: اگر مدرس وغیرہ وقف میں مشروط نہ ہو تو اس کو کسی مصلحت کی وجہ سے یا بغیر مصلحت کے معزول کرنا واقف کے لئے اور اس کے مقرر کردہ نگراں کے لئے جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ وکیل کی طرح ہے۔

پھر فرمایا: اور بہت سے متاخرین نے جن میں ابن رزین بھی ہیں یہ فتوی دیا ہے کہ بلاسبب معزول کرنا جائز نہ ہوگا۔

ایک قول میں شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کو علاحدہ کرنے کا حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کی ملکیت ختم ہوگئی ہے، لہذا اس پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی(۱)۔

ب- اگر وقف کرنے کی حالت میں واقف کسی شخص کے لئے نگرانی کی شرط لگائے، بایں طور کہ وہ کہے: میں نے اس چیز کو اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ فلاں اس کا نگراں ہوگا، تو اسے اس کے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، شافعیہ نے مزید کہا ہے: اگرچہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہو، اس لئے کہ دوسرے کے لئے نگرانی کی شرط لگانے کے بعد اس کو نگرانی کا حق نہیں رہے گا نیز اس لئے کہ اس نے جس چیز کو مشروط کیا ہے، اس میں کوئی تغییر نہیں ہوگی، اسی وجہ سے اگر ابتداءً وقف میں مشروط نگراں خود کو معزول کردے، یا فاسق ہوجائے، تو دوسرے کو متولی بنانے کا حق حاکم کو ہوگا واقف کو نہ ہوگا اس لئے کہ وقف کرنے کی حالت میں دوسرے کو نگرانی سپرد کردینے کے بعد اس کے لئے نگرانی کا حق باقی نہیں ہے(۲)۔

لیکن حنابلہ نے کہا: اگر واقف دوسرے کے لئے نگرانی کی شرط لگائے، اور شرط لگائے کہ اسے اس کو معزول کرنے اختیار ہوگا، تو اسے اس کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا، اگر اس کی شرط نہ لگائے تو اسے اس

---

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۹، کشاف القناع ۴/ ۲۷۲، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۴، الفروع ۴/ ۵۹۲، الانصاف ۷/ ۶۰-۶۱۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴-۳۹۵، روضۃ الطالبین ۵/ ۳۴۹، الانصاف ۷/ ۶۰-۶۱، الفروع ۴/ ۵۹۱۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۵، نہایۃ المحتاج ۵/ ۴۰۰، کشاف القناع ۴/ ۲۷۲، شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۴، الفروع ۴/ ۵۹۲، الانصاف ۷/ ۶۰۔

کومعزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا(۱)۔

حنفیہ میں امام محمد بن الحسن کی رائے ہے کہ اگر واقف شرط لگائے کہ نگراں مقرر کرنے، ان کو معزول کرنے، وقف کا تبادلہ کرنے کا اختیار اور دوسرے ہر قسم کے اختیارات اس کو اور اس کی اولاد کو ہوں گے اور وقف متولی کے حوالہ کردے، تو یہ جائز ہوگا، اور اسے اپنے مقرر کردہ متولی کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا اگر اپنے لئے متولی کو معزول کرنے کی ولایت کی شرط نہ لگائے تو متولی کو ذمہ داری حوالہ کردینے کے بعد اسے اس کو معزول کرنے کا اختیار نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اہل وقف کا قائم مقام ہے(۲)۔ الصدر الشہید نے کہا: فتوی امام محمد کے قول پر ہے(۳)۔

ابن عابدین نے کہا: یہ اس اختلاف پر مبنی ہے جو متولی کو حوالہ کرنے کی شرط لگانے میں ہے چونکہ یہ امام محمد کے نزدیک شرط ہے، لہذا شرط کے بغیر واقف کے لئے ولایت باقی نہیں رہے گی(۴)۔

لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک، واقف کے لئے ولایت ثابت ہوگی، خواہ وہ اس کی شرط لگائے یا نہ لگائے اس لئے کہ ان کے نزدیک متولی کو حوالہ کرنا شرط نہیں ہے، مرغینانی نے کہا: یہ ہلال کا بھی قول ہے، یہی ظاہر مذہب ہے، اگر واقف دوسرے کو متولی بنائے گا، تو وہ اس کی طرف سے وکیل ہوگا، اور اسے اس کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا، خواہ وہ یہ شرط لگائے کہ اسے اس کو معزول کرنے کا اختیار رہے گا یا شرط نہ لگائے(۵)۔

رملی نے کہا: یہ اس کے بارے میں صریح ہے کہ کسی جرم کی وجہ سے اور بغیر کسی جرم کے اس کو معزول کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ وہ وکیل ہے اور مؤکل کو وکیل کے معزول کرنے کا مطلقاً اختیار رہوگا(۱)۔

الدر میں ہے: فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے، البحر میں ہے: مشائخ بلخ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہیں(۲)۔

مالکیہ کے نزدیک واقف کا اپنے لئے نگرانی کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا اس کی شرط کی پیروی صرف نگرانی کی تعیین میں کی جائے گی، لہذا اگر وہ شرط لگائے کہ فلاں اس کے وقف کا نگراں ہوگا تو اس کی شرط کی پیروی کی جائے گی، اس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف جانا جائز نہیں ہوگا، البدر القرافی نے کہا: واقف کو اس کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا، اگرچہ بغیر کسی جرم کے ہو(۳)، اسی طرح ابن عرفہ نے صراحت کی ہے، انہوں نے کہا: واقف اگر ایسے شخص کو نگراں مقرر کرے جس کو وہ اس کا اہل سمجھے تو اسے اس کو معزول کرنے، اور بدلنے کا اختیار ہوگا، حطاب نے بعض وقتی نئے مسائل اور ان کے بارے میں علماء کے اقوال بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز وقف کرے، اور اسے دوسرے کے قبضہ میں دیدے، پھر وہ اس کو معزول کرنا چاہے تو کسی واضح سبب کے بغیر اسے یہ اختیار نہیں ہوگا جیسے کہ اگر قاضی کسی کو مقرر کردے(۴)۔

دوم: معزول کرنے میں قاضی کا حق:

۱۱۵ – قاضی کو ولایت عامہ کا حق ہوتا ہے، اسی لئے اس کے لئے اس نگراں کو معزول کرنے کا حق ثابت ہوجاتا ہے جس کے لئے واقف

(۱) کشاف القناع ۴ / ۲۷۲، شرح منتہی الارادات ۲ / ۵۰۴، مطالب اولی النہی ۴ / ۳۲۹۔
(۲) الاسعاف ۴۹۔
(۳) البحر الرائق ۵ / ۲۴۴۔
(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳ / ۴۱۲۔
(۵) الاسعاف ۴۹، الہدایہ وشروحہا فتح القدیر والعنایہ ۶ / ۲۳۰-۲۳۱۔

(۱) منحۃ الخالق لابن عابدین بہامش البحر الرائق ۵ / ۲۴۴۔
(۲) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۳ / ۴۱۲، البحر الرائق ۵ / ۲۴۴۔
(۳) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۴ / ۸۸۔
(۴) مواہب الجلیل ۶ / ۳۹۔

کی طرف سے نگرانی کی شرط لگائی گئی ہو اور اس کی خیانت ثابت ہوجائے (۱) یا جس میں ان شرطوں میں سے کوئی شرط پوری طرح موجود نہ ہو، جس کا پایا جانا نگراں میں واجب ہوتا ہے، جس کا بیان تفصیل سے گزر چکا ہے، اور بلا وجہ اس کو معزول کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا (۲)۔

لیکن اگر قاضی نے ہی اس کو نگرانی سونپی ہو تو اس کو معزول کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ مالکیہ، شافعیہ اور بعض فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے کہ جس کو قاضی متولی بنائے تو خیانت، یا اس کے علاوہ کسی سبب کے بغیر اس کو معزول کرنا جائز نہ ہوگا۔

حنابلہ اور بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک نگراں کو کسی خیانت کے بغیر معزول کرنا جائز ہوگا (۳)۔

وقف کے لئے چند نگراں ہونا:

۱۱۶ – وقف کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ نگراں ہونا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے (۴)۔

لیکن اگر واقف نگرانی دو آدمیوں کے سپرد کرے اس کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا دوسرے کے بغیر ان میں سے ایک کے لئے تنہا تصرف کرنا صحیح ہوگا؟

چنانچہ شافعیہ، حنابلہ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر واقف نگرانی دو آدمیوں کے سپرد کرے تو ان میں سے ایک کا دوسرے سے الگ ہوکر تصرف کرنا صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ واقف ان میں سے ایک کی رائے سے راضی نہیں ہے، لیکن اگر واقف ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے نگرانی کی شرط لگائے تو دونوں میں سے ہر ایک کا تنہا تصرف کرنا صحیح ہوگا (۱)۔

اگر واقف وقف کی عمارت کی ذمہ داری کسی ایک کو سپرد کرے، اور اس کی آمدنی وصول کرنے کی ذمہ داری دوسرے کو دے، تو یہ صحیح ہوگا، دونوں میں سے ہر ایک کے لئے وہی ذمہ داری ہوگی جس کو واقف نے اس کے لئے مشروط کیا ہے اس لئے کہ اس کی شرط کی اتباع واجب ہے (۲)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ واقف اگر یہ شرط لگائے کہ نگراں اس کی اولاد میں سے سب سے زیادہ سوجھ بوجھ والا، پھر اس کے بعد زیادہ سوجھ بوجھ والا ہوگا، پھر ان میں سے ہر ایک ثابت کردے کہ وہ زیادہ سوجھ بوجھ والا ہے تو اگر ان میں اہلیت موجود ہو تو وہ نگرانی میں شریک ہوجائیں گے، اور ان میں سے کوئی تنہا تصرف نہیں کرے گا، اس لئے کہ بینات (شواہد وگواہ) کے تعارض کے سبب زیادہ سوجھ بوجھ والا ہونا ساقط ہوجائے گا، اصل سوجھ بوجھ باقی رہے گی اور اگر ان میں سے کسی میں زیادہ سمجھ بوجھ موجود ہوگی تو وہ نگرانی کے لئے خاص ہوجائے گا (۳)۔

حنفیہ میں سے امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز ہوگا کہ ہر ایک نگراں الگ طور پر تنہا تصرف کرے، الاسعاف میں ہے: اگر واقف

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۴–۳۸۵، مواہب الجلیل ۶/ ۳۷، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۸۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۳۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۶، البحر الرائق ۵/ ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۴، الدسوقی ۴/ ۸۸، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۹۔

(۳) الحطاب ۶/ ۴۰، الدسوقی ۴/ ۸۸، کشاف القناع ۴/ ۲۷۲، مطالب اولی النہی ۴/ ۳۳۰، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۸۶، ۴۱۹، البحر الرائق ۵/ ۲۵۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۹۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۰۹، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، کشاف القناع ۴/ ۲۷۲، العدوی علی الخرشی ۸/ ۱۹۳، عقد الجواہر الثمینہ ۳/ ۴۳۰۔

(۱) الاسعاف ر ۵۰، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، کشاف القناع ۴/ ۲۷۲۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۵۰۵۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۸، ۳۹۹۔

وقف کی ذمہ داری دو آدمیوں کو دیدے، تو ان کے نزدیک دونوں کے لئے تنہا تصرف کرنا جائز ہوگا (۱)۔

حنفیہ نے کہا: اگر کسی آدمی کو نگرانی سپرد کرے پھر دوسرے آدمی کو وصی بنادے، تو دونوں نگراں ہوں گے، وصی وقف کے معاملہ میں متولی کا شریک ہوگا، الا یہ کہ وہ تخصیص کردے، جیسے وہ کہے: میں نے اپنی زمین اس پر وقف کیا، اور اس کا متولی فلاں کو بنایا اور فلاں کو اپنے ترکہ وتمام امور میں اپنا وصی بنایا، تو اس وقت ان دونوں میں سے ہر ایک اس کام کو تنہا کرے گا جو اس کو سونپا گیا ہے، ابن عابدین نے الاسعاف سے اس کو نقل کیا پھر فرمایا: شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی چیز سے تخصیص عدم مشارکت کا قرینہ ہے، پھر ابن عابدین نے فرمایا: لیکن انفع الوسائل میں الذخیرہ کے حوالہ سے ہے: اگر وقف کے متعلق کسی آدمی کے لئے وصیت کرے اور اپنی اولاد کے لئے کسی دوسرے کے حق میں وصیت کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک وہ دونوں چیزوں میں وصی ہوں گے (۲)۔

انہوں نے کہا: اگر ایک وقف کی دو تحریریں موجود ہوں ہر تحریر میں الگ متولی کا نام ہو اور دوسرے کی تاریخ بعد کی ہو، تو دونوں شریک ہوں گے (۳)۔

اگر واقف اپنی اولاد میں سے افضل کے لئے ولایت مقرر کرے، اور فضیلت میں وہ برابر ہوں، تو ولایت میں وہ شریک نہیں ہوں گے، ولایت صرف عمر میں ان میں سب سے بڑے کے لئے ہوگی (۴)۔

اگر نگرانی دو آدمیوں کو سپرد کرے، ان میں سے ایک قبول کرلے اور دوسرا رد کردے، یا ان میں سے ایک مرجائے، یا اس کے ساتھ کوئی مانع پیش آجائے، تو حاکم دوسرے کو اس کی جگہ مقرر کرے گا یہ حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ سب کا مذہب ہے (۱)۔

ط- وقف کے نگراں کا نگرانی کو دوسرے کے سپرد کرنا:

۱۱۷- فقہاء کا قول ہے کہ نگراں کے لئے یہ جائز نہیں ہے جس کو چاہے اس کو نگرانی سپرد کردے، یا دوسرے کو نگرانی کی وصیت کرے، سوائے اس صورت کے جب کہ واقف نے اس کو اس کا اختیار دیا ہو، اور یہ چیز اس کے سپرد کی ہو (۲)، یہ فی الجملہ ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کچھ تفصیل ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

حنفیہ نے کہا: اگر واقف متولی کو عام اختیار سپرد کرے یعنی واقف اس کو اپنا قائم مقام بنائے، اور اس کو اختیار دے کہ وہ جسے چاہے اس کے حوالہ نگرانی کردے، اور اس کی وصیت کردے، تو اس حالت میں یہ اس کے لئے جائز ہوگا کہ اپنی صحت کی حالت میں اور اپنے اس مرض کی حالت میں جو موت سے متصل ہوا ہو، نگرانی دوسرے کے حوالہ کردے، لیکن اگر اس کو عام اختیار نہ ہو، اور واقف اس کو یہ اختیار نہ دے کہ وہ نگرانی دوسرے کو سپرد کردے، تو متولی کا اپنی صحت کی حالت میں نگرانی دوسرے کو سپرد کرنا صحیح نہ ہوگا اس کے لئے یہ صرف اس صورت میں جائز ہوگا جب کہ یہ اس کے مرض الموت میں ہو، کیوں کہ وہ وصی کہ درجہ میں ہے، اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ دوسرے

---

(۱) الاسعاف ۵۰۔

(۲) الدرالمختار وحاشیہ ابن عابدین ۴۰۹/۳، ۴۱۰، الاسعاف ۵۱۔

(۳) الدرالمختار وحاشیہ ابن عابدین ۴۱۰/۳۔

(۴) الاسعاف ۵۱۔

(۱) الاسعاف ۵۰، مغنی المحتاج ۳۹۴/۲، نہایۃ المحتاج ۳۹۸/۵، مطالب اولی النہی ۳۳۱/۴، الانصاف ۶۰/۷-۶۱۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۴۱۱/۳-۴۱۲، حاشیۃ الدسوقی ۸۸/۴، الحطاب ۳۸/۶، نہایۃ المحتاج ۳۹۹/۵، مغنی المحتاج ۳۹۴/۲، کشاف القناع ۲۷۲/۴۔

کو وصی بنائے (۱)۔

شافعیہ نے کہا: اگر واقف کہے: میں نے نگرانی فلاں کے سپرد کردی ہے، اور اسے اختیار ہوگا کہ جسے چاہے نگرانی سپرد کردے، تو یہ جائز ہوگا، اور کیا سپرد کرنے والے کی نگرانی زائل ہوجائے گی یا جس کو سپرد کی جائے وہ سپرد کرنے والے کا وکیل ہوگا؟ اس میں دو آراء ہیں:

اول: یہی راجح مذہب ہے کہ سپرد کرنے والے کی نگرانی زائل ہوجائے گی، جس کو نگرانی سپرد کی جائے اگر وہ نگرانی تیسرے شخص کو سپرد کردے، تو واقف یا تفویض کردہ کے لئے اس کو معزول کرنے یا اس کا شریک بننے کا اختیار نہیں ہوگا، اور اس کی موت کے بعد نگرانی اس کے پاس نہیں لوٹے گی، اس لئے کہ سپردگی تملیک کے درجہ میں ہوتی ہے۔

دوم: یہ امام سبکی کی رائے ہے کہ جس کو سپرد کی جائے وہ سپرد کرنے والے کا وکیل ہوگا، لہذا اگر سپرد کرنے والا مر جائے، تو جس کو نگرانی سپرد کی گئی ہو اس کے لئے نگرانی باقی نہیں رہے گی، اسی طرح اگر سپرد کردہ مر جائے، تو نگرانی سپرد کرنے والے کے لئے لوٹ آئیگی، اس لئے کہ وہ وکیل کی طرح ہے (۲)۔

حنابلہ کی رائے ہے: جس ناظر کے لئے واقف کی طرف سے نگرانی مشروط ہو وہ یا تو موقوف علیہ ہوگا یا غیر موقوف علیہ ہوگا، اگر وہ موقوف علیہ ہو تو اس کو اپنی طرف سے وکیل مقرر کرنے، اور اس کو معزول کرنے کا اختیار ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنی ولایت کے اصل ہونے کی وجہ سے خود اپنے مال میں تصرف کرنے والے شخص کے مشابہ ہے، اگر مشروط نگراں موقوف علیہ کے علاوہ کوئی ہو، تو اس کو نگراں مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اور نہ نگرانی کی وصیت کرنے کا، جب تک کہ اس کے لئے مشروط نہ ہو کہ وہ جسے چاہے مقرر کرے یا وصیت کرے (۱)۔

وقف کا ختم ہوجانا:

۱۱۸ - وقف کے ختم ہو جانے کی ایک صورت موقوف کا واقف کی ملک میں لوٹ آنا ہے، خواہ یہ موقوف کے معطل ہوجانے، اس کے ویران ہوجانے، اور اس سے انتفاع کی لیاقت ختم ہوجانے کے سبب ہو جیسا کہ بعض فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں (دیکھئے: فقرہ/ ۹۷) یا یہ منقطع ہوجانے والی جہت پر وقف کرنے کی وجہ سے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء حنفیہ وشافعیہ کہتے ہیں (دیکھئے: فقرہ/ ۷۴) یا یہ اس موقت وقف کے تعلق سے ہو جس کی اجازت مالکیہ نے دی ہے (دیکھئے: فقرہ/ ۱۸) بحث کے دوران ان مسائل کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۱۱-۴۱۲۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۴، نہایۃ المحتاج ۵/ ۳۹۹، تحفۃ المحتاج ۶/ ۲۹۱۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۲۷۲۔

تراجم فقہاء

جلد ۴۴ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

الف

ابن ابی زید: دیکھئے: ابو محمد بن ابی زید القیروانی۔

ابن ابی لیلی: یہ محمد عبدالرحمٰن ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن ابی موسی: یہ محمد بن احمد بن موسی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گزر چکے۔

ابن تیمیہ: یہ احمد بن عبدالحلیم ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن الجہم (؟-۳۲۹ھ):
یہ قاضی ابوبکر محمد بن احمد بن الجہم ہیں، ابن الوراق المروزی کے نام سے مشہور ہیں، آپ امام ثقہ فاضل، اصول فقہ کے عالم اور عادل قاضی تھے، قاضی اسماعیل سے حدیث کی سماعت کی، اور انہیں سے فقہ حاصل کی، امام مالک کے مذہب پر کئی جلیل القدر کتابیں تالیف کیں، ان میں کچھ یہ ہیں:
کتاب فی بیان السنۃ، کتاب مسائل الخلاف، الحجۃ فی مذہب مالک، (شجرۃ النور الزکیۃ ۱-۷۸-۷۹)

ابن الجوزی: یہ عبدالرحمٰن بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابن الحاج: یہ محمد بن محمد مالکی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابن الحاجب: یہ عثمان بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن حامد: یہ الحسن بن حامد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابن حبیب: یہ عبدالملک بن حبیب ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن حجر: دیکھئے: ابن حجر العسقلانی:

ابن حجر الہیتمی: یہ احمد بن حجر ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن حزم: یہ علی بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن حمدون: یہ احمد بن یوسف بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن خویز منداد: یہ محمد بن احمد بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۸ ص...... میں گذر چکے۔

ابن رجب: یہ عبدالرحمٰن بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن الرصاع (؟-۸۹۴ھ)
یہ محمد بن قاسم ہیں کنیت ابوعبداللہ نسبت انصاری تلمسانی پھر تونسی مغربی مالکی ہے، ابن الرصاع کے نام سے معروف ہیں، (رصّاع سونے میں موتی وجواہر کے پرونے والے کو کہتے ہیں) یہ ان کے آباء میں سے کسی کا ہنر تھا، انہوں نے احمد قلشانی، عمر قلشانی، ابن عقاب، اور دوسرے حضرات سے علم حاصل کیا، امام، خطیب اور مفتی رہے، نیز فقہ، اصول دین اور علوم عربیت وغیرہ کا درس دیا، آپ نے ایک شرح اسماء نبویہ کی شرح میں، اور دوسری نبی اکرم ﷺ پر درود شریف کے بارے میں مرتب کی، حدود ابن عرفہ کی شرح کی، اور فقہ میں ایک بڑی کتاب تصنیف کی۔ (الضوء اللامع ۸-۲۸۷-۲۸۸، شجرہ النور الزکیۃ ۱-۲۵۹-۲۶۰)

ابن رشد: یہ محمد بن احمد (دادا) ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن رضوان المالقی (۷۱۸-۷۸۴ھ)
یہ عبداللہ بن یوسف بن رضوان بن یوسف بن رضوان ہیں نسبت نجاری مالقی ثم الفاسی ہے، انہوں نے اپنے والد اور ماموں ابوالحاکم ابن القاضی ابی القاسم بن ربیع، نیز مالقہ کے قاضی احمد بن عبدالحق الجد لی، اور قاضی ابوبکر بن منظور وغیرہ سے علم حاصل کیا، ابوزکریا سراج نے کہا: ہمارے شیخ فقیہ، خطیب، بلیغ، نحوی لغوی، راوی (حدیث)، مختلف علوم کے ماہر اور ناظم (نظم گو) تھے، مختلف علوم میں ماہر تھے۔ شروط کے معاملات کو جاننے والے تھے، اہل دین سے محبت کرنے والے، اور ان کی تعظیم کرنے والے تھے، (نیل الابتھاج بتطریز الدیباج لاحمد بابا التنبکتی ۱-۲۳۶، ۲۳۷)۔

ابن الرفعۃ: یہ احمد بن محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۹ ص...... میں گذر چکے۔

ابن سریج: یہ احمد بن عمر بن سریج ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن سیرین: یہ محمد بن سیرین ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن شاس: یہ عبداللہ بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن شبرمہ: یہ عبداللہ بن شبرمۃ ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابن الشحنۃ: یہ عبدالبر بن محمد بن محمد بن محمود ہیں:
ان کے حالت ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابن الصلاح: یہ عثمان بن عبدالرحمٰن بن موسی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ابن عابدین: یہ محمد امین بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عباس: یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عبدالحکم: یہ عبداللہ بن عبدالحکم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عبدالسلام: یہ محمد بن عبدالسلام بن یوسف بن کثیر ہیں:
ان کے حالت ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عتاب: یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن عتاب ہیں:
ان کے حالات ج ۲۰ ص...... میں گذر چکے۔

ابن العربی: یہ محمد بن عبداللہ بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عرفة: یہ محمد بن محمد بن عرفہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عقیل: یہ علی بن عقیل ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابن علان: یہ محمد علی بن محمد علان ہیں:
ان کے حالات ج ۱۰ ص...... میں گذر چکے۔

ابن علیة: یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابن عمر: یہ عبداللہ بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن فتوح (۴۲۰ سے پہلے-۴۸۸ھ):
یہ ابوعبداللہ محمد بن ابی النصر فتوح بن عبداللہ ہیں، نسبت ازدی، حمیدی اندلسی میورقی ہے، انہوں نے ابوعمر بن عبدالبر، قاضی ابوعبد اللہ قضاعی، اور حافظ ابوبکر خطیب وغیرہ سے علم حاصل کیا، ابراہیم سلماسی نے کہا: پرہیزگار، متقی، حدیث، اس کی علل اور روات کے امام، کتاب وسنت کی موافقت وتوافق کی نسبت سے اصحاب حدیث کے مذہب کے مطابق تحقیق اور اصول کے علم کے ماہر ومحقق، فصیح زبان، عربیت نیز خطوط نویسی میں متبحر تھے۔
ان کی تصنیفات میں سے ''الذہب المسبوک فی وعظ الملوک'' ''وجمل تاریخ الاسلام'' ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء ۱۹-۱۲۰-۱۲۷)

ابن القاسم: یہ عبدالرحمٰن بن القاسم المالک ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن قتیبہ: یہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبة ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابن قدامہ: یہ عبداللہ بن محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن القیم: یہ محمد بن ابی بکر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن الماجشون: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن مسعود: عبداللہ بن مسعودؓ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن المسیب: یہ سعید بن المسیب ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن المنذر: یہ محمد بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابن منصور (؟-۲۵۱ھ)

یہ اسحاق بن منصور بن بہرام ہیں، کنیت ابو یعقوب کوسج، نسبت مروزی ہے، انہوں نے عراق، حجاز اور شام کا سفر کیا، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور وکیع بن الجراح سے حدیث کی سماعت کی، بغداد کا سفر کیا، وہاں کے باشندوں میں سے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے آپ سے روایت کی، بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، ابن یعلی نے کہا: عالم، فقیہ تھے، انہوں نے ہی ہمارے امام (احمد) سے فقہ کے مسائل مدون کئے ہیں۔

(طبقات الحنابلۃ لابن ابی یعلی ۱-۳۰۳-۳۰۶)

ابن نجیم: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن النحاس (؟-۸۱۴ھ)

ان کے حالات ج ۴۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابن ورد (؟-۵۴۲ھ)

یہ عبدالملک بن محمد بن عمر تمیمی ہیں، کنیت ابومروان ہے اہل مریہ کے باشندہ تھے، ابن ورد کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے ابوعلی غسانی اور ابوعلی صدفی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، فقیہ، مسائل کے حافظ، رائے (اجتہاد وقیاس) کے ماہر اس کے مستحق کہ ان سے (دینی امور میں) مشورہ لیا جائے نیز فتوی میں بصیرت رکھنے والے تھے۔

(الذیل والتکملۃ لمحمد الانصاری ۵-۳۶)۔

ابن وھب: یہ عبداللہ بن وہب ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابن یونس: یہ محمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی ہیں:

ان کے حالات ج ۱۰ ص...... میں گذر چکے۔

ابواسحاق المروزی (؟-۳۴۰ھ)

یہ ابواسحاق ابراہیم بن احمد مروزی ہیں، فقہاء شافعیہ کے ائمہ میں سے تھے، انہوں نے مذہب شافعی کی وضاحت کی اور خلاصہ وحاصل پیش کیا، اور درس وفتوی دیتے ہوئے ایک طویل زمانہ تک بغداد میں

مقیم رہے، آپ کے ذریعہ بہت سے ائمہ تیار ہوئے، جیسے ابوزید مروزی، اور بصرہ کے مفتی قاضی ابواحمد، احمد بن بشر مروزی اور کئی لوگ۔

(تاریخ بغداد ۶-۱۱، سیر أعلام النبلاء ۱۵-۴۲۹)

ابوبکرصدیق:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن (؟-۹۵ھ)

یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، بن المغیرہ ہیں، امام، مدینہ نبویہ کے سات فقہاء میں سے ایک تھے، کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، انہوں نے اپنے والد، نیز حضرت عمار بن یاسر، حضرت عائشہ وغیرھم رضی اللہ عنہم سے حدیث نقل کی ہے، ان سے ان کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبدالملک، نیز مجاہد اور زہری وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے، ثقہ، فقیہ، سخی، عالم، اور کثیر الحدیث تھے۔

(السیر ۴-۴۱۶)

ابوثور: یہ ابراہیم بن خالد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوجعفر الطحاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوحامد: یہ احمد بن محمد اسفرائینی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوحنیفہ: یہ نعمان بن ثابت ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوالخطاب: یہ محفوظ بن احمد کلوذانی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوالدرداء: یہ عویمر بن ثابت ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوذر: یہ جندب بن جنادہ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابوالسعود: یہ محمد بن محمد بن مصطفی العمادی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابوسعید خدری: یہ سعد بن مالک بن سنان ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوسعید بن ابی عصرون: یہ عبداللہ بن محمد بن ھبۃ اللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۷ ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن:

ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ابوطالب: یہ احمد بن حمید حنبلی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ابوعمران: یہ موسیٰ بن عیسیٰ فاسی ہیں:
ان کے حالات ج ۷ ص ۳...... میں گذر چکے۔

ابوالفرج: یہ عمرو بن محمد اللیثی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴...... میں گذر چکے۔

ابوالمعالی حنبلی: یہ اسعد بن برکات تنوخی ہیں:
ان کے حالات ج ۷ ص ۳...... میں گذر چکے۔

ابوموسیٰ اشعری: یہ عبداللہ بن قیس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابونصر صفار (؟-۴۰۵ھ)
ان کے حالات ج ۳ ص ۴...... میں گذر چکے۔

ابوہریرۃ: یہ عبدالرحمٰن بن صخر دوسی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابوہلال مروزی؟

....

ابویعلی: یہ محمد بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ابویوسف: یہ یعقوب بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

احمد: دیکھئے: احمد بن حنبل:

اذرعی: یہ احمد بن حمدان ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الأزجی (۳۵۶-۴۴۴ھ)

یہ ابو القاسم عبدالعزیز بن علی بن احمد بن الفضل ہیں، نسبت بغدادی ازجی ہیں، انہوں نے عبدالعزیز خرقی، ابن المظفر ، دارقطنی اور ایک جماعت سے حدیث کی سماعت کی، اور خود ان سے خطیب بغدادی، قاضی ابویعلی اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، خطیب نے کہا: صدوق اور کثیر التحریر تھے، ذھبی نے کہا؛ شیخ، امام، محدث، اور نفع رسان تھے، صفات (باری تعالی) سے متعلق آپ کی ایک کتاب ہے جس کو آپ سنوار نہیں پائے تھے۔

(تاریخ بغداد ۱۰-۴۶۸، السیر ۱۸-۱۸-۱۹)

اسحاق: دیکھئے: اسحاق بن راھویہ:

الأسروشنی: یہ محمد بن محمود ہیں:
ان کے حالات ج ۲۰ ص...... میں گذر چکے۔

الأسنوی: یہ عبدالرحیم بن الحسن بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

انس بن مالک بن نضر نجاری:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

اشہب: یہ اشہب بن عبدالعزیز ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

اصبغ: یہ اصبغ بن الفرج ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الأنصاری: (؟-۱۲۲۵ھ) یہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

الاوزاعی: یہ عبدالرحمٰن بن عمرو ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ب

البابرتی: یہ محمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الباجی: یہ سلیمان بن خلف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

البجیرمی: یہ سلیمان بن محمد بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱۲ ص...... میں گذر چکے۔

البغوی: یہ الحسین بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

بکر بن عبداللہ المزنی: (؟-۱۰۸ھ):
ان کے حالات ج ۴۳ ص...... میں گذر چکے۔

البلقینی: یہ عمر بن رسلان بن نصیر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

البنانی: یہ محمد بن الحسن بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

البھوتی: یہ منصور بن یونس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

البیری (؟-۱۰۹۹ھ)
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ت

تقی الدین السبکی: یہ علی بن عبدالکافی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

التمر تاشی: یہ محمد بن صالح بن محمد بن محمد بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج۳ص......میں گذر چکے۔

ث

الثوری: یہ سفیان بن سعید ہیں:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

ج

جابر بن عبداللہ انصاری:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

جابر بن زید:
ان کے حالات ج۲ص......میں گذر چکے۔

الجرجانی: یہ علی بن محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج۲۴ص......میں گذر چکے۔

جریر: یہ جریر بن عبداللہ بن جابر ہیں:
ان کے حالات ج۶ص......میں گذر چکے۔

الجزولی: یہ عبدالرحمٰن بن عفان ہیں:
ان کے حالات ج۲۷ص......میں گذر چکے۔

الجصاص: یہ احمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

الجوینی: یہ عبداللہ بن یوسف ہیں:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

ح

الحارثی: یہ مسعود بن احمد بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

الحسن: یہ الحسن بن یسار البصری ہیں:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

الحسن بن زیادلؤلؤی:
ان کے حالات ج۱ص......میں گذر چکے۔

الحسن بن علی:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

الحصکفی: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الحطاب: یہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الحکم: یہ الحکم بن عتیبۃ ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

الحلبی: یہ ابراہیم بن محمد الحلبی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

حماد بن ابی سلیمان:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الخرقی: یہ عمر بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الخصاف: یہ احمد بن عمرو (ایک قول ہے عمر) ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الخطیب الشربینی: یہ محمد بن احمد الشربینی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

خلاس بن عمرو:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

خلیل بن اسحاق:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الخیر الرملی: یہ خیر الدین بن احمد بن نور الدین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

خ

الخرشی: یہ محمد بن عبداللہ المالکی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

د

الدرویر: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الدارمی (۲۰۰ سے پہلے-۲۸۰ھ) یہ ابوسعید عثمان بن سعید الدارمی السجستانی ہیں:

انہوں نے ابوالیمان الحکم بن نافع، مسدد، احمد بن حنبل، یحیی بن معین اور علی بن المدینی وغیرہ سے حدیث سنی، اور حدیث نیز اس کی علل کا علم علی، یحیی اور احمد سے حاصل کیا، اپنے زمانہ والوں پر فوقیت حاصل کی، سنت کے عاشق، مناظرہ میں صاحب بصیرت تھے، ان سے ابوعمرو احمد بن محمد الحیری، احمد بن محمد بن الازهر، اور محمد بن یوسف الهروی وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے، ان کی تصنیفات میں ''الرد علی الجهمیة'' اور ایک ''مسند'' ہے جو کافی ضخیم ہے۔

(السیر للذهبی ۱۳-۳۱۹-۳۲۶، طبقات الشافعیه ۲-۳۰۲-۳۰۶)

الدسوقی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الدمیری: یہ محمد بن موسی بن عیسی بن علی ہیں:

ان کے حالات ج۲۵ ص...... میں گذر چکے۔

ذ

الذهبی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

ر

الراغب الاصفہانی: یہ الحسین بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج۶ ص...... میں گذر چکے۔

الرافعی: یہ عبدالکریم بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

راشد بن سعد الحبرانی:

ان کے حالات ج۲۴ ص...... میں گذر چکے۔

ربیعہ بن عبدالرحمٰن: یہ ربیعہ بن فروخ ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الرحیبانی: یہ مصطفیٰ بن سعد ہیں:

ان کے حالات ج۲ ص...... میں گذر چکے۔

الرملی: یہ احمد بن حمزہ الرملی ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الرویانی: یہ عبدالواحد بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

ز

الزرقانی: یہ عبدالباقی بن یوسف ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

الزرکشی: یہ محمد بن عبداللہ بن بھادر ہیں:
ان کے حالات ج ۲ س...... میں گذر چکے۔

زفر: یہ زفر بن الھذیل ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

الزمخشری: یہ محمود بن عمر بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ٦ ص میں گذر چکے۔

الزہری: یہ محمد بن مسلم ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

زید بن اسلم العمری:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

الزیلعی: یہ عثمان بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

س

سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

سحنون: یہ عبدالسلام بن سعید ہیں:
ان کت حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

السرخسی: یہ محمد بن احمد بن ابی سھل ہیں:
ان کے حالات ج ا...... میں گذر چکے۔

السعد: یہ مسعود بن عمر بن عبداللہ التفتازانی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

سعد بن ابی وقاص القرشی:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

سعید بن جبیر:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

سعید بن المسیب:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

السمنانی: یہ علی بن محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج۱۶ ص...... میں گذر چکے۔

السہیلی: یہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج۹ ۳ ص...... میں گذر چکے۔

السیوری: یہ عبدالخالق بن عبدالوارث ہیں:
ان کے حالات ج ۴۰ ص...... میں گذر چکے۔

ش

الشافعی: یہ محمد بن ادریس ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الشبراملسی: یہ علی بن علی ابوالضیاء ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الشلبی: یہ احمد بن محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج۹ ص...... میں گذر چکے۔

الشروانی: یہ شیخ عبدالحمید ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

شریح: یہ قاضی شریح بن الحارث ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الشعبی: یہ عامر بن شراحیل ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

الشوکانی: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

الشیرازی: یہ ابراہیم بن علی بن یوسف ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ص

الصاحبان:
اس لفظ کی مراد کی وضاحت ج۱ ص...... میں گذر چکی۔

صاحب التہذیب: یہ الحسین بن مسعود بغوی ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

صاحب الدر: یہ الحصکفی ہیں:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔

صاحب الرعایۃ: یہ احمد بن محمد الحرانی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۹ ص...... میں گذر چکے۔

صاحب العدہ: یہ الحسین بن علی الحسن الطبری ہیں:
ان کے حالات ج ۴۰ ص...... میں گذر چکے۔

الصیدلانی: یہ محمد بن داؤد بن محمد المروزی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۱ ص...... میں گذر چکے۔

ض

ضمرہ بن حبیب الزبیدی:
ان کے حالات ج ۲۴ ص...... میں گذر چکے۔

ط

الطرسوسی: یہ ابراہیم بن علی بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۷ ص...... میں گذر چکے۔

طاووس: یہ طاوس بن کیسان ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الطرابلسی: یہ ابراہیم بن موسی بن ابی بکر الحنفی ہیں:
ان کے حالات ج ۳۲ ص...... میں گذر چکے۔

ع

(حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عبدالحق: یہ عبدالحق بن عبدالرحمٰن الاشبیلی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف القرشی:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

عبدالقادر الفاسی: یہ عبدالقادر بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

عبداللہ بن الزبیرؓ:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

العبدوسی: یہ عبداللہ بن محمد بن موسی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ۴ ص...... میں گذر چکے۔

عبدالملک بن الماجشون:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عبیداللہ بن معمر (؟-۲۹ھ)
ان کے حالات ج ۳ ۴ ص...... میں گذر چکے۔

عبیدہ السلمانی:
ان کے حالات ج ۷ ۲ ص...... میں گذر چکے۔

عثمان بن عفان:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

العدوی: یہ علی بن احمد العدوی الصعیدی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

العز بن عبدالسلام: یہ عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

العشماوی (؟-۱۱۶۷ھ):
یہ محمد بن احمد بن یحیی بن حجازی ہیں نسبت عشماوی ازہری ہے انہوں نے شیخ عبداللہ الدیوی اور الشہاب احمد بن عمر الدیربی سے فقہ حاصل کی، حدیث کی سماعت زرقانی سے کی، ان کی وفات کے بعد کتب ستہ کو ان کے شاگرد الشہاب احمد بن عبداللطیف المنزلی سے حاصل کیا، زمانہ کے اکثر فضلاء نے صرف ان سے علم حاصل کیا، جبرتی نے ان کے بارے میں کہا: شیخ امام، فقیہ، محدّث و مسند ہیں۔
(عجائب الاثار فی التراجم والاخبار للجبرتی ۱-۱۹۶)

عطاء: یہ عطاء بن ابی رباح ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عقبۃ بن عامر:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

عکرمہ: یہ حضرت ابن عباسؓ کے مولی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

علی بن زیاد: یہ ابوالحسن تونسی، عبسی مالکی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۵ ص...... میں گذر چکے۔

علی الرازی (؟ تقریبا ۲۶۶ھ)
صیمری نے کہا: محمد بن شجاع کے ہم عصروں میں سے ہیں، ہمارے اصحاب کے مذہب کے جاننے والے تھے، الجامع اور الاصول کے کئی مسائل پر تنقید کی، تقوی، زھد، سخاوت اور فضل کے ساتھ متصف تھے، الحسن بن زیاد سے فقہ حاصل کی، امام محمد، اور امام

ابو یوسف سے روایت کی، ان کی ایک تصنیف ''کتاب الصلاۃ'' ہے،
صاحب ھدایہ نے ان کو مقلدین کے طبقات کے سب سے افضل
طبقہ یعنی اصحاب الترجیح میں شمار کیا ہے۔
(الجواہر المضیۃ ۲-۶۲۴-۶۲۵، والفوائد البھیۃ ص ۱۴۴)

علیؓ بن ابی طالب:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عمرؓ بن الخطاب:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

عمر بن عبد العزیز:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

غ

الغزالی: یہ محمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الغنیمی: یہ عبد الغنی بن طالب ہیں:
ان کے حالات ج ۵۳ ص...... میں گذر چکے۔

ف

الفخر الرازی: یہ محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

الفورانی: یہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد المروزی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۱ ص...... میں گذر چکے۔

الفیومی: یہ احمد بن محمد بن علی الحموی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۵ ص...... میں گذر چکے۔

ق

القابسی: یہ علی بن محمد بن خلف ہیں:
ان کے حالات ج ۱۹ ص...... میں گذر چکے۔

القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق:
ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

القاضی بن اُشوع (؟-۱۲۰ھ)

یہ سعید بن عمرو بن اشوع ہیں نسبت ھمدانی کوفی ہے، قاضی تھے، انہوں نے شریح بن ھانی، شعبی اور ابو بردہ بن ابی موسی وغیرہ سے روایت کی ہے، ان سے ثوری اور سلمہ بن کھیل وغیرہ نے روایت کی ہے، نسائی نے کہا: ان سے (روایت کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

(تھذیب التھذیب ۴-۶۷)

القاضی ابوالحسن: یہ علی بن عمر (ابن القصار) ہیں:

ان کے حالات ج۸ ص...... میں گذر چکے۔

القاضی ابویعلی: یہ محمد بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

قاضیخان: یہ حسن بن منصور بن محمود اوجندی ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

القاضی عیاض: یہ عیاض بن موسی ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

قتادہ: یہ قتادۃ بن دعامہ ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

القدوری: یہ محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

القرافی: یہ احمد بن ادریس ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

القفال: یہ عبداللہ بن احمد بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

قرطبی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص...... میں گذر چکے۔

ک

کاسانی: یہ ابوبکر بن مسعود ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

کفوی: یہ ایوب بن موسی ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

کمال ابن الہمام: یہ محمد بن عبدالواحد ہیں:

ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ل

لیث بن سعد: یہ لیث بن سعد فھمی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

م

مالک: یہ مالک ابن انس اصبحی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

ماوردی: یہ علی بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

متیطی: یہ علی بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱۸ ص...... میں گذر چکے۔

مجاہد: یہ مجاہد بن جبر ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

محمد بن الحسن الشیبانی:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

محمد بن الفضل (۴۲۶-۵۰۸ھ)

یہ ابوبکر محمد بن فضل کماری ہیں، انہوں نے فقہ استاذ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب سبذمونی سے حاصل کی، ان سے قاضی الحسین بن الخضر نسفی، اور امام حاکم عبدالرحمٰن بن محمد کاتب وغیرہ نے فقہ حاصل کی، کتاب ''المبسوط'' زبانی یاد کی، اور نیسا پور تشریف لائے، اور بحیثیت فقیہ قیام فرمایا، پھر وہاں حج کر کے تشریف لائے، اور وہاں احادیث بیان کیں، لکھنوی نے کہا: بڑے امام، اور جلیل القدر شیخ تھے، روایت میں ثقہ اور درایت میں مقلد تھے، مشہور کتب فتاوی آپ کے فتاوی اور روایات سے بھری پڑی ہیں۔
(الجواہر المضیۃ ۴-۳۰۰-۳۰۲، والفوائد البھیہ ص ۱۸۴)

محمد بن کعب قرظی (؟-۱۰۸ھ)
ان کے حالات ج ۳۴ ص...... میں گذر چکے۔

مرداوی: یہ علی بن سلیمان ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گذر چکے۔

مرغینانی: یہ علی بن ابوبکر ہیں:
ان کے حالات ج ا ص...... میں گزر چکے۔

مطرف: یہ مطرف بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

مکحول:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

مواق: یہ محمد بن یوسف ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص...... میں گذر چکے۔

ن

ناطفی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۶ ص...... میں گذر چکے۔

نافع مولی ابن عمر: یہ نافع مدنی، ابوعبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

نخعی: یہ ابراہیم نخعی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

نووی: یہ یحیی بن شرف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص...... میں گذر چکے۔

ھ

ہلال بن یحیی بن مسلم:
ان کے حالات ج ۴۰ ص...... میں گذر چکے۔

ھیتمی: دیکھئے: ابن حجر ھیتمی:

و

ونائی (۷۸۸-۸۴۹ھ)
یہ شمس الدین محمد بن اسماعیل بن محمد بن احمد ہیں، آپ نے علم سے اشتغال کیا، اور شیخ شمس الدین برماوی اور ان کے طبقہ سے علم حاصل کیا، آپ فضل میں مشہور ہوئے، اور اکابر کی ایک جماعت کی صحبت اٹھائی، اور کئی مدارس میں طالب علم، پھر مدرس کی حیثیت سے قیام کیا، اور (مدرسہ) شیخونیہ کی تدریس آپ کے ذمہ کی گئی، پھر دو بار شام کی قضاء سونپی گئی، پھر قضاء سے استعفی دینے اور استعفی قبول کئے جانے کے بعد آپ واپس ہوئے اور یہ ۸۴۷ھ کا واقعہ ہے، پھر آپ نے (امام) شافعی (کی قبر) کے جوار میں مدرسہ صلاحیہ کی تدریس میں

سعی کی، اور ایک سال سے زیادہ تک اس کو انجام دیا۔ پھر تقریباً دو
مہینے کمزور رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ونشریسی: یہ احمد بن یحیی ہیں:
ان کے حالات ج٦ ص...... میں گذر چکے۔

ی

یحیی بن سعید: یحیی بن سعید بن قیس انصاری:
ان کے حالات ج۱ ص...... میں گذر چکے۔